وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ ﷺ

جلد ۳



تالیف

الشیخ العلامۃ نور الدین علی بن أحمد السمہودی

المتوفی ۹۱۱ھ

مترجم

شاہ محمد چشتی

نظرِ ثانی

محمد محسن

ادارہ پیغام القرآن

۴۰۔ اردو بازار، لاہور Ph:042-7323241

وفاء الوفا

باخبار دار المصطفیٰ ﷺ

تالیف

الشیخ العلامۃ نور الدین علی بن احمد السمہودی

المتوفی ۹۱۱ ھ

مترجم:
شاہ محمد چشتی

نظر ثانی:
محمد محسن





ادارہ پیغام القرآن

۴۰۔ اردو بازار ○ لاہور ☎ 042-7323241

نام کتاب	....	وفاء الوفاء (حصہ سوم اور چہارم)
مصنف	....	الشیخ علامہ نور الدین علی بن احمد السمہودی
مترجم	....	شاہ محمد چشتی
ترتیب ونظر ثانی	....	محمد محسن
اہتمام اشاعت	....	محسن فقری
سال اشاعت	....	اپریل 2008ء
پروف ریڈنگ	....	شاہ محمد چشتی
کمپوزنگ	....	ہجویری کمپوزرز اینڈ ڈیزائنرز (0321-4553105)
پرنٹرز	....	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز
قیمت	....	

..................ملنے کے پتے..................

شبیر برادرز 40۔ اُردو بازار لاہور

احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی (051-555820)

اسلامک بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی (051-5536111)

نظامی کتب خانہ درگاہ بابا صاحب پاکپتن شریف

فہرست (حصہ سوم)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پانچواں باب

عید کے دن حضور ﷺ نمازِ عید کہاں پڑھتے تھے' کونسی مسجدوں میں آپ نے کوئی نماز پڑھی' وہ مسجد کہاں اور کس طرف تھی' مدینہ میں تھی یا کہیں اردگرد' قبرستان اور اس میں دفن شدہ حضرات کا ذکر' مدینہ کے قابل زیارت مقامات نیز اُحد پہاڑ کی عظمت اور وہاں کے شہداء کا ذکر' سات فصلوں میں:

فصل نمبر۱

آپ نے عیدیں کس کس مقام پر پڑھیں؟

اس کے کئی پہلو ہیں پہلا پہلو وہ مقامات ہیں جہاں آپ نے نمازِ عید پڑھائی۔

حضور ﷺ کی پہلی نمازِ عید کا مقام

علامہ واقدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب مکہ سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو ۲ھ میں آپ نے مصلّٰے (ایک مقام) میں نمازِ عید پڑھی اور آپ کے لئے پھل لگے والا ڈنڈا اُٹھا لایا گیا' یہ وہ ڈنڈا تھا کہ کھلی جگہ میں نماز پڑھتے وقت اسے آگے گاڑا جاتا تھا' یہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا' انہیں ایک نجاشی نے دیا تھا' آپ نے حضور ﷺ کو بطور عطیہ پیش کر دیا تھا' عید کا دن ہوتا تو آپ اسے سامنے رکھتے' آج کل (دورِ واقدی میں) وہ اذان دینے والوں کے پاس ہوتا ہے یعنی لوگ ان کے دور میں اسے امام کے سامنے رکھنے کے لئے لے جاتے تھے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب ہم بنو قینقاع کے ہاں سے ہو کر واپس آئے تو دسویں ذوالحجہ کی صبح کو ہم نے قربانی کی' یہ وہ پہلی قربانی جسے مسلمانوں نے ہوتے دیکھا تھا' اس موقع پر بنو سلمہ کے مالدار لوگوں نے قربانی کی تھی' یہ شمار کی گئیں تو سترہ تھیں۔

عید نماز پڑھنے کا مقام

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ مدینہ میں حضور ﷺ نے لوگوں کو عید کی نماز حضرت حکیم بن عداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی میں پڑھائی' وہاں بار برداری کے اونٹوں والے لوگ رہتے تھے۔ابن شبہ نے حضرت ابو فروہ کی وساطت سے بتایا کہ آپ نے اسی مکان پر پڑھائی تھی اور ابن زبالہ کی روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ

ان کے مطابق حضرت ابراہیم بن ابو امیہ نے کہا: میں نے ہودج بنانے اور بیچنے والوں کے پاس حضرت ابو یسار کے گھر کے گوشہ میں ایک طرف حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایک مسجد دیکھی' اور کوئی مسجد وہاں موجود نہ تھی اور یہ وہی مسجد تھی جس میں حضور ﷺ نے قربانی کے دن نماز پڑھائی تھی آپ نے اور آپ کے صحابہ نے یہیں قربانیاں کی تھیں اور پھر جانور اُٹھا لے گئے تھے۔ پھر بتاتے ہیں' مجھے قربانی کے جانور اُٹھانے والوں کو دیکھنے والے ایک انصاری نے بتایا اور پھر ابن ابی فروہ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھی تو اس وقت آپ اس ذبح خانہ کے پیچھے تھے جو حضرت عداء بن خالد کے گھر کی پچھلی طرف کھلے صحن میں تھا' اسے دارِ ابی یسار کہتے تھے۔

میں کہتا ہوں' گذشتہ روایات یہ بتا رہی ہیں کہ نماز اسی مسجد میں پڑھی گئی تھی اور حکیم بن عداء کا گھر وہی تھا جو ان کے والد عداء بن خالد بن ھوذہ بن بکر بن ھوازن کا تھا لہٰذا کوئی اختلاف نہیں تاہم مجھے ان کے اس گھر کا کوئی علم نہیں کہ کہاں تھا البتہ ان کا قول: عند اصحاب المحامل یہ بتاتا ہے کہ یہ جگہ بازار کی بالائی جانب تھی جو مصلّٰے (جائے نمازِ عید) سے متصل تھی' ان روایات کی ابتداء میں یہ آچکا ہے کہ یہاں پہلی نماز پڑھی گئی تھی۔

نمازِ عید متعدد مقامات پڑھی گئی

یہ سوال کہ سب سے پہلے نماز کہاں پڑھی گئی؟ اس میں اختلاف کی روایت بھی ابن زبالہ نے ذکر کی ہے چنانچہ ایک عمر رسیدہ اور پختہ بزرگ نے بتایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلی نمازِ عید حارۃ الدوس (دوس کے چوک) میں پڑھی' یہ ابن ابی الجنوب کے گھر کے پاس تھا' دوسری نمازِ عید دارِ حکیم کے پاس پڑھی جو دارِ حفرہ کے قریب تھا اور اس حویلی میں تھا جس کے اندر مسجد تھی' پھر تیسری عید آئی تو دارِ عبد اللہ بن دار مزنی کے پاس پڑھی جو دارِ معاویہ اور دارِ کثیر بن صلت کے درمیان تھا اور پھر چوتھی عید مقامِ ''اجار'' کے قریب پڑھی جو مصلّٰے میں حناطین (مردوں پر خوشبو لگانے والے) کے قریب تھا' پھر محمد بن عبد اللہ بن کثیر بن صلت کے گھر کے اندر پڑھی اور پھر وہاں بھی پڑھی تھی جہاں آج کل (دورِ ابن زبالہ میں) لوگ پڑھا کرتے ہیں' یونہی ابن شبہ نے ابراہیم بن ابو امیہ کے حوالے سے لکھا: انہوں نے کہا: میں نے ابن باکیہ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے دار الشفاء میں نماز عید پڑھی' پھر حارہ الدوس میں اور پھر مصلّٰے میں پڑھی اور یہ بات ثابت ہے کہ وصال شریف تک آپ یہیں پڑھتے رہے۔

حضرت ابن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ آل درہ کی جگہ میں نمازِ عید پڑھی تھی' یہ مزینہ کا ایک قبیلہ تھا اور پھر اس کے قریب ہی بنو زریق کے قلعہ کے بائیں کونے میں پڑھی۔

میں کہتا ہوں کہ ''ثم صلّی فی المصلّٰی فثبت یصلّی فیه حتی تو فاه اللّٰه تعالٰی'' کی وضاحت ابن زبالہ کے پہلے اس قول میں موجود ہے کہ ''پھر آپ نے وہاں نماز پڑھی جہاں آج کل لوگ پڑھا کرتے ہیں۔'' یعنی جس کو ''مسجد مصلّٰے'' (عید گاہ) کہا جاتا ہے۔

عید گاہ اور باب السلام کے درمیان ایک ہزار ہاتھ کا فاصلہ تھا

ابن شبہ کے مطابق ابو غسان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد (جہاں دارِ مروان بن حکم تھا) اور عید گاہ کے درمیان ایک ہزار ہاتھ کا فاصلہ تھا۔

میں کہتا ہوں' خود میں نے پیائش کی تو اتنا ہی فاصلہ تھا' اس مسجد سے مراد وہی ہے جس کا ذکر بخاری شریف کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ عید کے دن اس علم (نشان) کے پاس تشریف لائے جو دارِ کثیر بن صلت کے پاس تھا۔الحدیث۔

لگتا ہے کہ مسجد بنانے سے پہلے انہوں نے اس نمازِ عید پڑھنے کی جگہ پر کوئی نشان قائم کر رکھا تھا جس سے مسجد کا پتہ چل سکے۔اس علم سے یہی مراد ہے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ: دارِ کثیر بن صلت عید گاہ کی قبلہ والی جانب تھا' یہ مدینہ کے وسط میں بطحان الوادی پر دکھائی دیتا تھا۔انتہیٰ۔ یہاں یہ مراد نہیں کہ وہ بطحان الوادی سے متصل تھا' اس کے اور اس کے درمیان فاصلہ تھا' یہ اس سے پہلے آتا تھا اور ولید بن عقبہ کے قبضے میں تھا' پھر کثیر بن صلت کے نام سے مشہور ہو گیا' یہ تابعین میں سے تھے' حضور ﷺ کے دور میں پیدا ہوئے اور پہچان کے لئے یہ مکان انہی کے نام سے مشہور ہو گیا' یہ کثیر بن صلت وہ نہیں جنہوں نے اس زمین کی حد بندی کی تھی' ہاں ابن حجر نے یہ بات نہیں مانی کیونکہ ان کا کہنا ہے: کثیر بن صلت نے حضور ﷺ کے وصال کے کچھ دیر بعد اپنا گھر بنایا تھا لیکن چونکہ یہ اس علاقے میں مشہور تھا اس لئے اسے عید گاہ کے قریب کہا گیا۔انتہیٰ۔

ہمارے پاس وہ قولِ ابن شبہ دلیل ہے جو انہوں نے بنو عبد شمس اور نوفل کے گھروں کے بیان میں کیا ہے کہ:
''ولید بن عقبہ بن ابو معیط نے اپنا وہ گھر بنایا جو حضور ﷺ کی عید گاہ میں تھا اور جہاں حضور ﷺ عید پڑھا کرتے تھے' آج بھی وہیں نماز پڑھی جاتی ہے' یہ آلِ کثیر بن صلت کندی کے قبضے میں تھا' حضرت عثمان نے یہاں شراب کی وجہ سے ولید کو کوڑے لگائے تھے' انہوں نے قسم اُٹھائی تھی کہ جب تک ان دونوں کے درمیان بطنِ وادی موجود ہے' وہ یہاں رہائش نہیں کرینگے چنانچہ کثیر بن صلت نے درمیان گھر بنا دیا جو دارِ کثیر تک جاتا تھا جو اس بطحان میں تھا جسے دار الولید بن عقبہ کہا جاتا تھا اور جو وادی کے پہلو میں تھا یعنی عدوۂ غربیہ کی جانب سے۔

جن مقامات پر آپ نے عید پڑھی' ان کی حد بندی

وہ جگہ جہاں ہودج بنانے والوں کے قریب پہلی عید پڑھی گئی (یہ لوگ ہودج بناتے اور بیچا کرتے تھے) بظاہر یہ وہی جگہ ہے جسے آج کل ''مسجد علی'' کہتے ہیں۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور رہی وہ جگہ جس کا ایک اور روایت میں ذکر آتا ہے کہ دارِ ابن ابی الجنوب کے پاس تھی تو اس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں' ہاں دار ابن ابی الصلت حرہ غربیہ میں تھا جو وادیٔ بطحان کے مغرب میں تھا اور وہ جگہ جو ان کے قول ''عند دار عبد اللّٰہ بن درۃ المزنی الخ'' میں مذکور ہے تو اس

کے بارے میں آ چکا کہ مزینہ کے گھر عید گاہ کے مغرب اور قبلہ میں تھے پھر یہ بھی گذر چکا کہ دارِ کثیر بن صلت عید گاہ کے قبلہ کی جانب تھا جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر اس کے سامنے تھا' عنقریب حضور ﷺ کے قباء کو جانے کے راستے کے بیان میں آ رہا ہے کہ آپ عیدگاہ کو تشریف لے جاتے پھر دونوں گھروں کے درمیان گلی میں چلے جاتے چنانچہ آج کل یہ عیدگاہ والی جگہ بنتی ہے' یا تو مغرب کی جانب سے یا پھر مشرق کی جانب سے اور پہلا قول زیادہ قریب ہے البتہ باقی جگہوں کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ کدھر تھیں ہاں ظاہر یہ ہے کہ یہ عید گاہ کے گرد ہی ہوں گی اور ان میں سے کچھ مدینہ کے بازار میں کیونکہ اس میں حناطین (خوشبو لگانے والوں) کا ذکر ہے اور حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار شریف کے بیان میں آئے گا کہ وہ حناطین کی طرف تھیں اور ظاہر یہ ہے کہ ان مشہور جگہوں میں سے آج کل ایک مسجد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہلاتی ہے' یہ عریضیہ نامی باغ کے نام سے مشہور تھی۔

رہی حضرت براء بن عازب کا یہ بتانا کہ: حضور ﷺ قربانی کے دن بقیع کی طرف نکلے اور دو رکعتیں پڑھیں' پھر چہرۂ انور ہماری طرف کر کے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: ''آج پہلا کام ہم یہ کریں گے کہ نماز پڑھیں گے اور پھر واپس جا کر قربانی کریں گے۔'' الحدیث تو بظاہر اس سے مراد بقیع الغرقد ہے لیکن میرے نزدیک یہ مراد لینا بعید از قیاس ہے کیونکہ قدیم مؤرخین نے اس حدیث کے مشہور ہونے کے باوجود اس معنیٰ کا ذکر نہیں کیا' یونہی مطری اور ان کے پیروں کاروں نے بھی اسے ذکر نہیں کیا' ہاں ابنِ حجر نے عجیب بات کہی ہے' انہوں نے بخاری کے تعارف پر گفتگو کرتے ہوئے عید گاہ کے نزدیک سنگساری کے بارے میں کہا: اس سے مراد وہ جگہ ہے جس کے نزدیک عید اور جنازے پڑھے جایا کرتے تھے' یہ جگہ بقیع غرقد کی جانب تھی۔

ظاہر ہے کہ انہوں نے اس حدیث کے ظاہری معنیٰ کو دیکھتے ہوئے یہ بات کہی ہے اور جنازگاہ کے مقام کے نزدیک سنگساری کی اور روایت بھی ملتی ہے اور یہ بات گذر چکی کہ جنازگاہ مسجد کی مشرقی جانب بابِ جبریل کے پاس تھی حالانکہ وہ جگہ بقیع غرقد کا حصہ نہیں اور جہاں بھی ''مصلّٰی'' کا ذکر آئے' وہاں اس سے مراد وہ مشہور جگہ ہی ہوتی ہے جو مدینہ کے مغرب میں تھی جبکہ بقیع الغرقد اس کے مشرق میں تھا پھر ابن حجر نے ایک اور مقام پر درست بات لکھی جو دوسرے پہلو کے بیان میں آ رہی ہے اور اس شرط پر کہ گذشتہ حدیث براء سے مراد بقیع غرقد ہے تو یہ ان مقامات میں ہو گا جہاں حضور ﷺ نے کسی سال نماز پڑھی تھی لیکن جب صرف ''مصلّٰی'' کا ذکر کیا جائے تو یقیناً یہ مفہوم مراد نہیں ہوتا اور میرے نزدیک حدیث براء میں بقیع سے مراد مدینہ کا باغ ہے کیونکہ ہم ان میں بتا چکے ہیں کہ اس سے مراد بقیع الجبل ہے اور وہ واقعی ان مقامات میں سے ایک تھا جن میں کبھی نمازِ عید پڑھی گئی تھی اور یونہی اس حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہی مراد ہے جس میں ہے کہ ''میں بقیع میں درہموں کے بدلے اونٹ بیچ کر ان کی جگہ دینار لیتا ہوں اور جو کچھ ہم ابن زبالہ سے نقل کر چکے ہیں' اسے ذکر کر کے علامہ مطری لکھتے ہیں: ''جن مسجدوں کے بارے میں آتا ہے کہ ان میں نمازِ عید پڑھی گئی' ان میں سے یہی مسجد مراد ہے جہاں آج کل نمازِ عید پڑھی جاتی ہے اور وہی مسجد مراد ہے جو عریضیہ

نامی باغ کے شمال میں عین الازرق کے قبہ سے متصل ہے اور جسے آج کل مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا جاتا ہے' شاید اپنے دورِ خلافت میں انہوں نے یہاں نماز پڑھی ہو گی اور ایک بڑی مسجد جو اس باغ کی بائیں جانب' اس سے متصل تھی' اسے مسجد علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے' اور اس کا یہ مقصد نہیں کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں مدینہ میں وہاں عید کی نماز پڑھی تھی ورنہ آج کل کی یہ مسجد کی انہی جگہوں میں شمار ہو گی جہاں حضور ﷺ ہر سال اور ہر عید کی نماز پڑھی تھی کیونکہ ان میں سے ایسی کوئی مسجد نہیں جس میں حضرت ابوبکر وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اکیلے نماز پڑھی ہو اور وہ مسجد چھوڑ دی ہو جس میں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔'' انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں' یہ جو مطری نے لکھا ہے کہ ابن زبالہ کا ارادہ یہ بتانا نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں نمازِ عید پڑھی تھی' یعنی اس مسجد کی طرف نسبت ظاہر نہیں ہوتی' لگتا ہے وہ اس سے واقف نہیں جو ابن شبہ نے ابن ازھر کے غلام سعد بن عبادہ سے روایت کی تھی' انہوں نے بتایا: ''میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اس وقت نمازِ عید پڑھی جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ محاصرے میں تھے' آپ نے نماز پڑھی اور پھر نماز کے بعد خطبہ دیا اور پھر زھری سے بھی روایت کی اور کہا: حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ جمعہ پڑھائی جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ محاصرے میں تھے اور عید کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اس مقام پر نماز پڑھی تھی کیونکہ یہ ان مقامات میں سے تھے جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھائی تھی' یہ مطلب نہیں کہ یہاں نماز آپ ہی سے شروع ہوئی تھی۔ واللہ اعلم۔

عید گاہ کھلے میدان میں ہوتی تھی

نبی کریم ﷺ کے دور کے اندر کسی مسجد میں نمازِ عید نہ پڑھی جاتی تھی بلکہ یہ بے آباد جگہ ہوتی' تعمیر والی نہ ہوتی تھی جبکہ نبی کریم ﷺ نے وہاں تعمیر کرنے سے روک رکھا تھا اور یہی وجہ ہے کہ سنگسار وہیں کیا جاتا تھا۔ کچھ علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس مصلّٰے کو مسجد کا حکم دیا جاتا ہے اگرچہ وہ مسجد کے لئے وقف نہ تھی لیکن یہ قول قابل تسلیم نہیں کیونکہ جس نے حضور ﷺ کا مصلّٰے دیکھا اور وہ جانتا ہے کہ وہ مدینہ کے بازار تک پھیلا ہوا تھا اور وہاں کے گھروں اور راستوں کو جانتا ہے' اسے معلوم ہے کہ یہ قول صحیح نہیں اور حدیث پاک میں ''رجم'' (سنگساری) کا یہ مطلب لینا کہ وہ اس کے قریب کیا جاتا تھا' یہ اس کے لفظوں سے نہیں سمجھا جاتا تھا اور جو آج کل وہاں مسجد بن چکی ہے' وہ اس کے کچھ حصے میں ہے اور وہ حصہ وہی ہے جہاں حضور ﷺ کھڑا ہوتے تھے اور یونہی دوسری دونوں مسجدیں ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں مسجدیں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بنائی گئی تھیں جن میں سے پہلی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں جسے آج کل ''مسجد مصلّٰے'' کہتے ہیں کیونکہ ابن شبہ نے نقل کیا ہے کہ ابو غسان نے یہاں سے مسجد نبوی تک پیمائش کر کے یونہی بتایا تھا۔

دوسری مسجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے پہچانی جاتی تھی اور جو باغ عریضیہ میں تھی جس کی بائیں اس باغ کے چوپائیوں کے چارہ رکھنے کی جگہ تھی جبکہ چوپائے اس مسجد والی جگہ سے داخل ہوتے تھے جو اس سے شامی جانب تھا' باغ والے لوگ یہاں سے مویشی گذرنے کو اچھا نہیں جانتے تھے چنانچہ کبھی ایسے بھی ہوتا کہ وہ انہیں یہاں پکڑ لیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ میں وہاں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ کوڑا خانہ بنا ہوا تھا اور نہایت برا معلوم ہوتا تھا کیونکہ وہ مویشیوں کے گوبر اور پیشاب سے بھرا پڑا تھا' مجھے نماز پڑھنے کے لئے وہاں کوئی جگہ نہ مل سکی چنانچہ اس سلسلے میں میں نے شیخ الخدام امیر اینال سے بات کی جو اس باغ کے نگران تھے کہ اس چارہ رکھنے کی جگہ کا دروازہ بدل دیں اور اسے مسجد کے باہر سے دروازہ دیدیں چنانچہ انہوں نے اپنے فقیہ شہاب احمد نوبی کو اس بارے میں غور کرنے کو کہا چنانچہ انہوں نے اس مسجد کے چھتے ہوئے حصے' جس میں محراب تھی' کی شامی جانب دیوار کر دی تاکہ مویشی وہاں نہ جا سکیں اور مسجد کی غربی دیوار میں جالی والا دروازہ تھا' اسے انہوں نے اس جگہ کا دروازہ بنا دیا اور مسجد کا کھلا حصہ جو اس کی شامی جانب تھا' چوپایوں کے لئے ڈیوڑھی بن گیا چنانچہ میں نے ان سے اس سلسلے میں بات کی تو انہوں نے بتایا کہ مجھے یہ کہا گیا ہے کہ مسجد صرف وہی حصہ ہے جو چھتا ہوا ہے حالانکہ مسجد کی دیواریں واضح طور پر اس بات کو غلط ثابت کر رہی تھیں' انہیں غور کرنا چاہئے تھا۔

تیسری مسجد جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے منسوب تھی' وہ گر چکی اور اس کا نام و نشان نہ رہا' حج کے موسم میں کوئی حاجی فوت ہو جاتا تو وہیں دفن کر دیا جاتا کیونکہ وہ حاجیوں کے راستے ہی میں تھی چنانچہ امیر زین الدین ضغیم منصوری' امیر مدینہ نے اسے ۸۸۱ھ میں نئے سرے سے تعمیر کر دیا۔

رہی پہلی مسجد جو آج کل مسجد مصلّے کے نام پر مشہور ہے تو یہ محفوظ چلی آتی ہے' اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے چنانچہ کئی مرتبہ یہاں سے چیزیں چرا لی گئیں لہٰذا شیخ الخدام نے اسے بند کرنے کا حکم دیا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آج کی یہ تعمیر کس نے کی تھی البتہ اس کے دروازے پر میں نے ایک پتھر لگا دیکھا ہے جس پر کچھ لکھائی مٹ چکی ہے' اس پر لکھا ہے:

"امر بتجديد هٰذا المسجد المنسوب للنّبيّ صلى اللّٰه عليه وسلّم بعد ذهابه و خرابه عز الدين شيخ الحرم الشريف النّبويّ و ذٰلك في ايّام السلطان الملك النّاصر حسن بن السّلطان محمد بن قلاوون الصالحي."

(نبی کریم علیہ السلام سے منسوب اس مسجد کو خرابی کے بعد عز الدین شیخ الحرم نے سلطان الملک الناصر حسین بن سلطان محمد بن قلاوون صالحی نے تعمیر کرنے کا حکم دیا۔) اس کے بعد والی لکھائی مٹ چکی تھی جبکہ سلطان حسن ۷۴۸ھ میں والی بنے تھے اور ۷۶۲ھ تک امیر رہے اور اس مسجد کا دروازہ اس کی شامی دیوار میں محراب کے سامنے والی جانب تھا' اس

کے دروازے کی باہر کی جانب مسجد میں داخل ہونے والے کی دائیں جانب سیڑھی تھی جو دروازے کی دائیں طرف سے اوپر محفوظ مقام کی طرف جاتی تھی۔ اس کا جو حصہ بگڑ گیا تھا' اسے اشرف اینال کے دور میں ۸۶۱ھ کو امیر بردبک معمار نے درست کیا تھا اور اس گذشتہ جگہ کے لئے مذکورہ دروازے کی دائیں جانب ایک اور سیڑھی اندر کی جانب بنائی جہاں سے اوپر چڑھا جا سکے اور یہ وہی جگہ تھی جہاں عید کے دن خطیب کھڑا ہوتا تھا نیز امیر بردبک نے مسجد کی باہر کی جانب اس جگہ کے سامنے ایک حصہ چھت دیا تاکہ خطیب کے سامنے لوگ بیٹھ سکیں۔ عید کے دن اہلِ مدینہ کے اہلِ سنت اور نامور لوگ اس ''مصلّٰی'' میں جمع ہوتے' شیخ الخدام اور ان کے ساتھی بھی ہمراہ ہوتے اور چند کے سوا کوئی شخص باہر نہ رہ جاتا کیونکہ عادت بن چکی تھی کہ جمعہ اور عید کے موقع پر ان کی صف خطیب کے سامنے ہوتی کیونکہ بدر بن فرحون نے بتایا کہ اہل سنت کے سب سے پہلے قاضی امام علامہ عمر بن احمد خضر' سلطان المنصور قلاوون صالحی کے دور میں ۶۸۲ھ کو مقرر ہوئے تھے' ان سے قبل آلِ سنان کے شیعہ قاضی ہوتے تھے' خطیب کا منصب انہی کے پاس تھا چنانچہ مذکور سلطان نے ان سے سراج کے لئے یہ منصب لے کر انہیں معزول کر دیا' وہ انہیں (سراج) سخت تکلیف دیتے رہے تھے چنانچہ ابن فرحون لکھتے ہیں: میں نے دیکھا کہ وہ لوگ انہیں اس وقت کنکر مارا کرتے جب وہ خطبہ دیتے ہوئے' منبر پر بیٹھتے اور جب یہ سلسلہ بڑھ گیا تو خدام آگے آئے اور انہوں نے امام کے سامنے بیٹھنا شروع کر دیا چنانچہ یہی وہ وجہ تھی جس کی بناء پر خدام کی صف (لائن) خطیب کے سامنے ہوتی تھی اور ان کے پیچھے ان کے لڑکے اور غلام ہوتے تھے۔ اھ اور آج تک یہی سلسلہ جاری ہے۔ جب امام مسجد میں موجود لوگوں کو عید کی نماز پڑھا دیتے تو صفیں چیرتے ہوئے' گردنیں پھلانگتے ہوئے اس دروازے سے نکلتے اور اس سیڑھی پر چڑھ کر اوپر چلے جاتے' پیٹھ قبلہ کی طرف کر کے خطیبوں کی عادت کے مطابق چہرہ لوگوں کی طرف کر کے خطبہ دیتے' یوں مسجد میں بیٹھے تمام لوگ ان کی پیٹھ کے پیچھے ہوتے' مسجد والے لوگ قبلہ کی طرف پشت کرتے' ان کی پیٹھ کی طرف متوجہ ہو جاتے اور مسجد کے باہر نماز پڑھنے والوں میں سے اکثر لوگ بھی انہیں دیکھ نہ پاتے کیونکہ نئی چھت اس جگہ کے درمیان حائل ہو جاتی تھی حالانکہ وہ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے۔

یہ سارا سلسلہ سنت کے خلاف تھا کیونکہ حضور علیہ السلام کے اس موقع پر فعل سے ثابت ہے کہ آپ اس مصلّے پر کھڑے ہوتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے جبکہ لوگ سامنے صفیں باندھے بیٹھے ہوتے۔ ہم آگے اس کی وضاحت کر رہے ہیں اور جس کا یہ خیال ہے کہ وہ مقامِ نبی علیہ السلام پر کھڑے ہو کر اس موجودہ صورت میں نماز پڑھے تو وہ سخت غلطی میں ہو گا اور بے ادب ہو گا' یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے صحابہ سے منہ پھیر کر ان سب کو یا اکثر کو اپنے پیچھے کر کے خطبہ دیتے تھے اور بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کرام رُخِ انور کو چھوڑ کر ان کا اپنی طرف پیٹھ کرنا گوارا کر لیتے درانحالیکہ آپ انہیں خطبہ دے رہے ہوتے' صحابہ کرام تو بڑے با ادب تھے اور انہیں حد درجہ شوقِ دیدار رہتا تھا اور علماءِ اسلام اس سنت کے خلاف کیسے متفق ہو سکتے تھے' اسے تبدیل کرنے کی ضرورت تھی۔ واللہ اعلم۔

دوسرا پہلو یہ تھا کہ حضور علیہ السلام منبر کے بغیر مصلّے میں کھڑے ہوتے اور لوگوں کی طرف متوجہ رہتے تھے۔

حضور علیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کیسے پڑھی؟

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح میں ایک باب درج کیا: باب الخروج الی المصلّٰی بغیر المنبر اور پھر اس میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث لکھی' انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں مصلّٰے (عیدگاہ) تشریف لے جاتے' سب سے پہلے نماز پڑھائی جاتی پھر وہاں سے ہٹ کر آپ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے' لوگ صفیں باندھے بیٹھے ہوتے' آپ انہیں وعظ فرماتے' وصیتیں فرماتے اور حکم فرمایا کرتے پھر لشکر کہیں بھیجنا ہوتا تو ساز و سامان کا انتظام فرماتے یا کوئی حکم فرمانا ہوتا تو ارشاد فرماتے اور پھر ایک طرف ہو جاتے۔

ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں: لوگ اسی طرح کرتے رہے اور جب مروان حاکم مدینہ تھے تو میں ان کے ساتھ نکلا' عید الاضحیٰ یا عید الفطر کا موقع تھا ہم مصلّٰے کی طرف چلے تو دیکھا کہ منبر موجود ہے جسے کثیر بن صلت نے بنایا تھا' مروان اس پر چڑھنا چاہتے تھے حالانکہ ابھی انہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی چنانچہ میں نے انہیں کپڑے سے کھینچا' وہ کپڑا چھڑا کر اوپر چڑھ گئے اور نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کر دیا' میں نے کہا' بخدا تم تبدیلی کر رہے ہو' انہوں نے کہا: اے ابو سعید! جو آپ جانتے ہیں' وہ وقت گیا' میں نے کہا: بخدا جو میں جانتا ہوں وہ تمہاری لاعلمی سے بہتر ہے۔ مروان نے کہا کہ لوگ نماز کے بعد سامنے نہ ہوں گے لہٰذا میں نے اسے پہلے کر دیا ہے۔ یہ الفاظِ بخاری تھے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ: حضرت ابو سعید کے ''مصلّٰے کی طرف'' کہنے کا مطلب وہ مصلّٰے تھا جو مدینہ میں مشہور تھا' اس کے اور مسجد نبوی کے درمیان ایک ہزار ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ یہ ابو غسان کا قول ہے اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ آپ اپنے مصلّٰے کے مقام پر کھڑے لوگوں کی طرف منہ پھیر لیتے۔

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کے بخاری شریف میں اس قول سے یہی مراد ہے' فرمایا تھا: ''آپ مڑ کر لوگوں کی طرف سامنے کھڑے ہو جاتے۔'' یعنی آپ اپنے مصلّٰے پر کھڑے قبلہ کی طرف پیٹھ کر لیتے۔ امام بخاری نے عید میں امام کے لوگوں کی طرف منہ کرنے کی وضاحت کی ہے اور پھر اس میں حضرت ابو سعید کی حدیث کا کچھ حصہ ذکر کیا ہے' ائمہ کرام نے واضح طور پر لکھا ہے کہ یہ سنت ہے۔

علامہ زین بن منیر کہتے ہیں کہ علامہ بخاری یہ وضاحت دوبارہ کر رہے ہیں حالانکہ اس کی مثال وہ جمعہ میں بیان کر چکے ہیں' آپ اس وہم کا احتمال دور کرنا چاہتے ہیں کہ اس معاملے میں عید' جمعہ کے خلاف ہوتی ہے' جمعہ میں تو امام کا سامنے ہونا ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینا ہوتا ہے البتہ عید میں یوں نہیں ہوتا کیونکہ اس پر وہ پاؤں پر کھڑا ہو کر خطبہ دیا کرتا ہے جیسے ابو سعید کی مذکور حدیث سے پتہ چل رہا ہے تو امام بخاری کا مقصد یہ بتانا ہے کہ لوگوں کی طرف متوجہ ہونا بہر حال سنت ہے۔

مصلاّئے عید کا منبر کس نے بنایا؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔گذشتہ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ حضورﷺ کے دور میں آپ کے مصلّے کا منبر نہیں ہوتا تھا' یہ مروان کے لئے بنوایا گیا تھا چنانچہ حضرت ابوسعید کا یہ فرمان یہی کچھ بتاتا ہے: فلم یزل الناس الخ ۔امام مالک کی جمع کردہ کتابوں میں یہ آچکا ہے' ابن شبہ نے اسے ذکر کیا کہ امامِ مالک نے کہا: مصلاّ میں منبر پر کھڑا ہو کر سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطاب فرمایا تھا' آپ نے مٹی سے بنے منبر پر کھڑے ہو کر خطاب فرمایا تھا' اسے حضرت کثیر بن صلت نے بنایا تھا لیکن اس بات میں پیچیدگی ہے جبکہ صحیحین میں صحیح لکھا ہے چنانچہ مسلم کی روایت بخاری جیسی ہے۔ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ایک ہی مرتبہ کیا ہو اور پھر یہ کام چھوڑ دیا ہو' پھر مروان نے اسے شروع کر دیا ہو اور حضرت ابوسعید کو اس کا علم ہی نہ ہو۔انتہی۔

میں کہتا ہوں' لیکن ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگ نبی کریمﷺ کے پاس بارشیں نہ ہونے کی شکایت لے کر حاضر ہوئے' اس دوران آپ نے منبر کا حکم دیا جسے مصلّے میں رکھا گیا۔

پھر ترمذی شریف میں ہے کہ حضورﷺ بارش کی دعا کے لئے مصلّے کو تشریف لے گئے اور منبر پر چڑھے۔ یہ روایت بتاتی ہے کہ نبی کریمﷺ مصلّے میں بارش کی دُعا کے لئے منبر پر چڑھے تھے اور لگتا ہے کہ جس نے خطبۂ عید کے لئے منبر تیار کرایا تھا' اس کے پاس یہی دلیل تھی' انہوں نے بارش کی دُعاء کے موقع پر قیاس کیا اور بھی احتمال ہے منبر کے لئے بارش کی دُعا کا موقع خاص ہوتا تاکہ عام لوگ امام کو دیکھ سکیں اور جب وہ چادر گھمائیں تو یہ بھی انہیں دیکھ کر چادر گھما سکیں اور ان کے ہاتھ اُٹھانے کی حالت دیکھ سکیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول غیّر تم و اللّٰہ اس بارے میں واضح ہے کہ آپ ہی نے اسے ٹوکا تھا جبکہ مسلم میں روایت ہے: ''مروان کی طرف ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ خطبہ سے پہلے نماز؟ وہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے وہیں چھوڑ دیا' اس پر حضرت ابوسعید نے کہا' اس نے تو اپنا کام پورا کر دیا۔اب احتمال یہ ہے کہ مروان کو ٹوکنے والے ابومسعود ہوں کیونکہ عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ یہ جوان دونوں کے ساتھ ہی تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ واقعات کئی ہوں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ قاضی عیاض اور رجاء کی دونوں روایتیں مختلف ہیں چنانچہ عیاض کی روایت میں تو ہے کہ یہ منبر مصلّے (عیدگاہ) میں بنایا گیا تھا جبکہ رجاء کی روایت میں ہے کہ مروان اسے ساتھ لے گئے تھے اور پھر یہ کہ حضرت ابوسعید کا ٹوکنا انہی دونوں کے درمیان رہا جبکہ دوسرے شخص نے عام لوگوں کے سامنے ٹوکا۔رہا مروان کا یہ قول کہ: ''لوگ نماز کے بعد ہماری خاطر نہیں بیٹھیں گے'' تو یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔

نمازِ عید سے قبل سب سے پہلے خطبہ کس نے دیا؟

اس میں اختلاف ہے کہ نماز سے پہلے خطبہ کس نے دیا تھا چنانچہ صحیحین کی ابوسعید والی روایت واضح طور پر بتا

رہی ہے کہ وہ مروان تھے جبکہ ابن المنذر' حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بتاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تھا: سب سے پہلے نماز سے قبل جس شخص نے خطاب کیا' وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور پھر خطاب فرمایا یعنی یہ ان کی عادت تھی پھر دیکھا کہ لوگ نماز میں شامل نہیں ہو پاتے لہٰذا آپ نے یوں کہا تھا یعنی نماز سے پہلے خطاب کرنا شروع کر دیا اور یہ دلیل وہ نہیں جو مروان کی تھی کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مصلحت جانی کہ لوگ نماز میں شامل ہو سکیں لیکن مروان کے پیش نظر یہ مصلحت تھی کہ لوگ خطبہ سن سکیں لیکن یہ کہا گیا ہے کہ مروان کے دور میں لوگ جان بوجھ کر خطبہ نہیں سنتے تھے کیونکہ ان کے خطبہ میں انہیں برا بھلا کہا جاتا تھا جو اس لائق نہ تھے اور پھر کچھ لوگوں کی حد سے زیادہ تعریف کی جاتی تھی چنانچہ انہوں نے اپنی مصلحت پیش نظر رکھی۔ یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی کبھار ایسا کیا ہو لیکن مروان کا مسلسل یہ طریقہ رہا لہٰذا یہ طریقہ مروان سے منسوب ہو گیا۔

ہم نے ابن حجر وغیرہ کا بقیہ کلام' جس میں اور بھی اچھی باتیں موجود ہیں' اپنی کتاب "الوفاء بما یجب لحضرة المصطفیٰ ﷺ" میں ذکر کیا ہے اور اس میں بیان کیا ہے کہ آج کی سیڑھیاں جن پر خطیب چڑھا کرتا ہے' اس مقام پر نہیں مروان کے لئے بنائی گئی تھیں کیونکہ مروان نے اگرچہ خطبہ پہلے دیا تھا لیکن اس میں ان کا ایک مقصد تھا' رہا ان کا یہ خلاف سنت منبر بنانا پھر سب لوگوں یا کچھ کو اپنی پیٹھ پیچھے کرنا تو یہ ایک بے مقصد کام تھا اور پھر یہ بعید ہے کہ ان کے بعد آنے والے اس کا اقرار کر لیں اور یہ بھی ہے کہ اگر یہ اسی مروان کا کام ہوتا تو انہیں اسی طرح ٹوکا جاتا جیسے پہلے بتایا گیا اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ سیڑھیاں مروان کے منبر کی جگہ پر ہیں تو انہیں تبدیل کرنا چاہئے تھا اور اتباع اس کی کرنا چاہئے تھی جو حضور ﷺ کا صحیح فعل تھا جیسے خطبہ میں اختلاف کیا گیا اور حضور ﷺ کے فعل کی پیروی کی گئی اور اسے نماز کے بعد کر دیا گیا' اور لوگوں کے مسلسل کام کو اپنا لینا وہاں ہوتا ہے جہاں حکم شرع معلوم نہ ہو سکے اور جس کا حکم معلوم ہو جائے تو شریعت کی پیروی واجب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی برائی بیان کی ہے جو حق کا انکار کرنے میں پہلے لوگوں کے عمل اپناتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کی ہوئی بات بتاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ○ (سورۂ زخرف' ۲۳)

"ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان کی لکیر کے پیچھے ہیں۔"

تو لازم ہے کہ جو مقام نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہے' اسے ایسی بری بدعت سے پاک رکھا جائے اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے کچھ ان سیڑھیوں کے بارے میں بتا دیا ہے جو محراب مسجد میں کھڑے ہونے والے کی دائیں طرف ہیں جیسے علماء نے ذکر کیا ہے کہ یہ سنت ہے اور وہ اونچی ہوتی ہیں کہ باہر کھڑا شخص اس پر کھڑے ہونے والے کو نظر آ سکے اور ظاہر یہ ہے کہ وہ سیڑھیاں مبلّغ کے لئے بنائی گئیں اور خطیب زمین پر کھڑا ہوتا کیونکہ حضور ﷺ سے یہی کچھ ثابت ہے تو شاید کچھ خطیب اس کے بعد ان پر کھڑے ہوئے اور یہ کام اب تک جاری ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسرا پہلو' مصلّی شریف کی فضیلت' وہاں دُعا کرنا' حضورﷺ نے اسے تنگ کرنے سے منع فرمایا اور بنانے سے روکا۔

ابن شبہ نے مصلّی کی وضاحت کرتے ہوئے ابن نجار سے لکھا' وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ بنت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مکہ کو نکلا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ بلاط میں ہوتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ یہیں رہا کرو کیونکہ میں نے نبی کریمﷺ سے سنا تھا' فرماتے تھے کہ: "میری اس مسجد اور میرے مصلّے کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری موجود ہے۔" تو حضورﷺ کا اس حدیث میں فرمان "ما بین مسجدی ھٰذا الخ" اس شخص کی تاویل کو دور کرتا ہے جس نے حدیث اوسط طبرانی کی ان الفاظ سے تاویل کی ہے اور یہ مطلب بتایا ہے کہ اس سے مراد ہے: "ما بین حجرتی و مصلّای" اور اس حدیث کی بھی تاویل کی ہے جسے ابن زبالہ نے عائشہ کے ذریعے لکھا کہ انہوں نے کہا: "ما بین منبری و المصلّی" کہ اس سے مراد آپ کا وہ مصلّے تھا جہاں کھڑے ہو کر آپ مسجد میں نماز پڑھتے تھے اور یہ کہنا صحیح نہیں۔ "اس مسجد اور مصلّے کے درمیان جو اس مسجد میں تھا۔" اور یہی وجہ تھی کہ عائشہ بنت سعد نے انہیں بلاط والے گھروں میں ٹھہرنے پر ابھارا یعنی جو باب السلام سے شروع ہو کر مصلّے تک جاتے تھے کیونکہ وہ مصلّائے عید اور مسجد کے درمیان تھے اور جب ان مذکورہ دو مسجدوں کے درمیان کیاری ہے تو پھر یہ دونوں یقینی طور پر کیاری ہوں گے کیونکہ یہ فضیلت تو انہیں اس لئے حاصل ہوئی کہ حضورﷺ وہاں تشریف لے گئے اور وہاں آنا جانا رہا تو پھر اس مقام کا کیا مرتبہ جہاں آپ سجدے کرتے رہے اور جہاں آپ کی قبر انور ہے؟

ابن شبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا: نبی کریمﷺ جب سفر سے تشریف لاتے اور مصلّے کے پاس تشریف آوری ہوتی تو قبلہ کی طرف چہرۂ انور کر کے رُک کر دُعا فرماتے۔

حضرت عطاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا: مجھے سعید بن مسیّب نے کہا: اے ابو محمد! کیا تم کثیر بن صلت کے گھر کا ٹھکانہ جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ باہر نکلے اور اس مقام پر پہنچ گئے' آپ کھڑے ہوئے تو صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صفیں درست کر لیں' آپ نے اس نجاشی کا جنازہ پڑھا جو سر زمین حبشہ میں فوت ہو گئے تھے۔ (حنفیوں کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں' یہ خصوصیت صرف نبی کریمﷺ کو حاصل تھی۔ ۱۲ چشتی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ بارش کے لئے نفل پڑھنے مصلّے کی طرف نکلے تو پہلے خطبہ دیا پھر نماز پڑھائی اور ایک تکبیر کہہ کر نماز شروع فرما دی پھر فرمایا: یہ مصلّے ہمارے جمع ہونے کی جگہ ہے بارش کی دُعا کرنے کا مقام ہے اور دعا کرنے کی جگہ ہے' عید کے لئے' عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لئے' اسے بنانے کے لئے نہ تو اینٹ پر اینٹ رکھی جائے اور نہ ہی اس کی جہت مقرر کی جائے۔

حضرت داؤد بن ابی الفرات کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ مصلّے کی طرف نکلے تو فرمایا: یہ ہمارے بارش کی دُعا

کرنے کی جگہ ہے، ہماری نمازِ عید الاضحیٰ اور عید الفطر پڑھنے کی جگہ ہے، اسے نہ تو تنگ کیا جائے اور نہ ہی اس میں سے کچھ گھٹایا جائے جبکہ عنقریب آ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے احجار الزیت کے نزدیک زوراء کے قریب نمازِ استسقاء پڑھی۔

حضور ﷺ کے مصلّٰے کو جانے آنے کے راستے

چوتھا پہلو: اس میں یہ بیان ہے کہ حضور ﷺ اس مصلّٰے کی طرف ایک راستے سے جاتے اور دوسرے سے واپس تشریف لاتے، یہاں دونوں راستوں کا بیان کیا جاتا ہے۔

بخاری شریف کے باب "من خالف الطریق اذا رجع یوم العید" میں ہمیں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ملتی ہے، بتاتے ہیں کہ عید کا دن آتا تو حضور ﷺ آنے جانے کا راستہ تبدیل فرماتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ عید کے دن حضور ﷺ ایک راستے سے جاتے اور دوسرے سے واپس تشریف لاتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب عید کے لئے کسی راستے سے تشریف لے جاتے تو اس سے واپسی نہ فرماتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ جب عید کے لئے نکلتے تو جس راستے سے گئے ہوتے، اس کے علاوہ کسی اور راستے سے تشریف لاتے۔

آپ ہی نے فرمایا: میرے اس گھر کے دروازے کا ایک پہلو (دروازہ) مجھے اسی وزن کے سونے سے زیادہ پسند ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ عید کے لئے جاتے وقت میرے اس گھر کے قریب سے گذرتے اور اسے اپنی بائیں طرف رکھتے، آپ میرے گھر کے اس دروازے سے دن میں صبح صبح دو مرتبہ گزرتے۔

میں کہتا ہوں کہ اس روایت اور پہلی روایت میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر بلاط میں عبد الرحمٰن بن حارث کی گلی کے اندر تھا اور پھر اس کے قریب ہی مصلّٰی کی طرف حضرت سعد بن ابو وقاص کا گھر تھا۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیدل چل کر حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے تک آتے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے کی طرف تشریف لے جاتے اور اس وقت آپ جاتے آتے وقت حضرت ابو ہریرہ کے گھر کے قریب سے گذرا کرتے کیونکہ امام شافعی نے اپنی کتاب "الام" میں لکھا ہے اور میں نے وہیں سے نقل کیا ہے، حضرت مطلب بن حنطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عید کے دن صبح کے وقت مصلّٰے کو جاتے وقت بڑے راستے سے جاتے اور جب واپسی کا ارادہ ہوتا تو دوسرے راستے سے تشریف لاتے اور دارِ عمار بن یاسر سے گذرتے۔

اسی کو ابن زبالہ نے محمد بن عمار سے روایت کیا' الفاظ یہ ہیں: ''حضور ﷺ بڑے راستے سے مصلّٰی کو تشریف لے جاتے اور خیمہ والوں کے قریب سے گذرتے اور پھر دوسرے راستے سے واپسی ہوتی تو حضرت عمار بن یاسر کے ہاں سے گذرتے۔'' اور پہلے ہم بتا چکے کہ حضرت عمار بن یاسر کا گھر حضرت عبد الرحمٰن بن حارث کے گھر کی گلی سے گذر کر بلاط کی طرف جاتا تھا یہ حضرت ابوہریرہ کے گھر کے قریب تھا اور اس کا دروازہ عبد الرحمٰن بن حارثؓ کے گھر کے دروازے کے سامنے تھا' اس کا چھوٹا سا دروازہ (خوخہ) تھا جو عروہ کے مدرسے کی طرف تھا چنانچہ ''آپ کا وہاں سے دو مرتبہ ایک صبح کے اندر گذرتے'' صحیح ہوگیا کیونکہ آپ ایک راستے سے جاتے اور دوسرے سے تشریف لاتے۔

پھر آپ کے قباء کی طرف جانے آنے کے راستے کے ذکر میں جو کچھ آرہا ہے' اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ واپسی پر عروہ کی درس گاہ اور مسجد بنو زریق کے پاس سے گذرتے اور بلاط تک تشریف لے جاتے یعنی اسی مذکور گلی سے گذرتے۔

طریقِ عظمٰی (بڑا راستہ)

علامہ مطری کے مطابق یہ لوگوں کا وہ راستہ تھا جو آج کل بابِ مدینہ سے شروع ہوتا ہے اور مسجد مصلّٰی تک جاتا ہے اور اسے دربِ سویقہ کہتے ہیں۔ علامہ مطری نے اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بیان نہیں کیا' یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے بیان کرنے کی توفیق دی ہے اور یہی وہ راستہ ہے جو ابنِ زبالہ کی اس روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ثابت ہے' آپ فرماتی ہیں: حضور ﷺ اپنے ہاتھ مبارک سے اپنی قربانی ذبح فرماتے جب مصلّٰی سے واپسی ہوتی' آپ اس راستہ کے قریب سے گذرتے جہاں سے واپس آتے' وہ راستہ یا وہ مکان جہاں آپ جانور ذبح کرتے' مغربی جگہ کے سامنے تھا اور بنو زریق والے راستے سے ملتا تھا یعنی جب آپ مصلّٰی سے واپس ہوتے تو بنو زریق کے راستے کے مغرب میں واقع جگہ پر تشریف لاتے اور ذبح فرماتے اور پھر اسی راستے پر چل پڑتے' یہ بنو زریق کی طرف جاتا تھا اور مصلّٰی کے قبلہ سے شروع ہوتا تھا اور پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے گذرتا تھا۔ اسی لئے واقدی نے حضرت عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے نزدیک گلی کے کونے کے پاس ذبح فرماتے لیکن آج کل مدینہ کے گرد حفاظتی دیوار اس راستے واپس چل کر آنے سے رکاوٹ بن چکی ہے' پھر اسی سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں راستوں میں اختلاف پورا پورا نہ تھا مگر یہ کہیں گے کہ نبی کریم ﷺ جب اس بلاط کی جگہ تشریف لے جاتے جو حضرت ابوہریرہ کے گھر کے نزدیک تھا تو پھر اس بڑے راستے پر چلتے' (یہ آج کل باب السلام تک پھیلا ہوا ہے) بلکہ بلاط کی بائیں طرف شامی راستے پر چلتے کیونکہ اکثر یہ ہے کہ یہ مقامات کھلے کھلے تھے اور پھر اس کے بعد اپنے گھر کی طرف چڑھ جاتے۔ علاوہ ازیں جو ہم نے اس راستے کے بارے میں لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ جاتے وقت حضور ﷺ کا راستہ واپسی والے راستے سے مختصر ہوتا تھا جیسے پوشیدہ نہیں' ہاں اس

پر اس روایت کا اعتراض ہوگا جس میں ہے مستحب یہ ہے کہ جاتے وقت لمبا راستہ اختیار کرے اور واپسی پر مختصر راستہ استعمال کرے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہم دوسرے راستے کی وضاحت لکھ چکے ہیں کہ جانے والا راستہ آنے والے سے کافی زیادہ ہونا چاہئے کیونکہ اس کے بعد انہوں نے حضرت معاذ بن عبد الرحمٰن تیمی سے روایت کیا' انہوں نے اپنے باپ اور پھر معاذ کے دادا سے روایت کیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ مصلّٰے سے عید کے دن واپس لوٹے تو بازار کی نچلی جانب تمارین پر گزرے اور جب آپ مسجد اعرج کے پاس گئے جو بازار میں مقام ''برکت'' پر تھا تو کھڑے ہو گئے اور اسلم کے کھلے مقام کی طرف متوجہ ہوئے' دعا فرمائی اور واپس چلے آئے' تو اس کے بارے میں امام شافعی نے اپنی کتاب ''الام'' میں اس کے بعد لکھا ہے: مستحب یہ ہے کہ امام یونہی کرے ایک جگہ پر ٹھہر جائے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دُعا کرے اور اگر ایسا نہیں کرتا تو پھر کفارہ بھی نہیں اور نہ ہی دوبارہ اسے ایسا کرنے کی ضرورت ہے' پھر اس کی تائید یحییٰ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے محمد بن طلحہ بن طویل سے کی ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عبد الرحمٰن اور محمد بن منکدر کو دیکھا کہ عید پڑھ کر واپس آتے ہوئے ''برکت'' پر رُکتے ہیں جو بازار کی نچلی طرف تھا' یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عبد الرحمٰن سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ عید سے واپسی پر اس مکان پر ٹھہرا کرتے تھے۔

پہلے ہم ابن زبالہ سے سوق المدینہ کے بیان میں لکھ چکے ہیں کہ حضرت محمد بن منکدر اور حضرت عثمان بن عبد الرحمٰن اور دیگر لوگ برکۃ السوق کے صحن میں واپسی پر کھڑے ہو جاتے' حضرت عثمان بن عبد الرحمٰن نے کہا ہمارے درمیان اس بارے میں اختلاف ہو گیا' ایک کہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں دُعا فرمائی تھی اور دوسرے نے کہا کہ آپ عید سے واپس آتے وہاں کھڑے ہو کر دیکھتے رہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی گذشتہ روایت میں آ چکا کہ آپ عید سے واپسی پر وہاں دُعا فرمایا کرتے تھے اور اس بات میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ آپ وہاں کھڑے ہو کر عید سے واپس آنے والوں کو بھی دیکھا کرتے ہوں لہٰذا اختلاف کی گنجائش نہیں اور وہاں ہم جو بیان کر چکے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سوق التمارین سے گذرتے تھے حالانکہ یہ بازار شمال مغرب میں تھا اور ہم یہ بھی بیان کر آئے ہیں کہ اسلم کے گھر تمارین کے بعد سوق المدینہ کے شمال مغرب میں تھے اور یہ وہاں تھا جہاں امیر مدینہ کا قلعہ تھا اور اس کے نیچے شامی جانب تھا جو سوق شامیین سے ملتی تھی نیز موسم میں حج کرنے والے شامی کے گھر کے نزدیک تھا اور پھر ہم نے برکۃ السوق کی برکت بھی بیان کر دی' یہ وہ گھاٹ تھا جس میں سیڑھیاں تھیں اور جو ثنیۃ الوداع کی طرف توجہ کرنے والے کی دائیں جانب مشہد نفسِ زکیہ کے پاس تھا اور وہاں کھڑا ہونے والا جب فج اسلم کی طرف منہ کرتا تھا تو قبلہ رُخ ہو جاتا تھا اور شاید وہ مسجد اعرج جس کی طرف امام شافعی نے اشارہ کیا کہ اس کے نزدیک وہی جگہ ہے جو مشہد نفسِ زکیہ کے قبلہ رُخ ہے کیونکہ وہ مسجد تھی جو ''برکت''

والی جگہ میں تھی' میں اس الاعرج میں اس عورت کو نہ پہچان سکا جس کی طرف یہ مسجد منسوب تھی۔

قاضی حرمین سیّد شریف علامہ محی الدین عبد القادر حنبلی فاسی مکی نے مذکور گھاٹ کے قریب الحاج شامی کے گھر میں مسجد بنائی جو قبلہ والی طرف تھی اور جب آپ نے اس راستہ کو جان لیا تو یہ راستہ عظیم راستے سے مصلّٰے کی طرف جانے کے لئے تقریباً دو گنا طویل تھا اور آج بھی مصلّٰی سے واپسی کے لئے اس راستے پر چلا جا سکتا ہے حالانکہ پہلے راستے میں یہ ممکن نہیں کیونکہ اس کی راہ میں مدینہ کی حفاظتی دیوار آ چکی ہے۔

آج کل اہلِ مدینہ اس طریق عظمٰی (بڑے راستے) سے جاتے ہیں اور کسی بھی پہلے راستے سے واپس آ جاتے ہیں کیونکہ وہ مصلّٰے کی قبلہ والی جانب سے روانہ ہو کر مدینہ کی حفاظتی دیوار کے باہر مشرق کی طرف جاتے ہیں چنانچہ بقیع کے بڑے راستے پر جاتے ہیں اور واپسی کے لئے ان کا یہ راستہ بھی جاتے وقت کے راستے سے لمبا ہے' اگر وہ امام شافعی کے بیان کردہ دوسرے راستے پر چلیں تو ان کے لئے بہتر ہوگا' اس صورت میں پاکیزہ جگہ پر دعا بھی کی جا سکے گی جیسے نبی کریم علیہ السلام نے فرمائی تھی اور دوسرے سلف صالحین بھی وہاں دُعا کرتے رہے اور خود میں نے بھی اس سال یونہی کیا چنانچہ مصلّٰے کی طرف جاتے ہوئے طریق عظمٰی پر چلا اور بازار کی نچلی طرف سے واپس ہو کر برکۃ السوق کے سامنے کھلی جگہ میں آ کھڑا ہوا' پھر وہاں سے لوٹا اور اس طرف سے مدینہ واپس آیا جو امیر مدینہ کے قلعہ کی طرف تھا' بہتری تو پیروی کرنے اور بدعتوں سے دور رہنے کی صورت ہی میں حاصل ہوا کرتی ہے اور اس سے بڑی برکت اور کیا ہوگی کہ اس با برکت دن میں انسان مصلّٰے جانے کے لئے اس راستے سے گذرے جہاں سے رسول اللہ علیہ السلام گذرے تھے پھر آپ کی جائے نماز میں نماز پڑھے اور پھر اسی طریقے سے واپس ہو جہاں سے آپ واپس ہوئے تھے۔

علامہ مجد رحمہ اللہ تعالٰی کہتے ہیں' جب ہماری بیان کردہ روایات سے یہ ثابت ہو گیا کہ موجودہ مصلّٰی ہی حضور علیہ السلام کا مصلّائے عید ہے تو اس میں نماز پڑھنا بہت بڑی فضیلت ہو گی' کوئی مصلّٰے اتنی فضیلت والا نہ ہو گا اور جو لوگ وہاں نماز پڑھ لینے میں کامیاب ہو جائیں گے تو انہیں اللہ کی خاص نعمتیں حاصل ہوں گی اور وہاں حاضر ہو جانے والوں کو وہ انعامات حاصل ہوں گے جن کا عطا کرنا کسی کے بس میں نہ ہو گا۔

میں کہتا ہوں' مجھے بہت سے مشائخ نے خبر دی جن میں سے ہمارے شیخ کمال ابو الفضل محمد بن علامہ نجم الدین مرجانی' قابلِ سند ان کی ہمشیرہ اُم کمال کمالیہ اور قابلِ سند اُم حبیبہ زینب بنت شہابی احمد شونکی وغیرہ بھی شامل ہیں کہ علامہ مجد نے انہیں مسجد کی اجازت دی رکھی ہے' انہوں نے اپنی گذشتہ کلام کے بعد کہا کہ مجھے ابو عمرو عبد العزیز بن محمد بن ابراہیم حموی نے' ابو البرکات ایمن بن محمد بن محمد بن غرناطی کے لکھے ہوئے یہ اشعار سنائے تھے:

"طیبہ میں ہوتے ہوئے عید کے دن مصلّائے رسول علیہ السلام میں عید اور نمازِ عید پڑھنا' وہ انعامات ہیں
کہ کوئی ان کا شکر ادا نہیں کر سکتا' یہ ہر نیک آدمی کے لئے بشارتِ جنت ہیں'
میں عرصہ تک آرزو کرتا رہا اور پھر عمر کے آخری حصے میں دور سے آ کر میری یہ تمنا پوری ہوئی'

مجھے بقیع میں جگہ مل گئی اور میں اس پاکیزہ مٹی میں اوڑھنا بچھونا بنا سکوں گا۔
لہٰذا میری ہر نیکی بدی کی اللہ کے ہاں گواہی دینا' اسی نے مجھے پیدا فرمایا اور وہی مجھے لے جائے گا۔''

اللہ کے فضل سے اُمید ہے کہ وہ اس مبارک مصلّٰی والوں پر عظیم احسان فرمائے گا کہ وہ حضور ﷺ کے منبر شریف کو ان کے طریقے پر بنا سکیں۔ آمین۔

فصل نمبر ۲

مسجد قباء اور اس کی فضیلت کا ذکر' مسجد ضرار کیا تھی؟

مسجد قباء کی بنیاد کیونکر رکھی گئی؟

تیسرے باب کی دسویں فصل میں حضور ﷺ کے مسجد قباء کو جا کر اس کی بنیاد رکھنے کا بیان ہو چکا' ہم نے وہاں تفصیلی طور پر اسے ذکر کیا ہے لہٰذا وہاں دیکھئے اور اس میں ہم نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ آپ نے اس کی تعمیر میں خود حصہ لیا تھا' آپ ہی نے بنیاد رکھی' جبریل علیہ السلام بیت اللہ شریف کی طرف سیدھ کرتے جاتے' پھر اس کے بارے میں کہا گیا کہ جہت قبلہ کے لحاظ سے یہ مسجد سب سے زیادہ صحیح رُخ میں ہے پھر یہ بھی بیان ہوا کہ قبلہ بدل جانے پر آپ نے اسے دوبارہ بنایا تھا اور پھر ہجرت کے بارے میں طویل حدیث بیان کرتے ہوئے صحیح بخاری کے اندر حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بتایا ہے کہ:

''حضور ﷺ بنو عمرو بن عوف میں دس سے زیادہ راتیں ٹھہرے رہے اور تقویٰ کی خاطر اس مسجد کی بنیاد رکھی۔''

پھر عبد الرزاق میں آپ ہی کی یہ روایت موجود ہے کہ: ''جن لوگوں میں اس مسجد کی تعمیر کی گئی جس کی بنیاد تقویٰ پر تھی' وہ بنو عمرو بن عوف تھے۔'' یونہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے: حضور ﷺ بنو عمرو بن عوف میں تین راتوں تک ٹھہرے رہے پھر وہاں مسجد بنائی جس میں نماز پڑھنا شروع کر دی' پھر اسے بنو عمرو بن عوف نے بنایا تو یہی مسجد تھی جس کی بنیاد تقویٰ (خدا خوفی) پر تھی اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ پہلی مسجد تھی جسے نبی کریم ﷺ نے بنایا اور صحابہ کی جماعت کو نماز پڑھائی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ آیۂ مبارکہ:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ۝ (سورۂ توبہ ۱۰۸)

''بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے' وہ اس قابل ہے کہ تم

اس میں کھڑے ہو۔"

کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے' جمہور کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہے اور یہ آیت کا ظاہر بتا رہا ہے جبکہ مسجد نبوی کی فضیلت بیان کرتے وقت امام مسلم کی حدیث گذر چکی ہے جس میں بتایا گیا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسجد کے بارے میں پوچھا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ" وہ یہی تمہاری مسجد ہے" پھر احمد اور ترمذی سے حضرت ابوسعید ہی کی روایت گزری کہ دو شخصوں میں اس بارے میں اختلاف ہو گیا کہ وہ مسجد کونسی ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر تھی تو ایک نے کہا کہ وہ مسجد مدینہ ہے' چنانچہ دونوں نے آپ سے پوچھا تو فرمایا کہ وہ یہی ہے اور اس میں (مسجد مدینہ میں) نری بھلائی ہے۔ پھر ہم نے ان دونوں روایتوں کو جمع بھی کر دکھایا تھا اور وہ یوں کہ پہلے ہی دن سے دونوں مسجدوں کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی اور آیت میں یہی مراد ہے اور مسجد مدینہ کو خاص حیثیت دینے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس وہم کا ازالہ کیا جا سکے کہ شاید یہ خصوصیت صرف مسجد قباء کو حاصل ہے جیسے سائل کے سمجھنے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سچی بات یہ ہے کہ دونوں مسجدوں کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے جبکہ آیت کا باقی حصہ: فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۝ (ایضاً' ۱۰۸) صاف طور پر بتاتا ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہے کیونکہ ابو داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آیۂ مبارکہ فیہ رجال یحبون ان یتطھروا اہلِ قباء کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ لوگ پانی سے استنجاء کرتے تھے تو انہی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں' اس کے جواب میں راز کی بات یہ ہے' کہ اس وہم کو دور کیا جا رہا ہے کہ یہ آیت صرف مسجد قباء کے بارے میں ہے۔

علامہ داؤدی وغیرہ کہتے ہیں کہ اس میں اختلاف کی کوئی بات نہیں کیونکہ دونوں ہی مسجدوں کی بنیاد تقویٰ پر تھی' سہیلی نے بھی یونہی کہا ہے اور مزید یہ لکھا کہ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہے کیونکہ حضور ﷺ جب دار الہجرۃ میں داخل ہوئے تو پہلے دن اسی کی بنیاد رکھی تھی۔

احمد کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: کہ میں' عبد اللہ بن عمر اور حضرت سمرہ بن جندب اس مسجد کی طرف نکلے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی چنانچہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو لوگوں نے ہمیں بتایا کہ آپ مسجد تقویٰ کی طرف تشریف لے گئے ہیں چنانچہ ہم بھی ان کے پیچھے چل نکلے چنانچہ آپ ہمیں سامنے دکھائی دیئے' دونوں ہاتھ مبارک حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے' ہم سیدھے آپ کی طرف گئے تو آپ نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا' عبد اللہ بن عمر' ابوہریرہ اور سمرہ ہیں۔

ابن شبہ کی ایک روایت ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ اہلِ قباء کی طرف تشریف لے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرو بن عوف نے مسجد بنائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہاری پاکیزگی پر زور دیا

ہے تو کیسے پاکیزگی کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ ہم پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔

حضرت ابو محمد مرجانی نے دونوں روایتوں کو جمع کیا کہ دونوں ہی کی بنیاد تقوٰی پر رکھی گئی تھی اور پھر کہا کہ حضرت عبد اللہ بن بریدہ نے اللہ کے فرمان:

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ کے بارے میں کہا کہ یہ گھروہ چار مسجدیں وہ جنہیں کسی نبی کے سوا کسی نے نہیں بنایا' کعبہ کو تو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے بنایا' بیت اریحا یعنی بیت المقدس کو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے بنایا پھر مسجد مدینہ اور مسجد قباء' جن کی بنیاد تقوٰی پر رکھی گئی' ان دونوں کو رسول اللہ ﷺ نے بنایا۔

میں کہتا ہوں' یحیٰی بن حسین نے اخبارِ مدینہ میں لکھا کہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد تقوٰی پر رکھی گئی' وہ مسجد قباء ہے چنانچہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: فیہ رجال یّحبّون ان یّتطھّروا و اللّٰہ یحب المتطھّرین۔

مسجد قباء میں نماز عمرہ کے برابر ہوتی ہے

ترمذی کے مطابق حضرت اسید بن حضیر انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مسجد قباء میں نماز پڑھنا' عمرہ کا درجہ رکھتا ہے۔''

ابنِ حبان کے مطابق حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بتاتے ہیں کہ میں دارِ سعد بن عبادہ میں ایک جنازہ پڑھنے گیا اور بنو عمرہ بن عوف کے پاس پہنچا جو بنو حارث بن خزرج کے صحن میں تھے' چنانچہ مجھ سے پوچھا گیا کہ اے ابو عبد الرحمٰن! کہاں نماز پڑھاؤ گے؟ تو میں نے کہا کہ ان مسجد والوں میں پڑھاؤں گا (بنو عمرو بن عوف میں) کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا' فرماتے تھے کہ جو اس میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز کا درجہ عمرہ کے برابر ہو گا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بنو حارث بن خزرج کے اوساط میں جنازہ کے لئے گئے' پھر پیدل چلتے گئے تو لوگوں نے پوچھا: اے ابو عبد الرحمٰن! کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ قباء میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی طرف جا رہا ہوں کیونکہ جو بھی اس میں دو رکعت پڑھ لے گا' یہ عمرہ کے برابر ہوں گی۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص گھر سے پاکیزہ ہو کر نکلے اور مسجد قباء میں جا کر نماز پڑھے تو اسے عمرہ جتنا ثواب ملے گا۔

حضرت یحیٰی کی ایک روایت میں ہے: جو ستھرے طریقے سے وضو کر کے مسجد قباء میں چلا آئے' دو رکعت نماز پڑھے تو اسے عمرہ جتنا ثواب ملے گا۔

حضرت سہل بتاتے ہیں: جس نے بہتر طور پر وضو کیا اور پھر مسجد قباء میں جا کر چار رکعت نفل پڑھے تو یہ ایسے ہو گا جیسے اس نے غلام آزاد کر دیا۔

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: جس نے خوب اچھی طرح سے وضو کیا پھر مسجد قباء میں گیا اور چار رکعت نماز پڑھی تو یہ عمرہ کے برابر ہوں گی۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو بھی شخص پاکیزہ ہو کر گھر سے نکلے اور صرف مسجد قباء کے ارادے سے وہاں پہنچے' پھر اس میں نماز پڑھے تو یہ نماز عمرہ کے برابر ہو گی۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو وضو کرے اور خوب پانی بہاتا جائے' پھر مسجد قباء کا ارادہ لے کر نکلے' اس کے بغیر اور کوئی مقصد سامنے نہ ہو' وہاں جانے کا مقصد صرف نماز ہو' پھر وہاں چار رکعت پڑھے جن میں سے ہر رکعت میں اُمّ قرآن پڑھے تو یہ ایسے ہو گا جیسے اس نے عمرہ کر لیا۔

حضرت سوید بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں' حضرت سعید رقیش اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد قباء کی طرف گئے اور پھر ان ستونوں میں سے کسی کے پاس دو رکعت نفل پڑھے' پھر سلام پھیرا اور بیٹھ گئے' ہم بھی ان کے گرد بیٹھ گئے چنانچہ کہا: اس مسجد کی کتنی شان ہے' اگر یہ ماہ بھر کے سفر پر دور ہوتی تو حق بنتا تھا کہ وہاں پہنچا جائے' جو اپنے گھر سے اس طرف جانے کا ارادہ لے کر چلے پھر یہاں چار رکعت پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے عمرہ کا اجر دے گا۔

مسجد قباء میں نماز پڑھنا بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے

یہاں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس میں نماز پڑھنا بیت المقدس میں پڑھنے سے فضیلت رکھتا ہے اور تینوں مسجدوں میں نماز پڑھنے والے کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عائشہ بنت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم بتاتی ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا' انہوں نے کہا: مسجد قباء میں میرا دو رکعت نماز پڑھنا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ بیت المقدس میں میرا دو مرتبہ آنا جانا ہو' اگر لوگوں کو قباء کے مرتبہ کا پتہ چل جائے تو لوگ اسی کی طرف سفر کریں۔

حضرت عامر اور عائشہ بنت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کہتے ہیں بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے مجھے قباء میں پڑھنا زیادہ پیارا ہے۔

حضرت عاصم کے مطابق روایت ہے کہ جو شخص چاروں مسجدوں میں نماز پڑھ لیتا ہے' اس کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔ اس پر ابو ایوب نے کہا' اے بھتیجے! میں تمہیں اس سے بھی آسان کام بتاتا ہوں (جس سے بخشش ہو جائے) میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' فرماتے تھے: ''جو اللہ کے حکم کے مطابق وضو کرے اور حکم ہی کے مطابق نماز پڑھ لے تو اس کے گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ چار مسجدیں یہ ہیں: مسجد حرام' مسجد مدینہ' مسجد اقصیٰ اور مسجد قباء۔

حضور ﷺ کی مسجد قباء میں تشریف آوری

یہاں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ یہاں سوار ہو کر اور پیدل تشریف لاتے' اس میں نماز پڑھتے اور پھر وہ معین دن بیان کئے ہیں جن میں آپ اور آپ کے تمام صحابہ یہاں آیا کرتے۔

صحیحین میں ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قباء کی زیارت کیا کرتے یا فرمایا قباء کی طرف تشریف لاتے' کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیدل' ایک اور روایت میں ہے کہ پھر دو رکعت نفل بھی پڑھتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ میں قباء کی طرف حضور ﷺ کے ساتھ چلا' آپ نے وہاں نماز پڑھی' آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ اس دوران انصار آنا شروع ہو گئے' انہوں نے سلام پیش کرنا شروع کیا۔ اسی دوران حضرت صہیب نظر آئے تو میں نے پوچھا' اے صہیب! حضور ﷺ سلام پیش کرنے والے کو کیسے جواب دیتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہاتھ کے اشارے سے جواب دیتے ہیں۔

بخاری و نسائی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ سوار ہو کر یا پیدل قباء کو تشریف لے جاتے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یونہی کیا کرتے۔

ابنِ حبان کی روایت ہے کہ ہر ہفتہ کے دن تشریف لے جاتے۔ اس میں اس شخص کا رد ہے جو کہتا ہے ہفتہ سے مراد سات دن ہیں۔

حضرت سعید بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہر ہفتے کو انجانی گدھے پر ٹاٹ وغیرہ ڈال دیا جاتا اور آپ اس پر بیٹھ کر قباء کو تشریف لے جاتے۔ ابن زبالہ نے اس میں اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ آپ کے صحابہ کرام اردگرد ہوا کرتے تھے۔

حضرت شریک بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منگل کے دن قباء کو تشریف لے جاتے۔

حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سترہ رمضان کی صبح کو قباء کی طرف تشریف لے جاتے۔

حضرت ابن المنکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا' لوگ سترہ رمضان کی صبح کو قباء کی طرف جاتے۔

ابو غزیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منگل اور جمعرات کو قباء کی طرف تشریف لے جاتے' ایک دن آپ ان دنوں میں سے ایک دن تشریف لائے تو اہلِ خانہ میں کوئی بھی وہاں موجود نہ تھا۔ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' میں نے رسول اللہ ﷺ کو ابو بکر اور دیگر صحابہ کے ہمراہ دیکھا' ہم قباء کے پتھر اپنے

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: جس نے خوب اچھی طرح سے وضو کیا پھر مسجد قباء میں گیا اور چار رکعت نماز پڑھی تو یہ عمرہ کے برابر ہوں گی۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو بھی شخص پاکیزہ ہو کر گھر سے نکلے اور صرف مسجد قباء کے ارادے سے وہاں پہنچے پھر اس میں نماز پڑھے تو یہ نماز عمرہ کے برابر ہو گی۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو وضو کرے اور خوب پانی بہاتا جائے' پھر مسجد قباء کا ارادہ لے کر نکلے' اس کے بغیر اور کوئی مقصد سامنے نہ ہو' وہاں جانے کا مقصد صرف نماز ہو' پھر وہاں چار رکعت پڑھے جن میں سے ہر رکعت میں اُمّ قرآن پڑھے تو یہ ایسے ہو گا جیسے اس نے عمرہ کر لیا۔

حضرت سوید بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں' حضرت سعید رقیش اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد قباء کی طرف گئے اور پھر ان ستونوں میں سے کسی کے پاس دو رکعت نفل پڑھے' پھر سلام پھیرا اور بیٹھ گئے' ہم بھی ان کے گرد بیٹھ گئے چنانچہ کہا: اس مسجد کی کتنی شان ہے' اگر یہ ماہ بھر کے سفر پر دور ہوتی تو حق بنتا تھا کہ وہاں پہنچا جائے' جو اپنے گھر سے اس طرف جانے کا ارادہ لے کر چلے پھر یہاں چار رکعت پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے عمرہ کا اجر دے گا۔

مسجد قباء میں نماز پڑھنا بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے

یہاں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس میں نماز پڑھنا بیت المقدس میں پڑھنے سے فضیلت رکھتا ہے اور تینوں مسجدوں میں نماز پڑھنے والے کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عائشہ بنت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم بتاتی ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا' انہوں نے کہا: مسجد قباء میں میرا دو رکعت نماز پڑھنا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ بیت المقدس میں میرا دو مرتبہ آنا جانا ہو' اگر لوگوں کو قباء کے مرتبہ کا پتہ چل جائے تو لوگ اسی کی طرف سفر کریں۔

حضرت عامر اور عائشہ بنت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کہتے ہیں بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے مجھے قباء میں پڑھنا زیادہ پیارا ہے۔

حضرت عاصم کے مطابق روایت ہے کہ جو شخص چاروں مسجدوں میں نماز پڑھ لیتا ہے' اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ اس پر ابو ایوب نے کہا' اے بھتیجے! میں تمہیں اس سے بھی آسان کام بتاتا ہوں (جس سے بخشش ہو جائے) میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' فرماتے تھے: ''جو اللہ کے حکم کے مطابق وضو کرے اور حکم ہی کے مطابق نماز پڑھ لے تو اس کے گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ چار مسجدیں یہ ہیں: مسجد حرام' مسجد مدینہ' مسجد اقصیٰ اور مسجد قباء۔

حضور ﷺ کی مسجد قباء میں تشریف آوری

یہاں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ یہاں سوار ہو کر اور پیدل تشریف لاتے' اس میں نماز پڑھتے اور پھر وہ معین دن بیان کئے ہیں جن میں آپ اور آپ کے تمام صحابہ یہاں آیا کرتے۔

صحیحین میں ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قباء کی زیارت کیا کرتے یا فرمایا قباء کی طرف تشریف لاتے' کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیدل' ایک اور روایت میں ہے کہ پھر دو رکعت نفل بھی پڑھتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ میں قباء کی طرف حضور ﷺ کے ساتھ چلا' آپ نے وہاں نماز پڑھی' آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ اس دوران انصار آنا شروع ہو گئے' انہوں نے سلام پیش کرنا شروع کیا۔ اسی دوران حضرت صہیب نظر آئے تو میں نے پوچھا' اے صہیب! حضور ﷺ سلام پیش کرنے والے کو کیسے جواب دیتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہاتھ کے اشارے سے جواب دیتے ہیں۔

بخاری ونسائی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ سوار ہو کر یا پیدل قباء کو تشریف لے جاتے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یونہی کیا کرتے۔

ابنِ حبان کی روایت ہے کہ ہر ہفتہ کے دن تشریف لے جاتے۔ اس میں اس شخص کا رد ہے جو کہتا ہے ہفتہ سے مراد سات دن ہیں۔

حضرت سعید بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہر ہفتے کو انجانی گدھے پر ٹاٹ وغیرہ ڈال دیا جاتا اور آپ اس پر بیٹھ کر قباء کو تشریف لے جاتے۔ ابن زبالہ نے اس میں اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ آپ کے صحابہ کرام اردگرد ہوا کرتے تھے۔

حضرت شریک بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منگل کے دن قباء کو تشریف لے جاتے۔

حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سترہ رمضان کی صبح کو قباء کی طرف تشریف لے جاتے۔

حضرت ابن المنکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا' لوگ سترہ رمضان کی صبح کو قباء کی طرف جاتے۔

ابو غزیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منگل اور جمعرات کو قباء کی طرف تشریف لے جاتے' ایک دن آپ ان دنوں میں سے ایک دن تشریف لائے تو اہلِ خانہ میں کوئی بھی وہاں موجود نہ تھا۔ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' میں نے رسول اللہ ﷺ کو ابوبکر اور دیگر صحابہ کے ہمراہ دیکھا' ہم قباء کے پتھر اپنے

اپنے پیٹ پر اُٹھاتے تو آپ اپنے ہاتھوں سے انہیں لگاتے جاتے۔ جبریل بیت اللہ کی طرف سیدھ کرتے جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں قسم کھایا کرتے: اگر ہماری یہ مسجد کسی بھی جانب ہوتی تو واللہ ہم اس کی طرف ضرور سفر کرتے۔ پھر فرمایا کہ مجھے کھجور کی لکڑیاں توڑ توڑ کر دیتے جاؤ اور کمزور نہ لانا یعنی جو درمیان سے کمزور ہوں چنانچہ وہ لکڑی کاٹ کر دیتے۔

علامہ رزین کی ایک روایت و جبریل یؤم بہ البیت کے بعد لکھتے ہیں کہ پھر حضرت عمر نے کھجور کی کئی لکڑیاں پکڑیں اور دیواروں اور چھت کی پیائش کرنے لگے۔ آپ سے کہا گیا کہ اے امیر المومنین! یہ کام ہم کردیتے ہیں' آپ نے فرمایا یہ کام میں خود کروں گا' تم چاہو تو میری طرح کر سکتے ہو۔

بنو عمرو کے ایک شیخ نے کہا کہ حضرت عمر قباء میں ہمارے پاس آئے تو دروازے پر کھڑے شخص سے کہا آؤ اور کھجور کی چھڑی لے کر میرے پاس آؤ لیکن کمزور نہ ہو۔ وہ چھڑی لے کر آیا تو آپ نے اسے چھیلا اور سرا رہنے دیا' پھر مسجد کے قبلہ کی جانب پھینکا حتیٰ کہ غبار اُڑتا دکھائی دیا۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوپہر کو ان کے پاس قباء میں گئے' مسجد میں داخل ہوئے پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ سبز چھڑی لائے۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ: اس اللہ کا شکر ہے کہ جس نے مسجد قباء ہمارے قریب کر دی ہے اور اگر یہ اطراف دنیا میں دور کہیں ہوتی تو ہم اس کی طرف اونٹنیوں پر سفر کر کے جایا کرتے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو حذیفہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ ﷺ کے پہلے مہاجرین کو مسجد قباء میں نمازیں پڑھایا کرتے جن میں ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہوتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے مہاجرین اور انصاری صحابۂ رسول اللہ ﷺ کو مسجد قباء میں نماز پڑھاتے جن میں حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت ابوسلمہ' حضرت زید اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہوتے۔

حضرت ابو ہاشم کہتے ہیں کہ حضرت تمیم بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد قباء کی طرف گئے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرما رکھا تھا۔ وہ صبح کی نماز کے لئے آئے تو صبح روشن ہو چکی تھی اور خوب روشنی ہو گئی تھی' حضرت تمیم نے کہا: تمہیں نماز سے کس چیز نے روکا؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے رات اور دن میں آنے والے فرشتوں کو روک رکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہم امام کی انتظار میں تھے۔ فرمایا: اگر تم میں سے کوئی نماز پڑھا دیتا تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے عرض کی: اس بارے میں آپ کا حق زیادہ ہے کہ نماز آپ پڑھائیں۔ حضرت تمیم نے کہا: تم اس پر راضی ہو گئے؟ انہوں نے عرض کی' ہاں' چنانچہ انہوں نے نماز پڑھائی۔ اتنے میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آ گئے اور حضرت تمیم سے کہا: آپ کو کیا حق تھا کہ جو ذمہ داری حضور ﷺ نے مجھ پر ڈال رکھی ہے' اس میں دخل

دیتے؟ پھر کہا کہ میں آپ کو چھوڑوں گا نہیں، رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤں گا پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ یہ تمیم ہیں جنہوں نے میری ذمہ داری میں دخل دیا ہے۔ حضور ﷺ نے پوچھا: تمیم! تم کیا جواب دیتے ہو؟ انہوں نے مسجد والوں سے جو بات ہوئی تھی، سنا دی۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب امام موجود نہ ہو جیسے تمیم نے کیا ہے، تم بھی یونہی کیا کرو۔

حضرت سعد بن عویم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسجد قباء میں نماز پڑھایا کرتے پھر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے دور میں بھی پڑھاتے رہے پھر حضرت عمر نے انہیں ہٹا کر حضرت مجمع بن حارثہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور کہا: تم مسجد ضرار کے امام تھے۔ انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں بالکل لڑکا تھا، میں نے سمجھا کہ یہ کام درست کرتے ہیں، میرا قرآن سن کر انہوں نے مجھے آگے کر دیا چنانچہ آپ نے اسے نماز پڑھانے کا حکم دیا۔

مسجد قباء میں وہ جگہ جہاں کھڑے ہو کر حضور ﷺ نے نماز پڑھائی

حضور ﷺ کی اس جگہ کا بیان جہاں آپ نماز پڑھاتے، جگہ کیسی تھی اور پیمائش کیا تھی۔

ابن زبالہ کے مطابق حضور ﷺ نے مسجد قباء کے صحن میں تیسرے ستون کی طرف نماز پڑھی۔ حضرت واقدی کے مطابق حضرت سعید بن عبد الرحمٰن بن رقیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مسجد (سجدہ کی جگہ) اس خوشبو لگے ستون کی جگہ پر تھی جو مسجد کے صحن میں باہر تھا۔

ابن رقیش کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے مسجد قباء بنائی اور قبلہ آگے کی طرف اس مقام کی طرف رکھا جہاں آج کل موجود ہے، فرمایا کہ جبریل مجھے بیت اللہ دکھاتے جاتے تھے۔

ابن رقیش کہتے ہیں، مجھے حضرت نافع نے بتایا کہ حضرت ابن عمر نے مسجد میں آنے کے بعد خوشبو دار ستون کی طرف نماز پڑھی، وہ یہ بتا رہے ہیں کہ ان کا مقصد پہلی مسجد نبوی تھا۔

حضرت ابو غسان کہتے ہیں، مجھے ایک قابلِ بھروسہ شخص نے اطلاع دی جو اہلِ قباء میں سے تھا کہ قبلہ تبدیل ہونے سے قبل مسجد قباء کے قبلہ کی جگہ یوں تھی کہ کھڑا ہونے والا شامی قبلہ میں کھڑا ہوتا تو وہ اس ستون کی جگہ ہوتا جو مسجد قباء کے صحن میں کھلتا تھا اور جو خوشبو لگائے گئے ستون کی صف میں تھا جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا مصلّٰی اس کی ایک طرف تھا۔ یہ ابو غسان کہتے ہیں۔

ابن زبالہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد قباء میں صحن کے اندر موجود تیسرے ستون کی طرف نماز پڑھی، یہ وہ ستون تھا کہ جب تم اس دروازے میں داخل ہو جو حضرت سعد بن خیثمہ کے گھر کے صحن میں تیسرا تھا تو سامنے آتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ دروازہ آج کل بند کر دیا گیا ہے، مسجد کے باہر سے دیکھنے پر مغرب کی طرف اس کی کچھ

علامت نظر آتی ہے' یہ دروازہ اس برآمدے میں کھلتا تھا جو قبلہ کی طرف کے چھتے ہوئے حصے کے اندر صحن سے ملتا تھا چنانچہ صحن میں تیسرا ستون وہی ہے جس کے پاس آج کل محراب موجود ہے جو مسجد کے صحن میں ہے کیونکہ اس کی جو نشانی بیان کی گئی ہے' وہ اسی پر سچی آتی ہے اور علامہ واقدی کے اس قول میں یہی ستون مراد ہے: "اس مسجد میں سجدہ کی جگہ خوشبو والا وہ ستون تھا جو مسجد کے صحن میں باہر نظر آتا تھا اور یہ وہی ستون تھا جس کی طرف حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز پڑھتے تھے" اور جو حضرت ابو غسان نے لکھا ہے' اس کا مقصد یہ ہے کہ اس ستون کے پاس حضور ﷺ کا پہلا مصلّٰے تھا اور یہ قبلہ تبدیل ہونے سے پہلے کی بات ہے اور قبلہ تبدیل ہونے کے بعد آپ کا مصلّٰے اس ستون کی طرف تھا جو قبلہ کی طرف اس ستون کی صف میں تھا اور یہ ستون اس صحن میں موجود ستونوں میں تیسرا ہے کیونکہ اسی کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ یہ محراب کے نزدیک مصلّٰے کی داہنی طرف تھا اور مصلّٰے اس کی مشرقی جانب محرابِ مسجد کے برابر تھا چنانچہ قبلہ والا برآمدہ مسجد میں زیادہ کیا گیا ہے اور محراب کو انہوں نے اس ستون سے مصلّٰے کے برابر بنایا لیکن ایک اور روایت میں ان کے اس قول: "و قدم القبلة الى موضعها اليوم" کا مطلب یہ بنتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد قبلہ کی طرف کسی نے بھی اضافہ نہیں کیا تو مناسب یہ ہے کہ محرابِ قبلہ کے پاس نماز پڑھ کر تبرک حاصل کیا جائے اور یونہی ان دونوں ستونوں کی جگہ سے تبرک حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت علامہ یحییٰ نے حضور ﷺ کے مصلّٰے کے بیان میں صرف اس ستون کا ذکر کرنا کافی سمجھا ہے جو صحن میں تھا چنانچہ انہوں نے ابن زبالہ کی روایت کا ذکر کیا اور پھر حضرت معاذ بن رفاعہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا کہ حضور ﷺ باہر والے ستون کی طرف نماز پڑھتے تھے جو خوشبو والے ستون کی لائن میں تھا اور ان دنوں اس کی جگہ عریش جیسی تھی۔ پھر ابن زبالہ نے ذکر کیا کہ موسیٰ بن سلمہ نے انہیں بتایا کہ انہوں نے حضرت ابوالحسن علی بن موسیٰ رضا کو دیکھا کہ اس باہر والے ستون کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ پھر اس کے بعد یحییٰ نے کہا: میں نے اپنے بہت سے گھر والوں کو دیکھا جن میں موسیٰ بن جعفر کے دونوں لڑکے عبداللہ اور اسحاق نیز حسین بن عبداللہ بن عبداللہ بن حسین شامل تھے کہ جب بھی وہ مسجد قباء میں آتے تو اس باہر والے ستون کی طرف نماز پڑھتے اور یہ بتایا کرتے تھے کہ یہ مصلّائے رسول ﷺ ہے۔ پھر کہتے ہیں میں نے اپنے اہلِ بیت میں لائق اقتداء لوگوں کو دیکھا' جن کے فقہ و علم کا مقابلہ نہ تھا کہ وہ اس ستون کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ پھر اس ستون کے سامنے دائیں طرف مسجد کے صحن میں محرابوں کی صورت دکھائی دیتی ہے جن کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا اور صحن مسجد کے ساتھ برآمدے میں' محراب مسجد کے سامنے زمین سے ذرا اونچا چبوترہ ہے جس کے سامنے محراب ہے جس میں پتھر لگا ہوا ہے اس پر یہ آیت نقش کی ہوئی ہے: لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ○ اور اس کے بعد یہ عبارت ہے: مقامِ نبی ﷺ یہ ہے' یہ مسجد ۶۷۱ھ میں نئے سرے سے بنائی گئی' بنانے والے کا نام دکھائی نہ دے سکا اور جس نے اسے بنایا ہے اس کا ظاہری حال یہ بتاتا ہے کہ یہ مصلّٰے شریف کی جگہ ہے جبکہ جو کچھ ہم بیان کر چکے وہ اس کا رد کرتا ہے۔

علامہ مجد کو دھوکا لگا' انہوں نے یقینی بناتے ہوئے اس چبوترے کو وہی جگہ قرار دیا ہے جہاں حضورﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ لگتا ہے کہ علامہ مجد جب اپنی کتاب لکھ رہے تھے تو مدینہ سے باہر تھے چنانچہ انہوں نے اس چبوترے کی یوں وضاحت کی ہے: "مسجد کے صحن میں قبلہ کی جانب محراب کی شکل میں ایک جگہ ہے' یہ وہ پہلی جگہ ہے جہاں نبی کریمﷺ نے نماز پڑھی تھی۔" گویا انہوں نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ مسجد کے صحن میں تھا تاکہ پہلے مؤرخین کی موافقت ہو سکے اور یہ بات کہنا صحیح نہیں ہوگی کہ پہلے یہ مسجد کے صحن میں تھا کیونکہ یہ احتمال ہے کہ قبلہ والے چھتے مسجد کے حصے میں برآمدہ زیادہ کر دیا گیا ہو' اس لئے کہ عنقریب ہم بیان کر رہے ہیں کہ مسجد کے برآمدے اور صحن آج ہی کی صورت پر تھے ان میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔

پھر میں نے علامہ مجد کی طرف سے ابن جبیر کے سفرنامے ۵۷۸ھ کے بارے میں لکھا کہ جس چبوترے کا ذکر ابن زبیر نے کیا ہے' یہ مسجد کے صحن میں اس ستون کے پاس تھا جس کی طرف آج کل صحن مسجد میں محراب موجود ہے تاکہ اس سے موافق کیا جا سکے جس کے دوسرے لوگ قائل ہیں اور اب تو اس کے نشان بھی مٹ چکے ہیں اور پھر ذرا ہٹ کر بنائے گئے تھے' کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ صحن مسجد میں قبلہ کی طرف تھا اور مسجد کے برآمدوں کے بارے میں بھی لکھا کہ آج پہلے والے مقام پر ہیں تو وہ چبوترہ اب موجود نہیں کیونکہ یہ بعد میں بنا تھا۔

رہا مسجد کے صحن میں لگا ہوا جنگلہ تو اس کے بارے میں کسی پہلے مؤرخ نے کچھ نہیں لکھا لیکن لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضورﷺ کی اونٹنی بیٹھنے کی جگہ ہے' علامہ مجد نے ابن جبیر کے سفرنامے میں لکھے کی پیروی کی ہے' وہ کہتے ہیں: مسجد کے درمیان میں حضورﷺ کی اونٹنی بیٹھنے کی جگہ ہے جس پر چھوٹا سا روضہ بنا ہے' لوگ وہاں نفل پڑھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ انتہی۔ لیکن یہ بات احتمال پر مشتمل ہے کیونکہ دراصل قباء والی یہ جگہ کلثوم بن ہدم کا باڑا تھی' حضورﷺ یہیں تشریف لائے تھے' انہوں نے یہ جگہ حضورﷺ کو پیش کر دی جس میں آپ نے مسجد بنا دی۔

ابن زبالہ کے مطابق عاصم نے اپنے والد سوید سے روایت کی' انہوں نے کہا کہ مسجد قباء سات ستونوں پر کھڑی تھی وہاں ایک سیڑھی تھی جس پر اذان دینے کے لئے قبہ بنا تھا جسے نعامہ کہتے تھے اور بعد میں ولید بن عبد الملک بن مروان نے اس میں اضافہ کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل بھی مشرق و مغرب کے درمیان ہر صف میں سات سات ستون ہیں۔

علامہ زین مراغی ابن زبالہ کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: یہ صفہ (چبوترہ) وہی ہے جسے حضورﷺ نے بنایا تھا' اس کی تائید مؤرخین کا یہ قول ہے: دورِ ولید میں حضرت عمر بن عبد العزیز کی تعمیر سے قبل مسجد قباء اسی حالت پر برقرار رہی جیسے حضورﷺ نے بنائی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ مطری کے علاوہ کسی مؤرخ نے اس احتمال کی تائید نہیں کی جبکہ ابن شبہ نے تو ابو مسلمہ کی روایت کے ذریعے اس کی تردید کی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں: اس صومعہ سے قبلہ تک وہ اضافہ شدہ حصہ ہے جسے حضرت

عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنایا۔

میں وضاحت کرتا چلوں کہ یہ صومعہ وہی منارہ ہے جو مسجد کے جنوب مغرب میں ہے اور ''غرۃ'' کی وضاحت میں آ رہا ہے کہ یہ جگہ بنو عمرو بن عوف کا قلعہ تھی' یہ منارہ وہیں بنایا گیا پھر ابن نجار کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قباء کے مقام پر کلثوم بن ھدم کے گھر تشریف فرما ہوئے پھر ان کا یہ باڑا لیا' اسے مسجد بنایا اور پھر اس میں نماز پڑھی اور ہمیشہ اسے دیکھنے تشریف لاتے رہے' اہلِ قباء اس میں نماز پڑھتے رہے اور جب آپ کا وصال ہو گیا تو صحابہ کرام بھی زیارت کرتے اور تعظیم کرتے رہے۔

مسجد قباء کی نئی تعمیر

جب حضرت عمر بن عبد العزیز نے مسجد نبوی بنوائی تو مسجد قباء بھی بنوائی اور اس میں توسیع کی' اسے پتھروں اور چونہ سے تعمیر کیا' اس میں پتھر کے ستون لگوائے جن میں لوہا اور سکّہ ڈھالا گیا تھا اور پھر قیمتی پتھر لگا کر خوبصورتی سے بنایا' ایک منار بنایا اور چھت ساج کی لکڑی سے بنائی' برآمدے بھی بنوائے اور درمیان میں صحن رکھا۔ پھر عرصہ گذرنے کے بعد یہ گر گئی تو نئے سرے سے اسے جمال الدین اصفہانی نے تعمیر کیا جو موصل کے بادشاہوں بنو زنگی کے وزیر تھے۔

میں کہتا ہوں کہ مطری کے مطابق جواد نے اسے ۵۵۵ھ میں از سرِ نو تعمیر کیا تھا اور پہلے ہم صحن کے ساتھ والے برآمدے میں چبوترے کے محراب کے بیان میں ہم بتا چکے کہ ۶۷۱ھ میں اسے دوبارہ بنایا گیا تھا اور پھر مسجد میں نقش و نگار والے پتھروں سے پتہ چلتا ہے کہ ناصر بن قلاوون نے ۷۳۳ھ میں اس کے اندر کچھ تجدید کی تھی اور پھر اس کی چھت کا اکثر حصہ جو آج کل نظر آتا ہے' ۸۴۰ھ میں اسے الاشرف برسبائی نے ابن قاسم محلی کی زیرِ نگرانی بنوایا تھا۔ منار ۸۷۷ھ میں گر گیا تو ہمارے دور کے متولی جناب خواجگی شمسی بن زمن نے ۸۸۱ھ میں اسے مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران بنیادیں نکال کر از سرِ نو تعمیر کر دیا اور وہ ستون گرا دیا جو اس کے ساتھ تھا' وہ ستون سکہ ڈھال کر مضبوط بنایا گیا تھا لیکن دوبارہ بناتے وقت سکّہ کا استعمال نہیں کیا اور منار کے پتھر مسجد نبوی میں لے جا کر حضور ﷺ کے سر انور کی طرف صندوق والے ستون میں استعمال کر لئے گئے۔

پھر متولی نے منارہ مذکورہ سے متصل مسجد کی دیوار کو بھی اس کے مغربی دروازے تک گرا دیا اور اسے دوبارہ بنایا اور چھت کا بھی کچھ حصہ نیا بنایا' پھر مغربی جانب سبیل اور برکتہ (پانی جمع ہونے کی جگہ) بنائے جو مسجد کے لئے تھے اور سراجِ عینی کے نام سے باغ میں موجود تھے جو ان کے رشتہ داروں کا تھا' پہلے منارہ اس سے ہلکا تھا' متولی نے اس کی لمبائی بڑھا دی کیونکہ ابن نجار کہتے ہیں: اس کا سطح زمین سے سرے تک طول بائیس ہاتھ تھا' اس کے سرے پر قبہ (گنبد) تھا جو تقریباً دس ہاتھ اونچا تھا۔ پھر بتاتے ہیں قبلہ کی طرف سے منارہ کی چوڑائی دس ہاتھ سے قدرے زائد تھی اور مغربی جانب سے آٹھ ہاتھ تھی۔

اس سے قبل وہ لکھ چکے ہیں کہ مسجد کی بلندی بیس ہاتھ تھی لہٰذا پہلے منار کی کل اونچائی' اوپر سے زمین تک باون ہاتھ ہوئی جو ابن شبہ کی بتائی اونچائی کے لگ بھگ ہے کیونکہ انہوں نے لکھا: اس کے منار کی اونچائی پچاس ہاتھ اور چوڑائی ایک طرف سے نو ہاتھ ایک انگشت اور دوسری طرف سے نو ہاتھ ہے۔انتہٰی۔ اس نئے منارے کی پیائش زمین کے باہر والے حصے سے قبہ کے اوپر کے کنارے تک اکسٹھ ہاتھ ہے جبکہ مشرقی وقبلہ والی جانب سے چوڑائی نو ہاتھ ہے اور اس کا دروازہ بھی ہے۔

ابن شبہ کے مطابق ابوغسان نے بتایا کہ مسجد قباء کی لمبائی اور چوڑائی ایک جیسی ہے جو ٦٦ ہاتھ ہے۔ پھر کہا کہ اس کی اونچائی انیس ہاتھ ہے' صحن کی لمبائی پچاس ہاتھ اور عرض چھبیس ہاتھ ہے۔ابن نجار نے تھوڑا سا اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کا طول اڑسٹھ ہاتھ اور عرض اتنا ہی لکھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے خود اس کی پیائش کی تو شامی جانب مشرق سے مغرب کی طرف ساڑھے اڑسٹھ ہاتھ لمبائی تھی جبکہ قبلہ سے شامی جانب ٧٩ ہاتھ تھی' مشرق ومغرب کے درمیانی قبلہ والی دیوار ستر ہاتھ سے کچھ زیادہ تھی اور زمین سے چھت تک اونچائی انیس ہاتھ تھی اور باہر سے غربی بلاط کو لیں تو کنگروں کے اوپر تک اونچائی چوبیس ہاتھ تھی' پھر مشرق سے مغرب تک صحن کی لمبائی اکاون ہاتھ تھی اور قبلہ سے شام کی طرف صحن کی چوڑائی سوا چھبیس ہاتھ تھی اور مسجد کے درمیان یہی وہ صحن ہے جسے ابوغسان نے ''رحبہ'' کہا ہے۔اس سے یہ بات صحیح ہوگئی کہ آج کل یہ رحبہ اسی صورت میں ہے جیسے ابوغسان اور دیگر مورخین کے دور مین تھا اور پھر ہماری یہ بات بھی صحیح ہوگئی جو مصلاّئے نبی کریم ﷺ کے بیان میں ہم بتا چکے کہ وہ اس محراب کے پاس تھا جو اس ستون کی جانب تھا جو آج کل مسجد کے صحن میں ہے اور یہ ثابت ہوگیا کہ جو علامہ مجد نے کہا ہے کہ وہ چبوترہ مسجد کے صحن میں تھا' صحیح نہیں۔

ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ: مسجد قباء کے سات سائبان تھے جیسے ہمارے اس دور میں ہیں اور وہ یوں کہ قبلہ والے چھتے حصے میں تین' شامی جانب دو اور مغرب میں ایک تھا جو آج کل مسجد کے دروازے تک اور پھر اسی کے سامنے مشرق میں بھی ایک سائبان تھا۔ابن نجار نے جو ان کی گنتی بتائی ہے' وہ بھی سات کے مطابق آتی ہے' وہ کہتے ہیں: مسجد میں انتالیس ستون تھے جن میں سے ہر دو کے درمیان ساتھ ہاتھ سے کچھ زیادہ فاصلہ تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج بھی ستونوں کی تعداد وہی ہے کیونکہ قبلہ والی جانب ان کی تین لائنیں ہیں اور مشرق و مغرب کے اُندر ہر لائن میں سات ستون ہیں جبکہ شام کی جانب دو لائنیں ہیں اور ہر لائن میں سات ستون ہیں پھر مغربی جانب صحن کے ساتھ دو ستون ہیں اور اس کے ساتھ مشرق میں بھی دو ستون ہیں اور یہ سب ملا کر وہ تعداد پوری ہو جاتی ہے۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ مسجد کی دیواروں میں طاق ہیں جو باہر کی طرف کھلتے ہیں' ہر جانب آٹھ طاق (باریاں) البتہ شام کی طرف آٹھویں طاق کی جگہ منارہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جب انہوں نے منارہ کے گرد گرے حصے کو دوبارہ بنانا شروع کیا تو ہمارے اس دور میں انہوں نے شامی جانب والا ایک اور طاق بند کر دیا جو اسی منارہ کے ساتھ تھا اور یونہی اسی کے ساتھ مغربی جانب تین اور طاق بھی تھے جو بند کر دئے کیونکہ انہوں نے یہ ساری دیوار ٹھوس بنا دی۔ واللہ اعلم۔

قباء شریف کے قابلِ زیارت مقامات

دارِ حضرت سعد بن خیثمہ

ان مقامات میں سے ایک دارِ سعد بن خیثمہ تھا اور یہ گذر چکا ہے کہ مسجد قباء کا مغربی بند دروازہ حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف کھلتا تھا اور یہ مسجد قباء کے قبلہ کی طرف تھا اور وہ جانب جو اس بند دروازے سے ملتی تھی' لوگ زیارت کے لئے اس میں سے داخل ہوتے تھے اور اسے مسجد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے اور گویا چوتھی فصل میں جو کچھ مسجد دارِ سعد بن خیثمہ کے بارے میں آ رہا ہے' اس سے یہی مراد ہے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت ابو امامہ کے والد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قباء میں حضرت سعد بن خیثمہ کے گھر میں لیٹے تھے۔ پھر حضرت ابن وقش سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ قباء کے اندر موجود حضرت سعد بن خیثمہ کے گھر میں داخل ہوئے اور اس میں تشریف فرما ہوئے پھر ابن زبالہ لکھتے ہیں: لوگوں کا گمان ہے کہ حضور ﷺ نے اس مہراس (پانی کی جگہ) سے وضو کیا جو قباء میں حضرت سعد بن خیثمہ کے گھر کے نزدیک تھا۔

حضرتِ کلثوم بن ھدم کا گھر

انہی میں ایک حضرت کلثوم بن ھدم کا گھر تھا اور یہ بھی ان گھروں میں سے ایک تھا جو مسجد کے قبلہ والی جانب تھے' لوگ اس میں زیارت اور تبرک کے لئے داخل ہوتے تھے اور پہلے ہم بیان کر چکے کہ حضور ﷺ قباء میں تشریف لائے تو ان کے گھر میں ٹھہرے تھے' یونہی حضرت ابوبکر کے اہل و عیال بھی آپ کے اہل کی طرح یہاں ٹھہرے تھے۔

بیر اریس (ایک کنواں)

انہی متبرک مقامات میں سے ایک بیر اریس تھا۔ عنقریب اس کے آثار میں سے بیان ہوگا' حضرت ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سفر نامے میں لکھتے ہیں کہ اس کنوئیں کے سامنے دارِ عمر' دارِ فاطمہ اور دارِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ شاید آپ کے بتانے کا مقصد مدینہ تشریف لے جانے سے قبل کے گھر بتانا ہے۔ واللہ اعلم۔

قباء کی طرف جانے آنے کے وہ راستے جن پر حضور ﷺ چلے تھے

حضرت ابوغسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حارث بن اسحاق نے ہمیں بتایا کہ اسحاق بن ابوبکر بن اسحاق

بتاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جب سواری پر بیٹھے ہوئے قباء کو تشریف لے جاتے تو مصلّٰی کی طرف جاتے پھر دارِ کثیر بن صلت اور دارِ معاویہ کی طرف والی گلی میں جاتے جو مصلّٰے میں تھے اور پھر واپسی پر دارِ صفوان بن سلمہ کے راستے سے گذرتے جو سقیفہ محرق کے پاس تھا' پھر عروہ کی درس گاہ سے مسجد بنو زریق کی طرف تشریف لے جاتے اور بلاط کی طرف نکل جاتے۔

ابن شبہ بتاتے ہیں' اسحاق نے ولید بن عبد الملک کو دیکھا کہ وہ قباء کی طرف جاتے اور آتے وقت اسی طرح اسی راستے سے آتے جاتے تھے۔

میں کہتا ہوں' اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ حضور ﷺ کی راہ آتے جاتے وقت وہ کھلا راستہ تھا جسے آج کل دربِ سقیفہ کہتے ہیں کیونکہ مصلّٰے اور مسجد بنو زریق اسی طرف تھے اور مصلّٰے کے بیان میں گذر چکا کہ دارِ کثیر بن صلت مصلّٰے کی قبلہ والی جانب تھا اور پھر پہلے کی تحریر سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ دارِ معاویہ اس کے سامنے تھا۔

انہوں نے کہا کہ "آپ بلاط کی طرف نکل جاتے تھے" اس کا مطلب یہ ہے کہ باب السلام سے شروع ہو کر دربِ سویقہ کی طرف نکلتے تھے کیونکہ مصلّٰے پر گفتگو کرتے ہوئے آ چکا ہے کہ حضور ﷺ واپسی پر عروہ کی درسگاہ سے مسجد بنو زریق کی طرف واپس ہوتے تھے اور دارِ عبد الرحمٰن کی اس گلی سے بلاط کی طرف نکل جاتے تھے' اس گھر کا ذکر ان گھروں میں موجود ہے جو اس بلاط کی دائیں جانب تھے' آج کل بہت سے لوگ قباء کی طرف جاتے ہوئے دربِ البقیع کے راستے سے جاتے ہیں کیونکہ یہ سب سے قدرے درمیانہ ہے۔

راستے کی پیمائش

اس جہت سے میں نے راستہ کی پیمائش کی تو مسجد نبوی کے دروازے باب جبریل کی چوکھٹ سے مسجد قباء کے دروازے کی چوکھٹ تک دستی طور پر سات ہزار دو سو ہاتھ سے قدرے زیادہ فاصلہ تھا' یہ فاصلہ دو مکمل میل اور میل کے ساتویں حصے کا پانچواں حصہ تھا۔ عنقریب مسجد قباء کے ذکر میں وہ بھول آ رہی ہے جو اس پیمائش میں لوگوں کو لگی تھی اور اگر آپ باب جبریل اور بابِ دربِ بقیع کی درمیانی پیمائش اس سے نکال دیں تو مدینہ کی حفاظتی دیوار اور باب مسجد قباء کی درمیانی پیمائش دو سو تینتیس ہاتھ کم دو میل رہ جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

قرآن میں مسجد ضرار کا ذکر جس سے مسجد قباء کی شان نکھر کر سامنے آتی ہے

دلائل بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے اس قرآنی آیت کی تفسیر مذکور ہے:

وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا ١٠ (سورۂ توبہ ١٠٧)

"وہ لوگ جنہوں نے مسجد ضرار بنا لی۔"

آپ فرماتے ہیں کہ یہ انصار میں سے کچھ لوگ تھے جنہوں نے مسجد بنا لی تھی' اسی دوران ابو عامر نے ان سے

کہا: تم اپنی مسجد بنا لو اور اس میں اپنی قوت اور ہتھیار جمع کر لو کیونکہ میں قیصر روم کی طرف جاتا ہوں' وہاں سے رومیوں کا لشکر لاؤں گا اور پھر محمد اور ان کے ساتھیوں کو نکال باہر کروں گا۔ جب وہ مسجد سے فارغ ہو گئے تو نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے' ہم مسجد بنا کر فارغ ہو گئے ہیں لہٰذا آپ برکت اور دُعا کے لئے آ جائیں تو ہم خوش ہوں گے جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَداً الْمَسْجِدُ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ (یعنی مسجد قباء) اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ (تا) عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝

"اس مسجد میں تم کبھی کھڑے نہ ہونا' وہ مسجد کہ پہلے دن ہی سے جس کی بنیاد پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے' وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو' اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اللہ کو پیارے ہیں تو کیا جس نے اپنی بنیاد رکھی' اللہ سے ڈر اور اس کی رضاء پر' وہ بھلا یا وہ جس نے اپنی نیو چنی' ایک گراؤ گڑھے کے کنارے تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں ڈھے پڑا اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا۔"

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد قباء کی یہ جگہ ایک عورت کی تھی جسے لیہ کہتے تھے' وہ یہاں اپنا گدھا باندھا کرتی تھی چنانچہ حضرت سعد بن خیثمہ نے مسجد بنائی' اس پر مسجد ضرار والوں نے کہا' کیا ہم بھی لیہ کے گدھا باندھے والی جگہ پر نماز پڑھیں؟ ایسا نہیں ہو گا' ہم تو اپنی مسجد بنائیں گے اور اسی میں اس وقت تک نماز پڑھیں گے جب تک ابو عامر نہیں آ جاتا' وہ ہمارا امام ہو گا۔ ابو عامر اللہ رسول سے بھاگ کر مکہ چلا گیا تھا' پھر شام کو گیا اور نصرانی ہو کر وہیں مر گیا' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا۝

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ بنو عمرو بن عوف نے ایک مسجد بنائی اور رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ یہاں نماز پڑھا دیں' آپ تشریف لائے اور مسجد میں نماز پڑھائی جس سے ان کے بھائی بنو' بنو عمرو بن عوف کے بنو فلاں نے حسد شروع کر دیا (نام کے بارے میں راوی کو شک ہوا) اور کہنے لگے' ہم یہاں نماز نہیں پڑھیں گے بلکہ اپنی مسجد بنائیں گے اور نبی کریم ﷺ کو یہاں نماز پڑھنے کے لئے بلائیں گے جیسے انہوں نے ہمارے بھائیوں کی مسجد میں پڑھی تھی اور شاید یہاں ابو عامر نماز پڑھے گا۔ وہ ان دنوں شام گیا ہوا تھا۔ آخر انہوں نے مسجد بنا لی اور حضور ﷺ کو وہاں نماز پڑھنے کے لئے بلا بھیجا' آپ ان کی طرف آنے کو اُٹھے تو قرآن کی یہ آیات اُتریں:

وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ (تا) وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۝

''وہ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے' ہم نے تو بھلائی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بے شک جھوٹے ہیں' اس مسجد میں تم کبھی کھڑے نہ ہونا بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے' وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو' اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اللہ کو پیارے ہیں' تو کیا جس نے اپنی بنیاد رکھی اللہ سے ڈر اور اس کی رضا پر' وہ بھلا یا جس نے اپنی نیو چنی ایک گراؤ گڑھے کے کنارے تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں ڈھے پڑا اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا' وہ تعمیر جو چنی' ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔''

مسجد ضرار کو جلا دیا گیا

طبری کے مطابق حضرت زہری کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے اور وادئ اوان میں ٹھہرے' یہ وہ شہر ہے کہ اس کے اور مدینہ کے درمیان دن کے گھنٹے بھر کا فرق تھا' مسجد ضرار والے اس وقت حضور ﷺ کے پاس آئے تھے جب آپ تبوک جانے کی تیاری میں تھے اور کہا تھا' یا رسول اللہ! ہم نے بیماری' ضرورتوں اور بارش والی راتوں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے' ہم چاہتے کہ آپ اس میں آ کر نماز پڑھیں۔ آپ نے فرمایا تھا' میں سفر کی تیاری کر رہا ہوں اور اس وقت بہت مصروف ہوں لہٰذا انشاء اللہ جب ہم واپس آئیں گے تو تمہارے پاس آ کر نماز پڑھ لیں گے اور جب آپ واپس ہو کر وادئ اوان میں پہنچے تو آپ پر قرآن اُترا جس میں مسجد ضرار کا حال بتایا گیا تھا چنانچہ آپ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو یا عاصم بن عدی کے بھائی کا نام لیا اور اسے بلا بھیجا اور فرمایا: اس مسجد کی طرف چلو جس کے بنانے والے ظالم ہیں چنانچہ اسے گرا دو اور جلا دو۔ وہ تیزی سے گئے اور یونہی کر کے اسے جلا دیا۔

بغوی میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنہیں مسجد گرانے اور جلانے کا حکم دیا تھا' جلدی سے حضرت سالم بن عوف کے پاس گئے' یہ مالک بن دخشم میں سے ایک قبیلہ تھا چنانچہ مالک نے کہا' مجھے تھوڑی سی مہلت دو تاکہ میں گھر والوں سے آگ لے آؤں چنانچہ وہ گھر گئے' کھجور کی ایک ٹہنی لی' اس میں آگ جلائی' جس کی شدت تکلیف سے وہ لوگ نکل کر مسجد میں جمع ہو گئے' اس میں ان کے اہل بھی تھے چنانچہ مسجد گرا کر انہیں جلا دیا' ان کے اہل اس سے الگ ہو گئے۔ پھر حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ اسے روڑی بنا دیا جائے' اس میں مردار' بدبودار چیزیں اور کوڑا کرکٹ ڈالا جائے۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ اس مسجد کو منافقوں نے مسجد قباء کے سامنے بنایا تھا' یہ لوگ وہاں جمع ہوتے نبی کریم ﷺ کے عیب نکالتے اور ٹھٹھا کیا کرتے۔

مسجد ضرار بنانے والوں کے نام

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مسجد بنانے والے بارہ لوگ تھے' خدام بن خالد' یہ بنوعبید بن زید بن مالک میں سے تھا۔ ثعلبہ بن حاطب' یہ بنو امیہ بن زید سے تھا یعنی بنوعمرو بن عوف میں سے ایک۔ معتب بن قشیر' یہ بنوضبیعہ بن زید سے تھا۔ ابو حبیبہ بن اذعر اور عباد بن حنیف' یہ بھی بنوعمرو بن عوف سے تھے۔ جار بن عامر اور اس کے دونوں بیٹے مجمع اور زید' نبتل بن حارث' مخرج' مجاد بن عثمان اور ودیعہ بن ثابت' یہ بنو امیہ بن زید میں سے تھے۔ انتہیٰ۔

کچھ کہتے ہیں کہ بنوغنم بن عوف اور بنو سالم بن عوف کے درمیان منافقت پیدا ہو چکی تھی' یہ لوگ اپنی قوم بنو عمرو بن عوف سے حسد کرتے تھے اور ابو عامر راہب انہی میں سے تھا (حضورﷺ نے اس کا نام فاسق رکھ دیا ہوا تھا)۔

میں کہتا ہوں کہ وہ بنوخبیعہ میں سے تھا نہ اوس میں سے' بنوعمرو بن عوف ہی میں سے ایک تھا اور یہ پہلے آ چکا کہ بنوغنم بن عوف اور بنو سالم بن عوف' خزرج قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور قباء میں نہیں رہتے تھے لہٰذا یہ قول محلِ نظر ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ابو عامر نے شام سے قوم کے منافقوں کو لکھا کہ ایک مسجد بنا دو' یہ مسجد مسجد قباء کے مقابلہ میں ہو گی اور اس کو حقیر بنانے کے لئے بنے گی' میں جلد ایک لشکر لے کر آ رہا ہوں' ہم مدینہ سے محمد اور ان کے صحابہ کو نکال باہر کریں گے چنانچہ انہوں نے مسجد بنا کر کہا' ابو عامر جلد آ رہا ہے' وہ اس میں نماز پڑھے گا' ہم اسے عبادت خانہ بنا لیں گے اور یہی وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے:

وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ○ (سورۂ توبہ' ۱۰۷)

''اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے۔''

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب یہ آیت اُتری لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا تو حضورﷺ نے اس راستے پر چلنا ہی چھوڑ دیا جس میں وہ مسجد تھی۔ یہ بات ہمارے اس گذشتہ بیان کی تصدیق ہے کہ اللہ کے فرمان لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى سے مراد مسجد قباء ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس مسجد سے مراد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی' مسجد رسول اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ○ سے مراد مسجد قباء ہے اور وہ بنیاد جو گراؤ گڑھے پر رکھی گئی' اس سے مراد بالا جماع مسجد ضرار ہے اور ان کے قول: فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ کے بارے میں ابن عطیہ کہتے ہیں تو اس سے' جو ان کی صحیح خبر ہے اس سے اور رسول اللہﷺ کے منافقوں کی مسجد کو گرانے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کہ یہ ان کی ایک مثال بیان کی جاری ہے یعنی ان کا حال اس شخص جیسا ہے جو اپنی بنیاد دوزخ میں گرنے کے لئے تیار کر رہا ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ واقعی ایسا ہی ہے اور وہ مسجد بعینہٖ دوزخ کے کنارے پر ہے اور اس میں گرتی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا' حضور ﷺ کے دور میں اس جگہ سے دھواں اُٹھا کرتا تھا پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے اس وقت دیکھا جب وہ دھنس گئی اور ساتویں زمین تک پہنچ گئی جس پر حضور ﷺ بھی خوف کھاتے دکھائی دئے۔

یہ روایت بھی ملتی ہے کہ انہوں نے اس مسجد میں صرف تین دن نماز پڑھی تھی' چوتھے دن وہ زمین میں دھنس گئی۔

طبری کے مطابق خلف بن یامین رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے منافقوں کی وہ مسجد دیکھی اور اس میں ایسی جگہ دیکھی جس میں سے دھواں نکلتا رہتا تھا' یہ واقعہ ابو جعفر منصور کے دور کا ہے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ لوگ اس جگہ کھجور کی شاخ ڈالتے تو وہ جل کر سیاہ شدہ نکلا کرتی پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ زمین میں جہنم تھی اور پھر یہ آیت پڑھی فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ۔

مسجد ضرار کہاں تھی؟ ایک اختلاف

علامہ جمال مطری کہتے ہیں کہ مسجد ضرار کا کوئی نام ونشان نہیں ہے اور نہ ہی مسجد قباء کے اردگرد اس کی جگہ کا کوئی علم ہے اور نہ ہی اس کے علاوہ کہیں معلوم ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بات یونہی ہے لیکن صرف مطری اور ہمارے زمانہ کے لحاظ سے! لیکن ابن جبیر نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے: یہ وہ مسجد تھی کہ جسے چونکہ گرا دیا گیا اور جلا دیا گیا تھا لہٰذا اس کی وجہ سے لوگ اللہ سے پناہ مانگتے تھے' یہ قباء میں تھی اور یہودیوں نے اسے مسجد قباء کے سامنے بنایا تھا' انہیں یہود کہنے کی بجائے منافقین کہنا چاہئے تھا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ مسجد قباء کے قریب تھی' یہ بڑی تھی' دیواریں بلند تھیں' اس کے پتھر لے لئے گئے تھے اور خوبصورت تھی۔ انتہی۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ابن نجار کے دور کے اندر یہ اس حالت میں موجود تھی لیکن مطری کہتے ہیں کہ یہ ایک وہم ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں' مجد نے ان کے گرفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ مسجد کے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ابن نجار اس دور میں موجود ہوں اور یہ بھی لازم نہیں کہ موجود رہی ہو اور اگر ابن نجار کے پاس کوئی گواہی نہیں تو وہ کسی کی پیروی میں بات کر گئے ہیں یہ دیکھئے علامہ بشاری' وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے مسجد ضرار بھی تھی' عوام نے اس کے گرنے پر عبادت کی (نفل پڑھے) یاقوت نے ان کی پیروی میں معجم کے اندر لکھا اور ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں اس کا ذکر کیا۔ انتہی۔

ابن نجار نے بھی اس زمانے میں مشہور مسجدوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: یاد رہے کہ مدینہ میں کچھ خراب مسجدیں بھی ہیں' ان میں کچھ محراب اور ٹوٹے پھوٹے ستون ہیں' ان سے پتھر اکھاڑے جاتے اور انہیں نقصان پہنچایا جاتا ہے'

انہی میں سے ایک مسجد قباء میں ہے جو مسجد ضرار کے قریب ہے جس میں ستون قائم ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل اس مسجد کو کوئی جانتا ہی نہیں لیکن اس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں مسجد ضرار' قباء میں مشہور تھی جس کی وجہ سے مذکور مسجد کی پہچان ہوتی تھی پھر مشارق میں کلام عیاض میں ہے (اور مجد پیروی کر رہے ہیں) کہ مسجد ضرار ذی اوان میں تھی کیونکہ انہوں نے ذروان میں لکھا کہ ان کی روایت کے لفظوں سے ہونا' ایک وہم ہے۔ پھر کہتے ہیں' یہ خر نامی جگہ بھی جو مدینے سے ایک گھنٹے کی مسافت پر تھی اور یہ وہی جگہ تھی جس میں مسجد ضرار بنائی گئی۔

فصل نمبر۳

مدینہ منورہ اور ہمارے زمانے میں مشہور اردگرد کی مسجدیں جن کا علم ہو سکا

یاد رہے کہ مسجدوں کی تلاش بہر صورت ضروری ہے چنانچہ علامہ بغوی شافعی لکھتے ہیں کہ وہ مسجدیں جن کے بارے میں ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے وہاں نماز پڑھی تھی' اگر ان میں نماز کے بارے میں کوئی شخص نذر مانتا ہے تو اس میں اسے پورا کرنا لازم ہو جائے گا جیسے تینوں مسجدیں متعین ہیں' سلف صالحین کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے آثار کی تلاش کرتے تھے چنانچہ جتنا ہم سے ہو سکا ہم نے بھی تلاش کی ہیں۔

مسجد جمعہ

ان میں سے ایک مسجد جمعہ ہے' اسے مسجد الوادی بھی کہا جاتا ہے اور گیارہویں فصل' تیسرے باب میں میں بتایا جا چکا کہ نبی کریم علیہ السلام قباء سے مدینہ کو چلے تو بنو سالم بن عوف کے پاس پہنچنے پر جمعہ کا وقت ہو گیا چنانچہ ''مسجد الوادی'' میں پڑھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جمعہ کا وقت آپ کو ''رانونا'' میں ہوا یعنی بنو سالم میں' یہ وہ پہلا جمعہ تھا جو آپ نے مدینہ میں پڑھا تھا۔ ابن زبالہ کی ایک روایت ہے ''آپ بنو سالم کے پاس تشریف لے گئے اور ''قبیب'' میں جمعہ پڑھا' یہ وہ تھی جو بطن الوادی میں تھی۔ انہی کی ایک یہ روایت بھی ہے: رسول اللہ علیہ السلام نے سب سے پہلا جمعہ ''قبیب'' کے مقام پر پڑھایا جو بنو سالم میں تھا' یہ وہی مسجد ہے جسے عبدالصمد نے بنایا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ مسجد کی جگہ کو ''قبیب'' کہتے تھے اور عنقریب مدینہ کی وادیوں میں آ رہا ہے کہ ذی صلب اور رانونا کا سیلاب مسجد جمعہ کی جگہ پر پہنچا کرتے تھے لہٰذا ان عبارتوں میں کوئی اختلاف نہیں اگرچہ اس جگہ کا نام رانونا مشہور ہو گیا' دوسرے نام مشہور نہ ہو سکے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں تشریف لاتے وقت بنو سالم کی مسجد عاتکہ میں پہلا جمعہ پڑھا تھا۔ حضرت اسماعیل بن ابو فدیک کہتے ہیں مجھے شہر کے ایک ٹھوس شخص نے بتایا کہ حضور ﷺ نے قباء سے مدینہ کو تشریف لاتے وقت پہلا جمعہ بنو سالم کی مسجد میں پڑھایا تھا جسے مسجد عاتکہ کہا جاتا تھا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ اس مسجد کی شمالی جانب خراب قلعہ تھا جسے ''مزدلف'' کہتے تھے' یہ عقبان بن مالک کا تھا اور یہ مسجد بطن وادی میں تھی اور چھوٹی سی تھی' نصف انسانی قد انسانی اونچے اور پتھروں سے بنی تھی اور یہی وہ جگہ تھی کہ ندی بہتی تو اس کے اور عقبان بن مالک کے درمیان بہتی کیونکہ بنو سالم بن عوف کے گھر اس وادی کے مغرب میں حرہ کی ایک جانب تھے' اس کے نشانات اب بھی موجود ہیں چنانچہ عقبان نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ان کے گھر میں ایک مرتبہ نماز پڑھ لیں کہ وہ اس جگہ کو نماز کی جگہ مقرر کر لیں' آپ نے یوں کر دیا تھا۔

میں بتاتا چلوں کہ حضرت عتبان کا یہ قصہ بخاری شریف میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے کہ: حضرت عتبان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میری آنکھیں ضائع ہو چکیں' مجھے اپنی قوم کو نماز پڑھانا ہوتی ہے' بارش ہو جاتی ہے تو اس کے اور میرے گھر کے درمیان وادی بہنے لگتی ہے' ایسی صورت میں مجھ سے یہ نہیں ہو پاتا کہ جا کر انہیں نماز پڑھا دوں۔ الحدیث۔

آگے ان نامعلوم مسجدوں کے بیان میں آ رہا ہے جن کی جگہ کا علم نہ ہو سکا کہ بنو سالم کی ایک اور مسجد بھی تھی جو بڑی تھی اور لگتا ہے یہ وہی تھی جو حدیث عتبان میں مذکور ہے' رہی یہ مسجد تو یہ چھوٹی تھی' یہ گر گئی تھی جیسے مطری نے بتایا اور کسی عجمی شخص نے اسے موجود شکل میں رہنے دیا' اس کا اگلے حصہ چھتا ہوا تھا' اس میں دو محرابیں تھیں جن کے درمیان ستون تھا اور اس ستون کے پیچھے صحن تھا' مسجد کی لمبائی قبلہ سے شام والی جانب بیس ہاتھ تھی اور مشرقی دیوار سے غربی تک محراب کے ساتھ ساڑھے سولہ ہاتھ عرض تھا' اس کی چھت خراب ہوئی تو مرحوم خواجہ رئیس جواد مفضل شمس الدین قاوان نے اسے از سر نو تعمیر کر دیا اور حضور ﷺ کا مصلّے غسّان کے گھر میں تھا' اس مذکور قلعہ میں نہ تھا بلکہ اس کے پاس تھا۔

مسجد الفضیح

ان میں سے ایک مسجد فضیح تھی۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ آج کل اسے مسجد شمس کہتے ہیں' یہ قباء کی مشرقی جانب وادی کے کنارے پر تھی' زمین سے قدرے اونچی جگہ پر تھی اور بڑے سیاہ پتھروں سے بنائی گئی تھی' یہ چھوٹی تھی۔

ابن شبہ' ابن زبالہ اور یحیٰی نے اس بارے میں کئی احادیث دی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد فضیح میں نماز پڑھی تھی۔ چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنو نضیر کا محاصرہ کیا تو اپنا خیمہ مسجد فضیح کے پاس لگایا' آپ چھ راتوں تک اس مسجد میں نماز پڑھتے رہے اور جب شراب حرام کر دی گئی تو

یہ اطلاع ابو ایوب تک پہنچی جو انصار کے ایک گروہ میں تھے جو انگور (یا کھجور) سے تیار کردہ شراب پی رہے تھے، وہ شراب کے برتنوں کے پاس پہنچے اور انہیں یہیں بہا دیا اسی وجہ سے اسے ''مسجد الفضیخ'' کہا گیا۔

علامہ زین مراغی نے بتایا کہ ابھی اس جگہ کو مسجد قرار نہیں دیا گیا تھا یا پھر شراب کے پلید ہونے کا علم انہیں بعد میں ہوا لیکن مشہور یہ ہے کہ شراب، شوال ۳ھ کو حرام کی گئی تھی، کچھ حضرات ۴ھ کو بتاتے ہیں اور عام طور پر یہی مراد ہوتا ہے کیونکہ غزوۂ بنونضیر صحیح روایت کی بناء پر ۴ھ کو واقع ہوا تھا۔

میں کہتا ہوں، حدیث میں صرف اتنا مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے اس مقام پر بنونضیر کے محاصرے کے دوران نماز پڑھی تھی، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان دنوں اسے مسجد بنا لیا ہو، یہ ممکن ہے کہ اس کی تعمیر شراب کے حرام ہونے تک مؤخر کر دی گئی ہو اور پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ فضیخ میں مسجد فضیخ کو تشریف لے گئے تھے اور وہاں سے پانی پیا تھا چنانچہ اس کا نام ''مسجد الفضیخ'' رکھ دیا گیا۔

ابو یعلی کے الفاظ یہ ہیں: آپ مسجد فضیخ میں تھے۔ فضیخ میں پانی جگہ تشریف لائے جو اچھل رہا تھا چنانچہ وہاں سے پی لیا، اسی وجہ سے اسے مسجد الفضیخ کہتے ہیں۔ اس حدیث میں ابن عمر کے غلام نافع کا ذکر ہے جسے جمہور نے ضعیف لکھا ہے، کچھ کہتے ہیں کہ ان کی حدیث لکھی جاتی ہے اور مسجد کا یہ نام رکھنے میں وہ قابلِ اعتماد ہیں کیونکہ اس سلسلے میں ابن زبالہ کمزور شمار ہوتے ہیں پھر میں نے متقدمین میں سے کسی کو اسے مسجد شمس کہتے نہیں سنا۔

علامہ مجد کہتے ہیں، نہیں معلوم کہ اس کا نام یہ کیوں رکھا گیا، شاید اس بناء پر کہ یہ مسجد قباء کی مشرقی جانب بلند مقام پر تھی اور سورج طلوع ہوتا تو پہلے دھوپ اسی جگہ پڑتی۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ کسی کو یہ گمان کرنے کا حق نہیں کہ وہ کہے، یہی وہ مقام ہے جہاں غروب ہونے کے بعد سورج کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے واپس کر دیا گیا تھا کیونکہ یہ واقعہ خیبر میں صہباء کے مقام پر ہوا تھا چنانچہ قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں: حضور ﷺ کا سرِ انور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں تھا، اس دوران آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی چنانچہ سورج غروب ہو گیا اور حضرت علی نمازِ عصر ادا نہ کر سکے۔ حضور ﷺ نے پوچھا: اے علی! نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے عرض کی، نہیں، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الٰہی! علی تیری اور تیرے رسول کی فرمانبرداری میں تھے لہٰذا سورج واپس فرما دے چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں، سورج تو غروب ہو چکا تھا، میں نے دیکھا کہ پھر واپس پلٹا، پہاڑوں اور زمین پر دھوپ آ گئی، یہ واقعہ خیبر میں مقامِ صہباء پر ہوا۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ طحاوی نے اسے مشکل الحدیث میں لکھا ہے، پھر کہا احمد بن صالح کہا کرتے تھے کہ اہلِ علم کے لئے یہ لائق نہیں کہ حدیث اسماء کو محفوظ نہ کرے کیونکہ یہ واقعہ نبوت کی علامتوں میں سے ایک تھا۔

علامہ مجد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ مقام، مسجد شمس نام رکھنے کے لئے سب سے مناسب ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور حضرت علی کے لئے سورج لوٹا دیا جانا ایک باطل قصہ ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے، اس

کا قائل بے سمجھ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو طبرانی نے کئی طریقوں سے لکھا ہے چنانچہ حافظ نور الدین ھیثمی لکھتے ہیں کہ اس میں سے ایک حدیث کے راوی صحیح ہیں۔

یہ مسجد مربع شکل کی تھی، مشرق سے مغرب تک اس کی پیمائش گیارہ ہاتھ تھی اور قبلہ سے شامی جانب (شمالی) بھی اتنی ہی تھی۔

مسجد بنو قریظہ

انہی قابل زیارت مقامات میں سے ایک مسجد بنو قریظہ تھی، یہ مسجد شمس کی مشرقی جانب تھی لیکن کچھ دور تھی اور مشرقی جانب والے پتھریلے مقام کے قریب تھی، ایک باغ کے دروازے کے سامنے تھی جسے ''حاجزۃ'' کہتے تھے، یہ فقراء کے لئے وقف جگہ تھی۔ یہ تو مطری نے لکھا اور یہودیوں کے گھروں کے ذکر میں ہم پہلے بتا چکے کہ زبیر بن باطا کا قلعہ مسجد بنو قریظہ کی جگہ پر تھا اور اس کے پاس، باغ کے دروازے کی شمالی جانب بنو قریظہ کے مکان تھے اور اس کے نزدیک اہلِ عالیہ میں سے کچھ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے چنانچہ حضرت ابن شبہ کی روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ نے خفر میں سے ایک عورت کے گھر نماز پڑھی اور پھر اسے مسجد بنو قریظہ میں داخل کر لیا تھا اور وہ مقام جہاں آپ نے نماز پڑھی تھی بنو قریظہ کی مشرقی جانب اس منارہ کی جگہ تھا جسے گرا دیا تھا۔ یہ الفاظ ابن شبہ کے تھے۔ اس مسجد میں بھی نوافل پڑھنے کی ضرورت ہے۔

اسے ابن زبالہ نے بھی ذکر کیا لیکن اس جگہ کی نشاندہی نہیں کی بلکہ کہا کہ ولید بن عبد الملک نے تعمیر کرتے وقت اس گھر کو مسجد بنو قریظہ میں داخل کر لیا تھا اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد کے اگلے حصے میں بھی نماز پڑھی ہو ورنہ وہ منارہ کی قریب والی جگہ کو اگلا حصہ بتاتے۔

میں کہتا ہوں، بظاہر یہ مسجد وہی ہے جس کا ذکر صحیحین میں ہے چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر یہاں آ ٹھہرے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد کو بلا بھیجا، آپ کو گدھے پر سوار کر کے لایا گیا، جب وہ اس مسجد کے قریب ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا: اپنے سردار یا فرمایا اپنے آقا کے استقبال کے لئے اُٹھو! پھر ان سے فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے حکم پر آئے ہیں، حضرت سعد نے عرض کی (فیصلہ یہ ہے کہ) آپ ان کے مردوں کو قتل کرا دیں اور اولادوں کو غلام بنا لیں۔ الحدیث۔

اس حدیث میں ان کے قول ''مسجد کے قریب'' سے مراد مسجد مدینہ نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ اس وقت وہاں موجود نہ تھے، اسی لئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ: ان کے قول: ''جب وہ مسجد کے قریب پہنچے'' سے مراد وہ مقام ہے جسے نبی کریم ﷺ بنو قریظہ کے محاصرے کے وقت نماز پڑھنے کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ مسجد مدینہ کی بالائی جانب اب بھی موجود ہے اور بڑی ہے' اس میں سولہ ستون تھے جن میں سے کچھ گر گئے' اس پر چھت نہیں تھی' دیواریں گر چکیں' یہ مسجد قباء کی شکل میں بنی تھی اور اس کے گرد باغات اور قابلِ زراعت زمین تھی۔

پھر ابن نجار نے اس کی پیائش لکھی جو بظاہر اپنی طرف سے لکھی' بہرحال لکھا کہ اس کا طول تقریباً بیس ہاتھ تھا جبکہ عرض بھی اتنا ہی تھا لیکن یہ پیائش آج کی مسجد میں نہیں پائی جاتی اور نہ ان کی بیان کردہ پہلی پیائش پر سچی آتی ہے تو شاید انہوں نے صرف اندازہ سے اس وقت لکھی جب وہاں موجود نہ تھے چنانچہ مطری لکھتے ہیں کہ اس کا طول تقریباً پینتالیس ہاتھ اور عرض بھی اتنا ہی تھا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ: مسجد میں ستون اور محرابیں تھیں اور مسجد قباء جیسا منارہ تھا جو عرصہ گذرنے پر گر گئیں اور منارہ بھی گر گیا لیکن آج بھی اس کا نشان ملتا ہے جو اس کی پہچان کے لئے کافی ہے لیکن اس کے سارے پتھر وہاں سے اُٹھا لئے گئے۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری کے بعد پہلی دہائی میں ابھی تک اس کا نشان موجود ہے پھر نئے سرے سے نصف قد انسانی جتنی دیوار بنا دی گئی' اسے بھلا دیا گیا تھا چنانچہ نئی تعمیر کی تاریخ پر اس کی جگہ کا پتہ چلا۔

میں بتا رہا ہوں کہ یہ آج بھی اسی طرح موجود ہے جیسے مطری نے بتایا پھر میں نے اس کی پیائش کی تو قبلہ سے شامی جانب سوا چوالیس ہاتھ تھی اور مشرق سے مغرب تک تینتالیس ہاتھ تھی' اس کی نئی دیوار شجاعی شاہین جمالی شیخ حرم نبوی اور نگران نے بنوائی' یہ ۸۹۳ھ کی بات ہے۔

مسجد مشربہ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا

انہی مقامات سے ایک ''مشربہ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا'' بھی تھا۔

ابن زبالہ وغیرہ کے مطابق حضور ﷺ نے ''مشربہ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا'' میں نماز پڑھی تھی۔

صدقات النبی ﷺ کے بیان میں ابن شہاب کی روایت ملتی ہے کہ یہ صدقات مخیریق کے اموال تھے' ابن شبہ نے انہی میں ''مشربہ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا'' کا بھی شمار کیا ہے' پھر کہتے ہیں: رہا مشربہ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا تو جب تم یہودیوں کے تورات پڑھنے کی جگہ مدراس والے گھر کو پیچھے چھوڑ کر ابو عبیدہ بن عبید اللہ کی زمین کی طرف آؤ تو مشربہ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا اس کے پہلو میں ہوگا اور یہ نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہا کی والدہ نے آپ کو یہیں جنم دیا تھا اور جب وہ دردِ زہ میں مبتلا ہوئیں تو اس مشربہ کی جگہ سے ایک لکڑی کو پکڑا تھا چنانچہ وہ لکڑی آج بھی موجود ہے۔ انتہیٰ۔

ابن النجار کہتے ہیں کہ آج بھی یہ جگہ نخیل کے درمیان مدینہ کی بالائی جانب موجود ہے' یہ چھوٹا سا ٹیلہ ہے جس کے گرد اینٹوں سے دیوار کر دی گئی ہے۔

مشربہ باغ کو کہتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ اس جگہ نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابرہیم علیہ السلام کی والدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باغ تھا۔

میں مزید بتاؤں کہ صحاح میں یہ لفظ مشربہ (میم پر زیر سے) لکھا ہے' یہ اس برتن کو کہتے ہیں جس میں پانی پیا جائے' مشربہ پڑھیں تو اس کا معنیٰ بالا خانہ ہے اور یونہی مُشربہ (میم کے پیش سے) اور مشارب' علالی یعنی پانی پینے کی جگہیں ہیں' لیکن انہوں نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ اس سے مراد باغ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس باغ میں یہ جگہ اُونچی تھی' یہ حضور ﷺ کا حصہ تھا۔

ابن عبد البر نے الاستیعاب میں لکھا: حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا کہ حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مدینہ کے بالائی حصے کی پانی والی اس جگہ جنم دیا جسے آج کل ''مشربہَ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا'' کہتے ہیں اور یہ ''قف کے'' مقام پر ہے۔

حضرت عمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث روایت کی جس میں انہوں نے حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر رشک کا اظہار کیا کیونکہ وہ خوبصورت تھیں' وہ کہتی ہیں کہ حضور ﷺ انہیں دیکھ کر خوش ہوتے اور جب آپ انہیں لے کر تشریف لائے تو پہلے حضرت حارثہ بن نعمان کے گھر ٹھہرے' وہ ہمارے پڑوس میں تھے' رسول اللہ ﷺ شب و روز عام طور پر ان کے پاس ہوتے اور پھر ہم نے ان کے بارے میں سخت لہجہ اختیار کیا جس کی بناء پر آپ نے انہیں مدینہ کی بالائی جانب ٹھہرا دیا اور وہاں آتے جاتے رہے یہ بہت مشکل دن تھے' پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے لڑکا دے دیا اور ہم محروم رہ گئیں۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ ''مشربہ'' ایک مسجد تھی جو بنو قریظہ کی شمالی جانب ''دشت'' کے مقام پر حرۂ شرقیہ کے قریب تھی اور پھر اس باغ میں تھی جسے ''اشراف قواسم'' کہتے تھے جو قاسم بن ادریس بن جعفر (حسن عسکری کے بھائی بند) کی اولاد میں سے تھے۔ مجد کہتے ہیں' میں نے پیائش کی تو اس کی لمبائی تقریباً دس ہاتھ اور چوڑائی کوئی ایک ہاتھ کے قریب کم تھی' نہ عمارت تھی اور نہ کوئی دیوار' وہ روبیہ کے مقام پر کھلا میدان تھا' اس کے گرد سیاہ رنگ کے پتھروں سے نشاندہی کی گئی تھی۔ پھر کہتے ہیں کہ اس مشربہ کے شمال میں گرا ہوا ایک گھر تھا جس کی دیواروں کے سوا کوئی اور شے دکھائی نہیں دیتی تھی' لوگ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ ابو سیف قبر کا مکان ہے اور جہاں تک میرا غالب خیال ہے' یہ بنو زعوراء کے قلعے کا بقایا حصہ ہے کیونکہ حضرت زبیر بن بکار واضح طور پر کہتے ہیں کہ: بنو زعوراء مشربہَ اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا کے پاس رہتے تھے اور اس کے قریب والا قلعہ انہی کا تھا۔ یہ بنو زعوراء یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا۔

میں کہتا ہوں ابو یوسف قبر کا گھر وہ تھا جس میں حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ شیر مادر پیتے رہے تھے' یہ گھر دارِ بنو مازن بن نجار کا تھا اور وہ جو انہوں نے مسجد مذکور کے بارے میں لکھا ہے وہ تقریباً آج کی مسجد میں دکھا دیتا لیکن قبلہ سے شام کی جانب اس کی پیائش گیارہ ہاتھ ہے جبکہ مشرق سے مغرب کی طرف چودہ ہاتھ سے

ذرا زیادہ ہے' اس کی مشرقی جانب ہلکا سا ٹیلہ ہے اور مغربی جانب اس کے قریب ہی کھجور کا باغ ہے جسے ''زبیریات'' کہتے ہیں اور عنقریب آ رہا ہے کہ یہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائیداد تھی جو انہوں نے صدقہ کر دی تھی' اس میں ان کے نام سے مسجد بھی تھی۔ واللہ اعلم۔

مسجد بنوظفر

انہی مقامات میں سے قبیلہ اوس کے بنوظفر کی مسجد تھی جسے آج کل ''مسجد بغلہ'' کہا جاتا ہے' یہ حرۂ شرقیہ میں تھی جو بقیع کی مشرقی جانب تھا' اس کی طرف راستہ اس قبہ کے قریب سے جاتا تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام سے مشہور تھا' یہ بقیع سے کچھ دور تھا اور جعفر بن محمود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''مسجد بنو معاویہ'' میں نماز پڑھی تھی نیز مسجد بنوظفر میں بھی پڑھی تھی۔

ابن شبہ کے مطابق حارث بن سعید لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو حارثہ یعنی مسجد بنوظفر میں بھی نماز پڑھی تھی۔

حضرت یونس بن محمد ظفری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس پتھر پر بیٹھے تھے جو بنوظفر کی مسجد میں تھا' اس کے بارے میں زیاد بن عبد اللہ نے اکھاڑنے کا حکم دیا تو بنوظفر کے بڑے بوڑھے آ گئے' انہوں نے اسے بتایا کہ رسول اکرم ﷺ اس پر بیٹھے تھے تو اس نے اسے وہیں رہنے دیا۔

یحییٰ کہتے ہیں کہ ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ کوئی عورت اس پر بیٹھ جائے تو حاملہ نہ ہو جائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مسجد بنوظفر' مسجد بنو عبد الاشہل کے قریب ہی تھی۔ کہتے ہیں' میں نے مدینہ میں لوگوں کو دیکھا کہ رات کے وقت وہ اپنی بیویوں کو وہاں لے کر جاتے اور وہ اس پتھر پر بیٹھا کرتیں۔

میں کہتا ہوں کہ میں عرصہ تک اس راز کا پتہ چلاتا رہا' آخر کار طبرانی کی محمد بن فضالہ ظفری سے روایت کردہ حدیث سے یہ بات میرے سامنے کھل گئی' یہ صحابی رسول تھے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس مسجد بنوظفر میں پہنچے تو آج کل مسجد میں رکھے اس پتھر پر بیٹھے' آپ کے ہمراہ حضرت عبد اللہ بن مسعود' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر صحابہ بھی موجود تھے۔ حضور ﷺ نے ایک قاری کو حکم فرمایا انہوں نے یہاں تک تلاوت کی تھی:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (سورۂ نساء' ۴۱)

''تو کیسی ہوگی جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب! تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔''

اس پر حضور ﷺ اتنا روئے کہ ڈاڑھی مبارک بھیگ گئی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے پروردگار! میں ان کی گواہی تو دے سکوں گا جن کے اندر رہ کر میں نے زندگی گذاری ہے لیکن ان کی گواہی کیسے دونگا جنہیں میں نے دیکھا

ہی نہیں؟

میں کہتا ہوں کہ بے اولاد عورت کو لوگ آج تک اس پتھر پر بٹھاتے چلے آئے ہیں اور صرف اسی وجہ سے اس مسجد کی طرف لے جاتے رہے ہیں تاہم میں نے وہاں ایسا کوئی پتھر نہیں دیکھا جس پر بیٹھنے کی گنجائش ہو البتہ مسجد کے دروازے کے کواڑ کی نچلی طرف' اندر داخل ہونے والے کی بائیں طرف اندر ایک پتھر ضرور موجود ہے' شاید یہی مراد ہو' لوگ مسجد کے کسی بھی پتھر کو جو غربی جانب ہیں' لیٹے اور ان پر بیٹھتے ہیں لیکن یہ بعید از قیاس ہے کیونکہ پہلی روایت سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ وہ مسجد میں موجود تھا۔

علامہ مطری فرماتے ہیں کہ اس مسجد کے قریب قبلہ کی طرف سے ۷ میں نشان ہیں' کہا جاتا ہے کہ یہ حضور ﷺ کے گھوڑے کے سُموں کے ہیں اور پھر اس کی غربی جانب بھی پتھر پر کُھر کا نشان ہے جسے کہنی کا ہوتا ہے' کہتے ہیں کہ آپ نے اس پر سہارا لیا تھا اور اپنی کہنی مبارک اس پر رکھی تھی' پھر ایک اور پتھر پر انگلیوں کے نشان ہیں کہ دور سے آنے والے اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں۔ مجھے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا البتہ ابن نجار نے ایک خراب حالت والی مسجد کو دیکھ کر یوں لکھا: بقیع کے نزدیک دو مسجدیں ہیں اور پھر عنقریب آرہی مسجد الاجابہ کے بارے میں لکھتے ہوئے کہا: ایک اور مسجد ہے جسے مسجد البغلہ کہتے ہیں' اس میں ایک ہی ستون ہے اور وہ بھی خراب ہے' مسجد کے اردگرد بہت سے پتھر ہیں جن پر نشان ہیں' لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کے خچر کے کھروں کے نشان ہیں۔ انتہی۔

ابن نجار کے بعد گرے حصے کو تعمیر کر دیا گیا البتہ چھت نہ ڈالی گئی چنانچہ اس میں کوئی ستون موجود نہیں' میں نے اس میں مرمر کا پتھر دیکھا جو محراب کی دائیں طرف اس پر یہ تحریر تھی:

خَلَّدَ اللّٰهُ مُلْكَ الْإِمَامِ اَبِیْ جَعْفَرِ الْمَنْصُوْرِ الْمُسْتَنْصِرِ بِاللّٰهِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ، عُمِّرَ سَنَةَ ثَلَاثِیْنَ وَ سِتِّمِائَةٍ۝

"اللہ تعالیٰ ابو جعفر منصور مستنصر باللہ امیر المؤمنین کی سلطنت کو دوام بخشے' انہوں نے اسے ۶۳۰ھ میں تعمیر کیا تھا۔"

پھر میں نے اس کی پیمائش کی تو وہ مربع شکل کی تھی چنانچہ قبلہ سے شامی جانب طول گیارہ ہاتھ اور مشرق سے مغرب تک بھی اتنا ہی تھا۔ واللہ اعلم۔

مسجد الاجابہ

یہ مسجد بنو معاویہ بن مالک بن عوف کی تھی جن کا تعلق قبیلۂ اوس سے تھا' ہم نے گھروں کے بیان میں اس بارے میں لکھا تھا کہ علامہ مطری اور ان کے پیروکاروں کو وہم ہوا اور انہوں نے اسے بنو مالک بن نجار کی مسجد بنا دیا جن

کا تعلق خزرج سے تھا' پھر ان کے وہم کا سبب بھی بتا دیا تھا اور مطری کے مسجد بنو جدیلہ کے ذکر میں ان کی غلطی کی نشاندہی بھی کر دی تھی' یہ وہ مسجد ہے جس کا بیان اس سے اگلی فصل میں آ رہا ہے۔

صحیح مسلم کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن مدینہ کے بالائی حصے سے تشریف لائے اور جب مسجد بنو معاویہ کے قریب سے گذرے تو اس میں داخل ہو کر دو رکعت نفل پڑھے' ہم نے بھی آپ کے ہمراہ پڑھے' آپ نے بارگاہِ الٰہی میں طویل دُعا کی اور پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے' فرمایا: میں نے اپنے پروردگار سے تین دعائیں کی تھیں جن میں دو قبول کر لی گئیں اور ایک روک لی گئی' میں نے یہ دُعا کی تھی کہ میری اُمت کو قحط سے ہلاک نہ فرمائے تو یہ قبول فرما لی گئی' پھر یہ دُعا کی کہ اسے غرق نہ کیا جائے' یہ بھی منظور کر لی گئی اور پھر یہ دُعا کی کہ ان میں باہم جھگڑا نہ ہو تو یہ روک لی گئی چنانچہ یہ وہ وجہ ہے جس کی بناء پر اسے مسجد الاجابہ کہا گیا۔

ابن شبہ کے مطابق مؤطا میں حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن جابر بن عتیک کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: ہمارے پاس عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بنو معاویہ میں آئے' یہ انصار کی بستی کے قریب تھے' پوچھا: جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری اس مسجد میں کہاں نفل پڑھے تھے؟ میں نے کہا' ہاں! اور انہیں مسجد کی ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔ پھر پوچھا جانتے ہو کہ آپ نے تین دُعائیں کونسی کی تھیں؟ میں نے کہا' ہاں جانتا ہوں' انہوں نے کہا' مجھے بتاؤ تو سہی! میں نے کہا: یہ دُعا فرمائی تھی کہ ان پر کوئی غیر غالب نہ ہو سکے اور انہیں قحط سے ہلاک نہ کیا جائے چنانچہ دونوں قبول کر لی گئیں' پھر تیسری دُعا یہ کی کہ آپس میں ان کی دشمنی نہ ہو تو اس سے روک دئے گئے۔ انہوں نے کہا: سچ کہتے ہو چنانچہ قیامت تک فتنہ و فساد جاری رہے گا۔

حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے' آپ مسجد بنو معاویہ کے قریب گئے تو جا کر اس میں دو نفل پڑھے پھر کھڑے ہو کر اللہ سے دُعائیں کر کے واپس تشریف لے آئے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت محمد بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ مجھے پتہ چلا' حضور ﷺ نے مسجد بنو معاویہ میں محراب کی دائیں جانب تقریباً دو ہاتھ کے فاصلے پر نفل پڑھے۔

میں کہتا ہوں' انسان کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس مقام پر نفل پڑھے اور پھر کھڑے ہو کر دعا کرے کیونکہ گذشتہ روایت میں یونہی آیا ہے اور یہی وہ مسجد ہے جو ابن نجار کے اس قول سے مراد ہے جو انہوں نے ان دو مسجدوں کے بارے میں کہا جنہیں دیکھا تھا کہ ان کی حالت خراب ہے اور وہ بقیع کے قریب تھیں' ایک کو مسجد الاجابہ کہتے ہیں جس میں ستون کھڑے ہیں اور خوبصورت محراب بھی ہے لیکن باقی حصہ خراب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل وہاں کوئی ستون موجود نہیں' ان کے خراب حصے بوسیدہ ہو چکے ہیں' یہ عریض کی طرف جانے والے کی بائیں طرف آتی ہے اور بقیع کے شمال میں ہے' یہ ٹیلوں کے درمیان واقع ہے جو بنو معاویہ کی بستی کے آثار ہیں' میں نے مسجد کی پیمائش کی تو مشرق سے مغرب کی طرف پچیس ہاتھ سے قدرے کم تھی جبکہ قبلہ سے شامی جانب

بیس ہاتھ سے کچھ کم تھی۔

مسجد الفتح

ان میں سے ایک مسجد الفتح ہے اور اس کے نزدیک دوسری مسجدیں قبلہ کی طرف ہیں جن سب کو مساجد فتح کہا جاتا ہے' یہ پہلی مسجد جبلِ سلع کے ایک مغربی حصے پر واقع ہے جس کے مغرب میں وادئ بطحان ہے' اسی کا نام مسجد فتح ہے' جب بھی یہ لفظ بولا جائے تو یہی مراد ہوتی ہے' اسے مسجد الاحزاب بھی کہتے ہیں اور المسجد الاعلیٰ بھی چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس مسجد میں تین دن تک' پیر' منگل اور بدھ تک دُعائیں فرمائیں تو بدھ کے دن دو نمازوں کے درمیان دُعا قبول ہو گئی جس سے آپ کے چہرۂ انور پر خوشی کے آثار دکھائی دئے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آتی تو اسی وقت وہاں جاتا' دُعا کرتا تو قبول ہو جایا کرتی۔

حضرت جابر ہی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مسجد احزاب کی طرف تشریف لائے' چادر بچھائی اور اس پر کھڑے ہوئے اور ہاتھ اُٹھا کر احزاب کے خلاف دُعا فرمائی لیکن نفل نہیں پڑھے' پھر تشریف لائے ان کے خلاف دُعا فرمائی اور نفل بھی پڑھے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مسجد فتح کی جگہ بیٹھ گئے' حمد الٰہی کی اور احزاب کے خلاف دُعا فرمائی پھر وہیں بیٹھے اپنے صحابہ کو دکھائی دئے۔

مہدیین کے غلام سعید کہتے ہیں کہ حضور ﷺ "جرف" سے تشریف لائے تو نمازِ عصر کا وقت ہو گیا چنانچہ مسجد اعلیٰ میں نماز پڑھی۔

حضرت جابرؓ بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد الفتح کے قریب تشریف لائے جو پہاڑ پر تھی' اسی دوران نمازِ عصر کا وقت ہو گیا' آپ اُوپر چڑھے اور نماز پڑھی۔

ابن زبالہ کے مطابق نبی کریم ﷺ نے یوم الاحزاب کو مسجد فتح میں ان کے خلاف دُعا فرمائی' ظہر کا وقت گذرا' عصر اور مغرب کا وقت بھی گذر گیا لیکن آپ نے کوئی نماز نہیں پڑھی اور پھر مغرب کے وقت سب پڑھ لیں۔

میں کہتا ہوں' اس میں اس قدر مصروفیت کا بیان ہے جس کی بناء پر آپ نے نماز کو مؤخر فرمایا کیونکہ مشہور اسی نماز کی یا صرف نمازِ عصر کی تاخیر ہے جیسے کہ بخاری میں ہے' وہاں تاخیر کا سبب بیان نہیں کیا گیا اور یہ واقعہ نمازِ خوف کے شروع ہونے سے قبل کا ہے اور پھر حضرت جعفر کے والد محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مسجد فتح میں داخل ہوئے' ایک قدم آگے رکھا' پھر دوسرا رکھا پھر کھڑے ہو گئے اور بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اُٹھا دئے' اس دوران آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آ رہی تھی' بغلیں خاکستری سے رنگ کی تھیں' دُعا فرمائی تو چادر پیٹھ مبارک کی طرف گر گئی' آپ نے اُٹھائی نہیں' کثرت سے دُعا کرتے چلے گئے پھر خود واپس تشریف لے آئے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضورﷺ نے مسجد فتح کے پیچھے سے مغرب کی طرف متوجہ ہو کر دُعاء فرمائی تھی۔ ابن شبہ نے انہی سے روایت کی جس میں الفاظ یہ ہیں کہ نبی کریمﷺ نے اس پہاڑ پر چڑھ کر دُعا فرمائی جہاں مسجد فتح تھی' یہ مسجد اس کے مغرب میں تھی پھر مسجد کی پچھلی طرف صحن میں نماز پڑھی۔

حضرت ابوغسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کئی بااعتماد لوگوں سے سنا' انہوں نے بتایا کہ پہاڑ کی وہ جگہ جہاں حضورﷺ نے دُعا فرمائی تھی' آج کل وہ درمیانی ستون کی طرف ہے جو مسجد کے صحن کی طرف دکھائی دیتی ہے۔

میں کہتا ہوں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز اور دُعا کے لئے مسجد کا درمیانی حصہ' جو صحن میں چھت کی جانب ہے' پیش نظر رکھنا چاہئے جبکہ پہلی روایت میں یہ تھا کہ مغربی جہت کے قریب ہو اور جب تم اسے پہلی روایت سے ملاؤ کہ "حضورﷺ ایک قدم چلے' پھر دوسرا قدم اُٹھایا اور کھڑے ہو کر ہاتھ اُٹھا دئے۔" تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کا راستہ شمالی درجے کی طرف سے تھا۔

حضرت یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق رسول اللہﷺ خندق کے موقع پر احزاب کے خلاف دُعا کرتے وقت مسجد فتح کے درمیانی ستون کی جگہ ٹھہرے تھے چنانچہ یحییٰ لکھتے ہیں کہ میں حسین بن عبداللہ کے ہمراہ مسجد فتح میں داخل ہوا اور جب درمیانی ستون تک پہنچ تو کہا' یہ وہ جگہ ہے جہاں حضورﷺ نے نماز پڑھی تھی اور جہاں احزاب کے خلاف دُعا فرمائی تھی۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب بھی مسجد فتح میں آتے' وہاں نفل پڑھتے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے اونچی مسجد میں دُعا فرمائی اور ہاتھ خوب اُوپر اُٹھائے۔

حضرت سالم بن نصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' نبی کریمﷺ نے یوم خندق پر دُعا فرمائی تھی کہ: اے کتاب اتارنے والے اور بادلوں کو لانے والے پروردگار! انہیں (احزاب والوں کو) شکست دے اور ہمیں ان پر کامیابی عطا فرما۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت عمر بن حکم بن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں' مجھے اس شخص نے بتایا جس نے مسجد فتح میں حضورﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تھی کہ پھر آپ نے دُعا فرمائی: "الٰہی! سب تعریفیں تجھی کے لئے ہیں' تو نے ضلالت (عشق میں حد کو پہنچے ہوئے) سے راہ دکھائی' جسے تو ذلیل فرما دے' اسے عزت دینے والا کوئی نہیں' اور جسے تو عزت دیدے' اسے ذلیل کوئی نہیں کر سکتا' جسے تو ذلیل کر دے' اسے کون عزت دے اور جسے تو عزت دے' اسے کون ذلیل کرے' جسے تو ذلیل کرنا چاہے' اس کی مدد کوئی نہیں کر سکتا (کہ اسے اس سے بچا لے) اور جس کو تو کچھ نہ دینا چاہے' اسے کون دے سکتا ہے اور جسے تو دینا چاہے' اسے کون روک سکتا ہے' جسے تو محروم رکھے' اسے کون روزی دے اور جسے تو روزی دینا چاہے' اسے محروم کون کرے' جسے تو نیچا کرے' اسے کون سر بلند کر سکتا ہے اور جسے تو سر بلند کرے' اسے کون

جھکائے، جس کی پردہ پوشی تو کرے، اس کی پردہ دری کون کرسکتا ہے اور جس کی تو پردہ دری کرے، اس کی پردہ پوشی کون کر سکتا ہے، جسے تو دور ہٹا دے، اسے کون قریب لائے اور جسے تو قریب کر لے، اسے کون دور کرلے؟"

علامہ قرطبی نے ایک اور دُعاء کا ذکر کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے وہ دُعا اس رات فرمائی تھی جب اللہ تعالیٰ نے احزاب پر تیز ہوا بھیجی تھی اور اسے تسلیم کرنے میں تو کوئی روکاوٹ ہی نہیں کہ اسی رات آپ نے وہاں یہ دُعا بھی فرمائی ہو، الفاظ یہ ہیں: "جب مسلمانوں پر سخت وقت آ گیا اور خندق میں قیام کو کافی دن گذر گئے تو آپ ایک رات وہاں اس ٹیلے پر چڑھ گئے جہاں مسجد فتح موجود تھی، آپ اللہ کی مدد پر اُمید لگائے ہوئے تھے، فرمایا: کون ہے جو مجھے احزاب کی خبر لا سنائے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہتھیار لگائے چل پڑے تو نبی کریم ﷺ نے ہاتھ اُٹھا کر یہ دُعا فرمائی: اے مصیبت کے ماروں کی چیخ و پکار سننے والے! اے مجبوروں کی دُعا قبول فرمانے والے! اے میرا غم واندوہ اور پریشانی دور فرمانے والے! تو میرے اور میرے صحابہ کا حال خوب دیکھ رہا ہے۔

اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا سن لی ہے، وہ دشمن کی ہولناکی میں آپ کی مدد فرمائے گا۔ یہ سن کر آپ گھٹنوں کے بل گر گئے، ہاتھ اُٹھائے اور نظریں نیچے کیے دُعا کی: تو نے مجھ پر اور میرے صحابہ پر رحمت فرمائی ہے تو میں اس پر تیرا شکر ادا کرتا ہوں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اطلاع دے دی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان پر سخت آندھی بھیجنے والا ہے چنانچہ آپ نے اپنے صحابہ کو اس بات کی اطلاع دے رکھی تھی۔

میں کہتا ہوں، ضرورت ہے کہ یہ پوری دُعا وہاں کی جائی چنانچہ یوں کہے: اے فریاد کرنے والوں اور غمزدوں کی فریاد سننے والے! اے مدد مانگنے والوں کی مدد فرمانے والے! اے پریشان حالوں کی مصیبت دور کرنے والے! اے مجبوروں کی دُعا قبول فرمانے والے! ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ، ان کی آل اور صحابہ پر رحمتیں نازل فرما اور انہیں سلامت رکھ، میری بے چینی دور فرما دے، میرا غم، پریشانی اور اندوہ دور فرما دے جیسے تو نے یہاں اپنے محبوب اور رسول اللہ ﷺ کا غم واندوہ اور پریشانی و بے چینی دور فرما دی تھی، یہاں میں تیری بارگاہ میں ان کی طرف سے شفاعت پیش کرتا ہوں، اے بہت احسان فرمانے والے اور اے جود و کرم فرمانے والے!

اس سے قبل صحیح بخاری میں درج ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث والی دُعا شامل کرنی چاہیے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کسی مصیبت آنے پر یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبُّ الْاَرَضِيْنَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ○ اور یونہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ والی وہ دُعا بھی شامل کرلے جو انہوں نے مشکل وقت میں رشید خلیفہ کے پاس جاتے وقت پڑھی تھی چنانچہ ابو نعیم نے امام شافعی کے حوالے سے بتایا کہ یہ دُعا حضور ﷺ نے یومِ احزاب پر کی تھی، یہ ایک لمبی دُعا تھی، الفاظ میں اختلاف ہے، میں نے سب کو جمع کر دیا ہے، وہ یوں تھی: اللہ جانتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی بھی لائقِ عبادت نہیں، فرشتے اور اہلِ علم انصاف پر چل رہے ہیں، اس کے بغیر کوئی لائقِ عبادت نہیں، وہ دانا اور غالب ہے، پھر یوں لکھا: میں بھی اس کی گواہی دیتا

ہوں جس کی اللہ نے گواہی دے ہے اور میں اپنی یہ گواہی اللہ کے پاس امانت رکھ رہا ہوں' یہ اس کے پاس محفوظ رہے گی جس کا اجر وہ مجھے قیامت کے دن عطا فرمائے گا' الٰہی! میں تیری پاکیزگی کے نور کی پناہ لینا چاہتا ہوں نیز تیری سب سے بڑھ کر پاکیزگی اور تیری بہت بڑی بزرگی کی پناہ لیتا ہوں ہر آفت' مصیبت سے خواہ وہ رات کو آنے والی ہو یا دن کو' جنوں کی طرف سے ہو یا انسانوں کی طرف سے' ہاں بھلائی کی مصیبت ہو تو اور بات ہے' الٰہی تو میری فریاد سن سکتا ہے تو میں تجھی سے فریاد کروں گا' تو میرے لئے پناہ ہے تو میں تیری ہی پناہ لوں گا' تو میری عرض سن سکتا ہے تو میں تجھی سے درخواست کروں گا' اے وہ ذات کہ جس کے سامنے بڑے بڑے جابروں کی گردنیں جھک جایا کرتی ہیں اور بڑے بڑے فرعونوں کے سر نیچے ہو جاتے ہیں' میں تیرے چہرۂ انور کے جمال اور تیری عظمت کے کرم کی پناہ لیتا ہوں' اس بات سے کہ تو مجھے رسوا کر دے اور میرا پردہ فاش کر دے' اپنا ذکر بھلا دے اور شکر کرنے سے روک دے' میں تو رات دن تیری حفاظت اور ذمہ داری میں جی رہا ہوں' نیند اور قرار میں' گھر بیٹھے اور سفر میں' زندگی اور موت میں' تیرا ذکر کرتے رہنا میری عادت ہے' تیری تعریف کرتے رہنا میرا اوڑھنا بچھونا ہے' تیرے بغیر کوئی بھی لائق عبادت نہیں' تو ہر برائی سے پاک اور لائقِ تعریف ہے' تیرا نام اور عظمت میرے لئے بہت پاکیزہ ہے اور اس میں تیرے چہرۂ انور کی عزت ہے' مجھے اپنے رسوا کرنے سے بچائے رکھ' اپنے بندوں کے شر سے محفوظ فرما' مجھ پر اپنی حفاظت کے پردے ڈال دے' اپنے بدترین عذاب سے مجھے بچا لے' مجھ پر جود و کرم فرما اور بار بار مجھ پر بھلائی فرما' اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے' اللہ عظیم' بلند اور کرم فرمانے والے کے سامنے کسی کے منہ پھیرنے کی طاقت و ہمت نہیں' درود ان پر جو چنے ہوئے نبی محمد ﷺ ہیں' پھر آپ کی آل اور صحابہ پر اور سلامتی۔

میں کہتا ہوں' ان واقعات میں سے مشہور واقعہ جو دُعا کرتے وقت بدھ کے دن قبولیت کے سلسلے میں اس مسجد میں پیش آیا اور سلف صالحین اور عورتوں تک اس مسجد میں آتے رہے' ایک وہ ہے جسے ادیب شہاب الدین ابو الثناء محمود نے اپنی کتاب ''منازل الاحباب'' میں ذکر کیا ہے' کہتے ہیں کہ عقبہ بن حباب بن منذر بن جموح رحمہ اللہ اس مسجد میں بدھ کو جاتے رہتے تھے' وہاں عورتیں بھی ہوتی تھیں چنانچہ انہوں نے ایک عورت سے شادی کا واقعہ ذکر کیا۔

علامہ مجد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس مسجد اعلیٰ کا نام مسجد الفتح رکھنے میں کئی احتمال ہیں' یا تو اس لئے یہ نام رکھا گیا کہ یہاں حضور ﷺ کی احزاب کے خلاف دُعا قبول ہوئی تھی تو یہ اسلام کی فتح تھی یا اللہ تعالیٰ نے سورۂ الفتح یہاں نازل فرمائی تھی۔ انتہٰی۔

میں کہتا ہوں کہ ابن جبیر نے دوسرے احتمال کا فیصلہ اپنے سفرنامے میں ذکر کیا ہے لیکن حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ یومِ خندق پر کپڑا لپیٹ کر لیٹ گئے تھے' یہ اس وقت کیا جب آپ کے صحابہ بنو قریظہ کے بارے میں خبر لے کر آئے تھے پھر سر انور اُٹھایا اور فرمایا: خوشیاں مناؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح اور امداد کی بشارت آ گئی ہے۔ تو شاید یہ واقعہ اس مسجد میں ہوا تھا لہٰذا فتح کی بشارت کی بناء پر اسے مسجد الفتح کہہ دیا گیا نیز علامہ قرطبی کی ایک روایت

سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت حذیفہ کو احزاب کی خبر لانے کو فرمایا تو یہ واقعہ اسی مسجد میں ہوا۔

پھر ابن عقبہ کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ جب واپس آئے تو حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے' وہ آپ کی طرف گئے اور اطلاع دی چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح سے نوازا اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔

ابن شبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پہاڑ پر چڑھ کر دُعا فرمائی جس پر مسجد الفتح بنائی گئی تھی اور اس چھوٹی مسجد میں جو پہاڑ کے دامن میں تھی' نماز پڑھی' یہ اس راستے پر تھی جہاں سے پہاڑ کو چڑھتے تھے۔

حضرت معاذ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد الفتح میں نماز پڑھی جو پہاڑ پر تھی اور ان میں بھی پڑھی جو اردگرد تھیں۔

مسجد الفتح کی قریبی مسجدیں

ظاہر یہ ہے کہ وہاں مسجدیں کم از کم تین تھیں کیونکہ تین کا عدد جمع کا کم سے کم عدد ہے اور ابن نجار نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: مسجد فتح پہاڑ کے سرے پر ہے جس پر ایک راستہ سے جاتے ہیں' اس کی از سر نو تعمیر ہوئی یعنی ابن ابی الھیجاء نے اسے تعمیر کیا تھا کیوں کہ اس نے اسے دیکھا تھا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ اس کی دائیں طرف کھجوروں کے بہت سے درخت ہیں' اس جگہ کو "سیحی" کہا جاتا ہے' اس کے گرد مسجدیں ہیں اور وہ تین ہیں' پہلی کا قبلہ خراب ہو چکا ہے' وہ گر چکا اور لوگ اس کی اینٹیں اُٹھا کر لے گئے ہیں جبکہ دو دوسری پتھروں اور چونے سے بھری ہیں اور وہ کھجوروں کے پاس وادی میں ہیں۔انتہٰی۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ وہ دو مسجدیں جو مسجد الفتح کے نیچے قبلہ کی طرف ہیں' ان میں سے ایک مسجد سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے جانی جاتی ہے' یہ مسجد فتح کے قریب ہی ہے اور دوسری کو مسجد امیر المؤمنین علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام دیا جاتا ہے' یہ مسجد سلمان فارسی کے قبلہ کی طرف ہے۔پھر انہوں نے گذشتہ اس تیسری مسجد کا ذکر کیا ہے جس کا ذکر ابن نجار کر چکے اور بتایا کہ اس کا نام و نشان نہیں رہا۔

میں کہتا ہوں کہ مسجد امیر المؤمنین کے مشرق کی طرف مائل ہو کر اس جبل سلع کے ساتھ ہی' مساجد کے قبلہ میں' ایک بڑا پتھر ہے جہاں ہم نے لوگوں کو نماز کے ذریعے برکت حاصل کرتے دیکھا ہے' میں نے اس میں غور و فکر کیا تو اس کی ایک جانب مشرق کی طرف اس مقام کا ایک پتھر دیکھا جس سے ستون بنائے جاتے تھے اسے چونے کے ذریعے زمین میں گاڑا گیا تھا جس سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ ستون کا نشان ہے اور یہ ہی مسجد ہے جس کی طرف ابنِ نجار نے اشارہ کیا ہے۔

پھر وہ جو مطری نے مسجد سلمان اور مسجد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں ذکر کیا ہے وہ عام لوگوں کی زبان

پر جاری ہے اور ان کے خیال میں تیسری مسجد' جس کا مطری نے ذکر کیا ہے کہ اس کا کوئی نشان باقی نہیں' وہ مسجد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جبکہ عام لوگوں میں سے کچھ مسجد سلمان ہی کو مسجد ابوبکر کہتے ہیں اور میں ان تمام کے بارے میں کچھ نہیں جان سکا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ مسجد فتح کی طرف شمالی اور مشرقی جانب سے راستے جاتے ہیں' اس میں تین ستون تھے جو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنائے تھے اور یہی وجہ ہے کہ حدیث میں کہا گیا ہے: ''درمیانے ستون کی جگہ۔''

میں کہتا ہوں' مراد یہ ہے کہ مشرق و مغرب میں تین ستون تھے جن پر ایک ہی سائبان تھا جیسے آج کل ہے' مطری کہتے ہیں کہ عرصہ گذرنے کی وجہ سے یہ گر گیا تھا جسے امیر سیف الدین حسین بن ابو الھیجاء (عبیدیین شاہانِ مصر میں سے ایک) نے ۵۷۵ھ میں از سرِ نو بنایا تھا اور یونہی وہ دونوں مسجدیں بھی بنائیں جو نچلی طرف قبلہ کی طرف تھیں' انہیں ۵۷۷ھ میں بنایا۔

میں کہتا ہوں کہ مسجد فتح کے قبلہ کی طرف اونچائی پر اس کا نام آج بھی لکھا دکھائی دیتا ہے اور ساتھ والی مسجد کے اوپر بھی لکھا ہوا ہے اور اس میں مذکور تاریخ ہی میں اس کی تعمیر کی تاریخ بھی لکھی ہے' رہی دوسری مسجد' جو قبلہ کی طرف امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے منسوب ہے' تو اس کی عمارت گر چکی ہے جسے امیر زین الدین ضغیم بن حشرم المنصوری امیر مدینہ نے ۸۷۶ھ میں از سر نو تعمیر کیا' اس کی چھت محراب والی تھی' اس پر تختی تھی جس پر دو دوسری مسجدوں کی طرح ابن ابو الھیجاء کا نام لکھا ہوا تھا' اس نے ایک ہی ستون پر لکڑی کی چھت ڈلوا دی تھی اور ہر مسجد کی چھت' اور وہ جس کے قبلہ میں ایک سائبان تھا اسے مضبوطی سے جوڑا گیا تھا پھر دونوں مسجدوں میں تین تین برآمدے تھے جو مشرق سے مغرب تک جاتے تھے اور ظاہر یہ ہے کہ اس سائبان کے نیچے صحن کی قدیم حالت تبدیل نہیں ہوئی تھی پھر مسجد اعلیٰ کی طرف سے قبلہ سے شامی جانب پیمائش کچھ کم بیس ہاتھ تھی جبکہ مشرق سے مغرب کی قبلہ والی جانب میں سترہ ہاتھ تھی اور یونہی نچلی مسجد جسے حضرت سلمان کے نام سے منسوب کیا گیا' اس کی قبلہ سے شام کی طرف پیمائش تقریباً چودہ ہاتھ اور مشرق سے مغرب کو قبلہ کی جانب سترہ ہاتھ تھی پھر مسجد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیمائش قبلہ سے شام کی طرف تقریباً تیرہ ہاتھ اور مشرق سے مغرب کی طرف قبلہ کی جانب تقریباً سولہ ہاتھ تھی۔

بڑی مسجد بنی حرام

جو شخص مساجد فتح کی زیارت کے لئے جائے' اس کے لئے لازم ہے کہ بڑی مسجد بنی حرام کی زیارت بھی کرے' یہ ان کے علاوہ چھوٹی مسجد ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے اور یہ وہ مسجد ہے جسے انہوں نے سلع کی گھاٹی میں اپنے رہنے کے لئے اس وقت بنایا تھا جب یہ وہاں گئے تھے جیسے ہم مدینہ کے گھروں کے ذکر میں بیان کر آئے ہیں کیونکہ اس سے

پتہ چلتا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے حکم سے وہاں گئے تھے۔

علامہ رزین کی روایت میں ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ انصار کے گھروں کی طرف تشریف لاتے تو ان کی مسجدوں میں نماز پڑھتے اور وہیں ہم نے ذکر کر دیا تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس میں اضافہ کیا تھا جسے وہ پہلے بنا چکے تھے' اس کے اوپر پتھر کی اینٹوں کا ردہ لگا ہوا تھا' اس کی چھت کو درست کیا' پہلے وہ لکڑی اور کھجور کی ٹہنیوں سے بنی تھی اور پھر مسجد رسول اللہ ﷺ کا تیل رکھا تو اس سے پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ نے یہاں نماز پڑھی تھی لیکن یہ بھی پہلے بیان ہو چکا کہ بنی حرام اس گھاٹی کی طرف حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں گئے تھے۔

ابن شبہ نے ان مساجد کے ذکر میں جن کے بارے میں کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان میں نماز پڑھی تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نہیں پڑھی تھی' بتایا: حضرت حرام بن عثمان نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے بنو حرام کی بڑی مسجد میں نماز نہیں پڑھی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے وہ اختلاف ذکر کیا جو ابن حرام کے اس جگہ منتقل ہونے کے وقت کے بارے میں تھا چنانچہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں حضور ﷺ کے نماز پڑھنے میں اختلاف ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسے انہوں نے الگ طور پر ذکر نہیں کیا' مجھے اس کے مقام کا پتہ چلا کہ وہ بنو حرام کی بستی میں' جبلِ سلع کی غربی جانب گھاٹی کے اندر قبلہ کی طرف سے مساجد فتح کی طرف جانے والوں کی دائیں طرف تھی اور یونہی مدینہ کی طرف جانے والوں کی بائیں جانب تھی اور جب تم اس وادی کے درمیان سے' جس میں مساجد فتح موجود ہیں' مدینہ کی طرف جانے کا ارادہ لے کر نکلو تو اس وادی سے گذر کر سلع کے دامن میں وسیع میدان دیکھو گے جس میں بستی کے آثار دکھائی دیں گے' یہی بنو حرام کی بستی تھی اور یہی ان کی گھاٹی تھی۔ اب مسجد پوری طرح گر چکی ہے' اس کی بنیاد اور ستونوں کے نشان باقی ہیں جو ٹوٹے پتھروں سے بنے ہوئے ہیں' اسی میں سکّہ' لوہے کے عمود اور زمین میں ریت کے آثار موجود ہیں' ممکن ہے اللہ تعالیٰ کسی کو اس طرف بھیج دے جو اسے از سرِ نو بنا دے۔

کہف بنو حرام

اسی مسجد کی طرف جانے والے کو چاہیے کہ کہف بنو حرام کی زیارت بھی کرے' یہ غار ان کی اس گھاٹی کے قریب ہی تھی کیونکہ آگے حضور ﷺ کے چشموں کے ذکر میں آ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس چشمے سے وضو کیا تھا جو بنو حرام کی غار کے قریب تھا۔ ایک بزرگوار نے بتایا کہ حضور ﷺ اس غار میں داخل بھی ہوئے تھے' ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نکلتے تو اندھیری رات کے خوف سے اس غارِ بنو حرام میں داخل ہو جاتے اور رات وہیں گذارتے' صبح ہوتی تو آپ نیچے آ کر چشمہ کریدتے رہتے جو اس غار کے قریب تھا پھر ابن شبہ نے بھی ایک روایت درج کی ہے کہ آپ سلع کی غار میں بیٹھے یعنی بنو حرام کی غار میں۔

پھر طبرانی نے اوسط اور صغیر میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت لی کہ حضرت معاذ بن جبل رضی

اللہ تعالیٰ عنہ باہر گئے' رسولِ اکرم ﷺ کو تلاش کیا لیکن ڈھونڈ نہ سکے' بنو حرام کے گھروں میں دیکھا تو وہاں بھی نہ تھے' ایک ایک راستہ میں تلاش کیا اور آخر انہیں بتایا گیا کہ جبلِ ثواب میں ہوں گے چنانچہ ادھر چل پڑے اور پہاڑ پر چڑھ گئے' دائیں بائیں دیکھا' اسی اثنا میں اس غار کی طرف نظر پڑی جس کی طرف مسجد فتح کو جانے کے لئے لوگوں نے راستہ بنایا ہوا تھا۔ حضرت معاذ بتاتے ہیں کہ یکا یک دیکھا تو آپ سجدے میں پڑے تھے' میں پہاڑ کی چوٹی سے نیچے آیا تو ابھی آپ سجدہ میں تھے' سرِ انور نہیں اُٹھایا تھا جس سے مجھے بدگمانی ہوئی کہ شاید آپ کی روح قبض کر لی گئی۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس یہاں جبریل آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے: بتاؤ تمہاری اُمت سے کیا معاملہ کروں؟ میں نے کہا' اللہ بہتر جانتا ہے۔ وہ چلے گئے اور دوبارہ پھر آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت کے بارے میں آپ کو مایوس نہیں کرے گا تو میں سجدے میں گر گیا۔ یہاں آپ نے سجدہ کرنا افضل سمجھا۔

میں کہتا ہوں کہ جبلِ ثواب کا ذکر میں نے کہیں نہیں سنا لیکن اس غار کے بارے میں ان کے اس قول سے کہ ''یہاں سے لوگوں نے مسجد فتح کی طرف جانے کا راستہ بنا رکھا ہے'' یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ سلع پہاڑ ہے اور مراد یہ ہے کہ لوگوں نے مسجد فتح تک جانے کے لئے کہف تک راستہ بنا رکھا ہے تو یہ بنو حرام کی غار ہے اور اس پر سابقہ قرینہ موجود ہے۔ یہ غار صحاح کے مطابق پہاڑ میں کھودے ہوئے گھر کی طرح ہے اور اس غار سے واضح ہوتا ہے کہ یہ وہی جگہ ہے جو مدینہ سے مساجد فتح کی طرف جانے والے کے قبلہ والے راستے ہی میں ہے جب وہ اس وادی کے قریب جاتا ہے جو بنو حرام کی گھاٹی ہے اور آج کل ''نقیبنہ'' کے نام سے مشہور ہے اور بائیں طرف ہے اور یونہی وہ قلعہ جو ''حصنِ حمل'' کے نام سے مشہور ہے' وہ بھی اس کی بائیں جانب ہے' وہیں ایک ندی بہنے کا راستہ ہے جو سلع سے بطحان تک جاتی ہے اور جب آدمی اس ندی میں داخل ہوتا ہے اور مشرق کو جانے کے لئے کچھ سلع پر چڑھتا ہے تو یہ غار اس کی داہنی طرف آتی ہے جس کے پاس کھدائی کا نشان ہے جو پہاڑ میں دور تک جاتا ہے' یہی وہ بہنے والی ندی ہے اور جب انسان اس گذرگاہ سے گذر کر اُوپر جاتا ہے تو وہاں ایک اور غار ہے لیکن وہ بہت چھوٹی ہے۔ غالب خیال یہ ہے کہ غار سے پہلی غار ہی مراد ہے اور شاید وہ کھودی ہوئی جگہ ہی اس ''عیینہ'' سے مراد ہے' جب سلع پر بارش ہوتی ہے تو یہ ندی بہنے لگتی ہے اور وہاں ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے پھر وہاں سے چلتا رہتا ہے۔ اس تبرک سے بھی حصہ لینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

مسجد القبلتین

انہی مقامات میں سے مسجد قبلتین ہے۔ رزین کہتے ہیں کہ یہ وہی مسجد بنو حرام ہے جو ہموار زمین پر ہے۔ علامہ مطری کہتے ہیں' یہ وہی مسجد ہے جس کے قبلہ میں حضور ﷺ نے کھنگار دیکھا تو کھجور کی چھڑی سے اسے کھرچ دیا تھا پھر خوشبو منگوائی اور اس لکڑی کے سرے پر لگا کر کھنگار والی جگہ پر لگایا تھا چنانچہ یہ پہلی مسجد تھی جس میں خوشبو کا استعمال کیا گیا لیکن ایسی کوئی بات ثابت نہیں کیونکہ ابن زبالہ نے (جیسا کہ ہم گھروں کے بیان میں بتا چکے) کہا کہ بنو سواد بن غنم بن

کعب مسجد قبلتین کے پاس ٹھہرے' ان کے لئے مسجد ذو قبلتین تھی اور بنو عمی بن عدی بن غنم بن کعب مسجد الخربہ کے پاس ٹھہرے' بنو حرام بن کعب بن غنم بن کعب مسجد بنو حرام میں ٹھہرے جو چھوٹی تھی اور ہموار زمین میں تھی پھر وہاں انہوں نے قلعہ بنایا جسے ''جاعص'' کہتے تھے' یہ اس ہموار اور نرم زمین میں تھا جو جابر بن عتیک والی زمین اور اس چشمے کے درمیان تھا جسے حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنایا تھا۔ ان سب لوگوں نے اس چھوٹی مسجد سے سمجھا کہ ان کی بڑی مسجد ''مسجد القبلتین'' ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں' ان کی بڑی مسجد کے بارے میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس میں نماز نہیں پڑھی تھی اور یہ وہی ہے جو سلع کی گھاٹی میں ہے اور پھر ابن زبالہ نے یہ بھی کہا ہے کہ مسجد قبلتین بنو سواد کی تھی اور پھر ہموار زمین کہنا بھی اس کے مناسب ہے کیونکہ ہم بنو حرام کے گھروں کے بارے میں بتا چکے ہیں کہ وہ مساجد فتح کے مغرب میں تھے تو مسجد بنو حرام کی اس مسجد کے بارے میں آج تک پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کہاں ہے' ہاں اس کی جہت معلوم ہوتی ہے پھر مسجد بنو حرام اور مسجد القبلتین کا الگ الگ ہونا اور ان دونوں کا متحد نہ ہونا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جو ابن شبہ نے بذریعہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتائی کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد الخربہ' مسجد القبلتین اور مسجد بنو حرام میں نماز پڑھی تھی نیز ابن زبالہ کی روایت بھی ہے کہ: آپ نے مسجد القبلتین اور مسجد بنو حرام میں نماز پڑھی' انہوں نے مسجد الخربہ کا نام نہیں لیا جس سے وہ کھل کر سامنے آ گیا جو ہم نے کہا تھا اور پھر وہ جو مطری نے کہا کہ مسجد القبلتین وہ پہلی مسجد ہے جسے آپ نے خوشبو لگائی تھی تو یہ بات انہوں نے اس سے نکالی کہ یہ بنو حرام کی مسجد کے بارے میں کہا گیا کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔

ابن زبالہ کے مطابق بنو سلمہ کے بزرگوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے مسجد القبلتین میں نماز پڑھی تھی تو ہم چوتھے باب کی تیسری فصل میں وہ اختلاف بیان کر چکے ہیں کہ جہاں قبلہ تبدیل ہوا تھا وہ مسجد کہاں ہے؟ کیسے تبدیل ہوا اور کونسی نماز میں تبدیل ہوا تھا اور ان روایات میں سے ایک میں یہ بھی ہے کہ وہ مسجد القبلتین میں ہوا اور واقدی نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔

پھر یحییٰ کے مطابق حضرت عثمان بن محمد بن اخنس نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک عورت کو ملنے بنو سلمہ میں تشریف لے گئے۔ (اُم بشر) اس نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا۔ وہ کہتی ہیں کہ صحابہ کھانا کھا رہے تھے کہ اسی دوران انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ارواح کے بارے میں سوال کیا' پھر اُم بشر نے وہ حدیث بیان کی جس میں مومنوں اور کافروں کی ارواح کا ذکر تھا۔ حضرت عثمان کہتے ہیں کہ اسی دوران ظہر کا وقت ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے مسجد القبلتین میں اپنے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی اور جب دو رکعتیں پڑھ چکے تو حکم آ گیا کہ کعبہ کی طرف منہ کر لو چنانچہ گھوم کر آپ کعبہ کی طرف آ گئے اور سیدھا پرنالے کو رُخ کر لیا چنانچہ یہ وہی قبلہ تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا **فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا** لہٰذا اسے مسجد القبلتین کہا جانے لگا۔

انہی کی ایک اور روایت ہے کہ جب آپ دو رکعت پڑھ چکے تو آپ کو حکم ملا کہ اپنا چہرہ کعبہ کی طرف کر لیں چنانچہ آپ کعبہ کی طرف گھوم گئے، یہ مسجد القبلتین تھی، ان دنوں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں، جن میں دو تو بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے پڑھی گئیں اور دو کعبہ کی طرف۔

میں کہتا ہوں کہ یہی وہ بات ہے جس کی طرف ابن سعد نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ "کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ اُم بشر بن براء بن معرور کو ملنے بنوسلمہ میں تشریف لے گئے تو انہوں نے کھانا تیار کیا اور پھر ظہر کا وقت ہو گیا، آپ نے اپنے صحابہ کو دو رکعتیں پڑھائیں تو آپ کو حکم ہوا کہ کعبہ کی طرف منہ کر لیں اور وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے تھے لہٰذا اس کا نام "مسجد القبلتین" رکھ دیا گیا" اور پھر جو کچھ زمخشری نے نماز ظہر کے اندر اس مسجد میں قبلہ تبدیل ہونے کے بارے میں کہا تو وہ پیچھے آ چکا کہ آپ نماز ہی میں گھوم آئے، مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ۔

پھر ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد بن جابر نے کہا: قبلہ اس وقت تبدیل ہوا، جب بنوسلمہ کے کچھ لوگ ظہر کی نماز اس مسجد میں پڑھ رہے تھے جسے مسجد القبلتین کہتے ہیں چنانچہ ایک شخص آیا اور انہیں اس بات کی اطلاع دی، اس وقت وہ دو رکعتیں پڑھ چکے تھے لہٰذا سب لوگ گھوم گئے اور انہوں نے اپنے چہرے کعبہ کی طرف کر لئے، یہی وجہ تھی کہ اس مسجد کا نام مسجد القبلتین رکھ دیا گیا۔

حضرت مجد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس لحاظ سے تو مسجد قباء اس لائق بنتی ہے کہ اسے مسجد القبلتین کہا جائے کیونکہ صحیحین میں آیا ہے کہ اس قسم کا واقعہ مسجد قباء میں بھی گذرا تھا۔

یہاں قبلہ کی طرف خوشبو لگانے کے بیان میں حضرت مجد نے بڑے مبالغہ سے کام لیا ہے کیونکہ ان کا وہم ہے کہ اس مسجد سے مراد مسجد القبلتین ہی ہے اور یہ صرف وہم ہی ہے جیسے ہم پہلے بتا چکے اور یہ مسجد مساجد فتح سے مغربی جانب ٹیلے پر وادیٔ عقیق کے کونے پر ہے یعنی عقیق صغیر کے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مسجد وادیٔ عقیق کے کنارے سے کافی اونچی ہے۔اس مسجد کی نئی چھت اور مرمت شجاعی شاہین جمالی نے ۸۹۳ھ میں کی تھی جو شیخ الخدام تھے۔واللہ اعلم۔

مسجد السقیا

انہی میں سے مسجد سقیا بھی ہے یعنی سعد کا کنواں جس کا کنوؤں کے بیان میں ذکر آ رہا ہے اور یہ مذکور کنوئیں کی شامی جانب، اسی کے قریب، ذرا مغرب کی طرف، رقیقین کی طرف جانے والے کے راستے میں ہے جو عقیق کو جاتا ہے۔اس مسجد کا ذکر ابو عبداللہ الاسدی نے اپنی "منسک" میں ان مساجد کے اندر کیا ہے جو مدینہ میں قابلِ زیارت ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ بدر کو تشریف لے جاتے ہوئے مسلمانوں کو حرّہ کے مقام پر کنوئیں پر لے گئے اور وہاں نماز پڑھی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر کو نکلے اور جب ہم حرّہ کے پاس پہنچے جسے حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنایا تھا' تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ پانی والا برتن لاؤ' پھر وضو فرمایا اور کھڑے ہو کر قبلہ رو ہو کر یہ دُعا کی: اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے اور خلیل تھے اور انہوں نے تجھ سے اہل مکہ کے لئے برکت کی دُعا کی تھی' میں بھی تیرا بندہ اور رسول ہوں' اہلِ مدینہ کے لئے دُعا کرتا ہوں کہ تو ان کے مدّ اور صاع میں لوں برکت فرما دے' (یہ بھرے رہیں اور اناج عام ہو جائے) جیسے تو نے اہلِ مکہ کے لئے برکت فرمائی' ان کی ایک برکت کے مقابلے میں' انہیں دو برکتیں دے۔

ابن شبہ کے مطابق فرمایا: جب ہم حرّہ کے مقام پر کنوئیں پر پہنچے جو حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لگوایا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' پانی کا برتن لاؤ اور جب وضو فرما لیا تو کھڑے ہوئے اور قبلہ رُو ہو کر تکبیر کہی اور فرمایا: اس کے آگے اگلی حدیث ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد کی سرزمین حرّہ پر نماز پڑھی جو سقیا کے گھروں کے نزدیک تھی' پھر یوں دُعا کی: اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے دوست' بندے اور نبی تھے' انہوں نے اہلِ مکہ کے لئے تجھ سے دُعا کی تھی ان کے مدّ' صاع اور پھلوں میں برکت فرما دے' اے اللہ! مدینہ ہمیں محبوب فرما دے جیسے مکہ ہمارا محبوب بنا رکھا ہے۔ وہاں کی وباء ''خم'' کی طرف لے جا' اے اللہ میں نے مدینہ میں دو پتھریلے مقامات کا درمیانی حصہ حرم قرار دیا ہے جیسے تو نے حضرت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر حرم قرار دیا ہے۔

غزوۂ بدر کے بیان میں واقدی کہتے ہیں جب حضور ﷺ سُقیا والے گھروں کے پاس ٹھہرے تھے: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کنوئیں والے گھروں کے نزدیک نماز پڑھی اور اس دن اہلِ مدینہ کے لئے دُعا فرمائی کہ اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے' دوست اور نبی تھے' الحدیث۔

حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بدر کی طرف گئے' ہمارے پاس ستر اونٹ تھے' صحابہ کرام دو دو' تین تین اور چار چار ایک ایک اونٹ پر سوار تھے' میں رسول اللہ ﷺ کے سب صحابہ میں مالداری' پیدل چلنے اور تیر اندازی میں بڑھ کر تھا چنانچہ جاتے اور آتے وقت میں قدم بھر کے لئے بھی سواری پر نہ بیٹھا' حضور ﷺ نے یثرب سے کنوئیں کی طرف چلتے وقت دُعا کی تھی: الٰہی! یہ لوگ پیدل ہیں' انہیں سواریاں دیدے' یہ ننگے ہیں' انہیں لباس دیدے' بھوکے ہیں' انہیں پیٹ بھرنے کو عطا فرما اور کنگال ہیں تو اپنے فضل سے غنی کر دے۔ حضرت سعد کہتے ہیں کہ جو بھی سوار ہونا چاہتا تو اسے اونٹ کی سواری ملتی' انہیں کھانا مل گیا اور پھر بہت سے قیدی کر لائے تو اللہ تعالیٰ نے ہر کنگال کو غنی فرما دیا۔

حضرت عمر بن عبد اللہ دیناری اور حضرت عمار بن حفص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بدری لشکر کنوئیں پر لے گئے' وہاں کی مسجد میں نماز پڑھی اور وہاں اہلِ مدینہ کے لئے دُعا کی کہ ان کے صاع اور مدّ میں

برکت فرمادے اور ہر طرف سے انہیں رزق عطا فرمادے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کنوئیں کا نام ''سقیا'' تھا اور اس سرزمین کو فلحان کہتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ مسجد مشہور نہیں' نہ ہی اسے مطری نے ذکر کیا ہے بلکہ شک ہی رہا کہ اس کنوئیں سے مراد وہ کنواں تھا جو یہاں تھا' یا وہ جسے زمزم کہتے ہیں' مطری کا جھکاؤ یہیں والے کنوئیں کی طرف تھا چنانچہ اتفاق کی بات ہے کہ میں اس مقام پر پہنچا اور مسجد کو تلاش کرنے لگا' وہاں میں نے چھوٹا ٹیلہ سا دیکھا چنانچہ میں نے آثار سنبھالنے والوں میں سے ایک کو بلایا اور کہا کہ یہاں بنیاد کھودے' دیکھا تو محراب نظر آیا' اس کی چوکور کرسی نکلی جو چونا لگا کر پتھروں سے بنی تھی' ابھی آدھے ہاتھ سے زیادہ باقی رہ گیا تھا کہ مسجد کی سفیدی دکھائی دی جو چونے سے بنی تھی جسے دیکھنے والا دیکھ کر کہتا کہ عرصے کی ہے' پتہ چلتے ہی لوگ زیارت اور تبرک کے لئے ادھر چلے آئے اور پھر اسے اسی مقام پر بنا دیا گیا' یہ مربع شکل تھی اور ہر طرف سے سات ہاتھ تھی۔

مسجد ذباب (مسجد الرایہ)

انہی میں سے ایک مسجد ذباب تھی جسے آج کل مسجد الرایہ کہتے ہیں اور چونکہ یہ مسجد مطری کے علم میں نہیں تو انہوں نے کہا: مدینہ میں مذکور مسجدوں کے علاوہ اور کوئی مسجد نہیں' ہاں ثنیۃ الوداع کے مقام پر مدینہ کو آتے ہوئے شامی راستے پر ایک مسجد موجود ہے اور نچلے راستے پر بھی ایک مسجد ملتی ہے لیکن اس سلسلے قابل یقین کوئی روایت نہیں لکھی۔

زین مراغی نے مسجد اول کے تعارف میں بتایا کہ شائد مطری' اس سے مراد وہ مسجد لیتے ہیں جسے مسجد الرایہ کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں' مطری کی مراد یہی ہے کیونکہ یہ ان کے دور میں موجود تھی' انہوں نے اسے مساجد میں شمار نہیں کیا اور صرف ثنیۃ الوداع کا نام سے دیا ہے کیونکہ وہ اس کے قریب تھی' یہ پتھر سے بنی تھی اور دورِ عمر کی مسجدوں کے مطابق تھی' مگر گر چکی تھی' اسے امیر جان بک نیروزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۸۴۶ھ میں از سرِ نو بنوایا۔

اب ہمارے سامنے وہ کچھ واضح ہو گیا جو اس مسجد کے بارے میں آیا تھا کیونکہ امام ابوعبداللہ اسدی نے (قدیم شخصیت) جب مدینہ منورہ کے قابلِ زیارت مقامات گنوائے تو لکھا تھا: ایک مسجد الفتح ہے جو پہاڑ پر ہے اور ایک مسجد ذباب' یہ بھی پہاڑ پر ہے۔ ا‌ثنی اور ذباب' اس پہاڑ کا نام ہے جس پر یہ مسجد بنی ہوئی ہے۔

حضرت عبد الرحمٰن الاعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ذباب پر نماز پڑھی تھی اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنا خیمہ ذباب پر لگایا تھا۔

حارث بن عبد الرحمٰن بتاتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مروان کو اس وقت پیغام بھیجا' جب انہوں نے ذباب کو قتل کرکے ذباب پہاڑ پر سولی دی تھی' کہ یہاں تو حضور ﷺ ٹھہرے تھے' تم نے اسے سولی کی جگہ بنا

دیا ہے۔

حضرت ابو غسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یہ ذباب یمن کا رہنے والا تھا جس نے ایک انصاری پر زیادتی کی تھی، یہ یمن کے کسی علاقے پر مروان کا گورنر تھا، اس انصاری نے کسی شخص پر زیادتی کرتے ہوئے ناجائز طور پڑ گائے لے لی تھی چنانچہ ذباب نے انصاری کا پیچھا کیا اور مدینہ پہنچ گیا پھر اس کے لئے مسجد میں بیٹھا اور آخر اسے قتل کر دیا، اس پر مروان نے اسے کہا: تونے کیوں اسے قتل کیا؟ اس نے کہا کہ اس نے گائے لینے کا ظلم کیا ہے، میری طبیعت میں سختی تھی تو میں نے اسے قتل کر دیا۔ اس پر مروان نے اسے قتل کرنے کے لئے ذباب پہاڑ پر سولی دے دی۔

پھر مسجد میں ''مقصورہ'' بنانے کے بیان میں گذر چکا کہ جس نے ظلم کیا تھا، وہ مروان کا مقرر کردہ تھا اور اس کا نام ''دب'' تھا، اس نے مروان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس نے اسے پکڑ لیا پھر وہی پہلا سبب بتایا، اس نے اسے پہلے تو قید کیا اور پھر قتل کر دیا۔

ابو غسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پہلے سلاطین ذباب پر سولی دیا کرتے تھے چنانچہ ہشام بن عروہ نے زیاد بن عبید اللہ حارثی سے کہا، یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ وہاں سولی دیتے رہے، جہاں حضور ﷺ نے اپنا خیمہ گاڑا تھا چنانچہ زیاد اس کام سے رُک گئے اور ان کے بعد دوسرے والی بھی رُک گئے۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ مطری نے خندق پر گفتگو کرتے ہوئے حضور ﷺ کے خیمہ لگانے کی جگہ کا ذکر کیا کہ وہ سلع پہاڑ پر مسجد الفتح والی جگہ تھا کیونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ خندق سلع کی مغربی جانب بنی تھی، لگتا ہے کہ وہ اس جگہ کے واقف نہیں اور نہ ہی اسے میں نے کسی اور کی طرف سے لکھا دیکھا ہے، ابو عبد اللہ اسدی نے مسجد الفتح اور مسجد ذباب کو الگ الگ قرار دیا ہے جیسے ہم بتا چکے پھر آگے آ رہا ہے جس سے پتہ چل جائے گا کہ وہ خندق مدینہ کی شامی جانب مشرقی اور غربی حرہ کے درمیان تھی۔

اس پہاڑ پر حضور ﷺ کے سجدہ کرنے کا ثبوت ہونے پر طبرانی کی اس تاویل کا رد ہو جاتا ہے کہ نماز سے مراد یہاں دُعا ہے، کیونکہ سہل بن سعد کی روایت سے لکھا ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ذباب پر نماز پڑھی تھی۔ اس کے بعد حضرت طبرانی نے لکھا، مجھے معلوم ہوا کہ ذباب، حجاز میں ایک پہاڑ تھا اور جو انہوں نے ''صلّی'' لکھا ہے اس کا مطلب ہے کہ برکت کی دُعا فرمائی۔

میں کہتا ہوں، ابن الاثیر نے واضح طور پر کہا ہے کہ یہ مدینہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے پھر ''الاکتفاء'' میں غزوۂ تبوک کے بیان میں ہے کہ جب حضور ﷺ چل پڑے اور اپنا لشکر ثنیۃ الوداع پر ٹھہرایا جبکہ عبد اللہ بن ابی نے پہاڑ کی نچلی طرف ذباب کے پہلو میں اپنا لشکر بٹھایا۔

پھر کمال دمیری نے لکھا: غریب کی کتاب میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو ایک پہاڑ پر سولی دی تھی جسے ذباب کہتے تھے۔ بکری کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں صحراء کے نزدیک پہاڑ ہے۔

علامہ واقدی کتاب الحرہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے ''جیش الحرہ'' سے لڑائی کے لئے خندق پر صفیں بنالیں' یزید بن ھرمز ذباب کے مقام پر تھا جہاں بکریوں کا باڑا تھا اور بہت سے غلام ساتھ تھے' اس نے جھنڈا اُٹھا رکھا تھا کیونکہ ان کا امیر تھا' اس کے ساتھی ثنیۃ الوداع کی چوٹی پر ایک دوسرے کے پیچھے صفیں باندھے کھڑے تھے۔

ان سب روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ذباب یہی مذکور پہاڑ ہے اور شاید وہاں کی مسجد الرایہ کے نام سے شہرت اس وجہ سے ہوئی کہ یزید بن ہرمز اس جگہ پر ٹھہرا تھا اور اس کے پاس حوالی کے لئے رایہ (جھنڈا) تھا۔

پھر مدینہ میں یہودیوں کے گھروں کے ذکر میں ابن زبالہ کا یہ قول گذرا کہ: اہلِ شوط کے پاس قلعہ تھا جسے ''سرعی'' کہتے تھے اور یہ وہ قلعہ تھا جو ذباب کے قریب تھا' عنقریب اس شوط کی وضاحت میں آ رہا ہے کہ بنوساعدہ کے گھروں کے قریب تھا اور خود میں نے کئی مقامات پر اس ذباب کا ذکر دیکھا ہے اور وہ سب مقام اس بات پر متفق ہیں کہ جو کچھ انہوں نے اس کے بارے میں بتایا ہے اس سے مراد یہی پہاڑ ہے جس پر مسجد الرایہ موجود ہے اور یوں میرا بھی شک دور ہو گیا اور جو آگے خندق کا بیان آ رہا ہے کہ جو پتھر خندق کھودتے وقت نکلا تھا اور جس پر حضور ﷺ نے ضرب لگائی تھی' وہ اسی کے نیچے تھا لیکن اس روایت میں اسے ''ذوباب'' لکھا گیا ہے یعنی ''واؤ'' زیادہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد الفتیح

انہی میں سے وہ مسجد بھی ہے کہ جب تم اس گھاٹی کی طرف جا رہے ہو جو مہراس کی طرف جاتی ہے تو تمہاری دائیں طرف اُحد پہاڑ کے ساتھ آتی ہے۔ یہ چھوٹی سی ہے اور اس کی عمارت گر چکی ہے۔ علامہ زین مراغی لکھتے ہیں' اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا نام ''مسجد الفتیح'' تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ اسی نام سے مشہور ہے اور گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ ۝ (سورۂ مجادلہ: ۱۱)

''اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے' مسجدوں میں جگہ دو تو جگہ دو۔''

اسی مسجد کے بارے میں نازل ہوئی تھی تاہم مجھے اس کا ثبوت نہیں مل سکا۔

حضرت مطری کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس میں یومِ اُحد کے موقع پر ظہر و عصر کی نمازیں پڑھی تھیں اور وہ اسی وقت جب جنگ ختم ہو چکی تھی۔ لگتا ہے کہ علامہ مطری اس بارے میں ناواقف ہیں۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک چھوٹی سی مسجد میں نماز پڑھی تھی جو اُحد میں حرار کی گھاٹی کے اندر تھی اور دائیں طرف پہاڑ سے متصل تھی۔

جبل عینین کے پہلو میں مسجد

انہی میں سے ایک مسجد جبل عینین کی مشرقی جانب پہاڑ کے ایک حصے پر تھی اور یہ وہ پہاڑ ہے کہ یومِ اُحد پر

اس کے اوپر تیر انداز بیٹھے تھے اور یہ حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پاک کی قبلہ والی جانب تھی' اب مسجد کا اکثر حصہ گر چکا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آج بھی یہ اسی نام سے مشہور ہے۔ حضرت مجد نے اس مسجد اور اس کے بعد والی کا ذکر کیا ہے' کہتے ہیں: یہاں نماز پڑھنا غنیمت جانو کیونکہ یہ دونوں صرف زیارت کرنے والوں کے نشان کا کام دیتی ہیں اور یہاں کا قصد کرنے والوں کی گواہی دیں گے اور اس شخص کے اس قول: "اوّل مسجد وہ ہے جس میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیزہ مارا گیا تھا اور دوسری اس جگہ بنی تھی جہاں آپ گر پڑے تھے اور شہید ہو گئے تھے تو اس بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملتا' یہ صرف سنی سنائی باتیں ہیں۔

پھر کہتے ہیں: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پہلی مسجد وہاں بنی تھی جہاں حضور ﷺ کے دانت مبارک ٹوٹے تھے اور پھر آپ کے ساتھ وہ معاملہ ہوا جو اللہ کو منظور تھا' یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کا اہلِ مدینہ ذکر کرتے ہیں لیکن کسی تحریر میں اس کا ثبوت نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ان کی اور کلامِ مطری میں یہ وضاحت موجود ہے کہ یہ دونوں اس بات سے ناواقف تھے جو اس بارے میں بتائی گئی۔

عنقریب قبر سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آ رہا ہے کہ جب آپ قتل ہو گئے تو یہاں جبلِ رماۃ (تیراندازوں والا) کے نیچے پڑے رہے اور یہ وہی مذکور پہاڑ تھا پھر حضور ﷺ نے حکم فرمایا تو بطن وادی سے اُٹھا لیا گیا اور دوسری مسجد یہیں بنی اور یہ مسجد وہ ہے جس کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عینین الظرب کے مقام پر ظہر کی نماز پڑھی' یہ یومِ اُحد تھا اور مسجد پل کے پاس تھی۔ لگتا ہے کہ مطری اس پل سے مراد وہ پل لے رہے ہیں جو ایک چشمے پر قدیم سے چلی آتی تھی اور مطری نے اس مسجد کے ذکر کے بعد اس کی طرف اشارہ کیا ہے' اب وہاں پانی کا ایک نیا چشمہ نکال دیا گیا ہے جسے امیر بدر الدین ودی بن جماز نے بنایا تھا۔ یہ چشمہ اس مسجد کے قریب ہی بہتا ہے۔ انتہٰی۔

آج کل یہ چشمہ گھرا ہوا ہے اور غزوۂ اُحد میں گذر چکا ہے کہ حضور ﷺ نے اُحد کی طرف جاتے وقت "شیخان" کے مقام پر رات بسر فرمائی تھی اور پھر سحری کے وقت اُٹھ کر پل کی جگہ تک تشریف لے گئے تھے' اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا چنانچہ آپ نے صحابہ کو ہتھیار پہنے صفوں میں کھڑے کھڑے نماز پڑھائی تو احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد یہی مسجد ہو اور یہ احتمال (یہ زیادہ ظاہر ہے) بھی ہے کہ اس سے مراد وہ مسجد ہو جس کا اس کے بعد ذکر آ رہا ہے کیونکہ ابن شبہ کی روایت میں نمازِ ظہر کا ذکر ہے اور وہ جگہ خود اس پہاڑ کے پل کے نزدیک تھی' اس روایت میں صبح کی نماز کا ذکر ہے اور یہ پل والی جگہ پر تھی۔ واللہ اعلم۔

مسجد العسکر

انہی میں سے ایک وہ مسجد ہے جو اس مذکورہ مسجد کی شمالی جانب ہے اور یہ بھی عینین کے قریب ہے' عین وادی کے کنارے پر' اب اس کا اکثر حصہ گر چکا ہے' یہ خوبصورت پتھروں سے دورِ فاروقی کی طرز پر بنی ہوئی تھی اور اس میں ستونوں کے آثار موجود ہیں۔

حضرت مطری کہتے ہیں' اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گرنے کی جگہ تھی' آپ نیزہ لگنے کے بعد پہلی جگہ سے یہاں تک آئے تو گر گئے تھے۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں کہ آپ دوسری جگہ پر قتل ہوئے تھے' میں نے مسجدوں میں اس کا ذکر کیا ہے (حالانکہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اس بارے میں مجھے کوئی علم نہیں) کیونکہ ابن شبہ کے مطابق ابوغسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: مجھے شہر کے کئی اہلِ علم نے بتایا کہ مدینہ کی مسجدوں میں سے ہر مسجد اور اردگرد کی مسجدیں جو پتھر سے بنی ہوئی ہیں اور جن پر نقش و نگار تھا' حضور علیہ السلام نے ان میں نماز پڑھی تھی اور وہ یوں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مسجد نبوی بنائی تو بکثرت لوگوں سے ان مسجدوں کے بارے میں پوچھا تھا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز پڑھی تھی چنانچہ آپ نے انہیں نقش و نگار والے پتھروں سے تعمیر کیا۔انتہٰی۔

متقدمین میں سے صرف ابو عبد اللہ اسدی ہیں جنہوں نے اس مسجد کا ذکر کیا اور اس کا نام مسجد العسکر رکھا۔چنانچہ مسجدوں کی گنتی میں کہا: مسجد العسکر اور پہاڑ کے دامن میں دائیں طرف والی مسجد۔انتہٰی۔

تو اس طرح پہلی روایت والا احتمال طاقتور ہو جاتا ہے کہ اس کا نام ''مسجد العسکر'' رکھا گیا علاوہ ازیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث آئی ہے کہ حضور علیہ السلام اس وقت حضرت حمزہ کے پاس آ کر رُکے جب آپ قتل ہو چکے تھے اور آپ کان ناک وغیرہ کاٹے جا چکے تھے' اس دن آپ کو یہ دیکھ کر جو تکلیف پہنچی' کبھی دیکھی نہ گئی چنانچہ ارشاد فرمایا: چچا جان! اللہ آپ پر رحم فرمائے' آپ رشتہ داریاں قائم رکھنے والے تھے اور بھلائیاں کرتے رہتے تھے' بخدا اللہ نے مجھے ان کے خلاف موقع دیا تو میں ان سے ستّر کے مُثلے بناؤں گا' آپ یونہی فرماتے رہے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ (سورۂ نحل:۱۲۶)

''اور اگر تم سزا دو تو ویسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی تھی اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر والوں کو صبر سب سے اچھا۔''

اس پر رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ہم صبر ہی کریں گے۔

یہ روایت بھی آتی ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ٹھہرے اور ان پر اس وقت نماز پڑھی۔

میں کہتا ہوں' یہ جو آیا ہے کہ وہ مذکور جگہ حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائے قتل تھی' تو یہ اس بارے میں کافی ہے آپ کا قتل انہی مسجدوں والی جگہ پر ہوا اور پھر بقیع سے باہر کے مزارات کے بیان میں جہاں حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارِ انور کی بات ہوئی تو وہاں بیان ہوا کہ قبر انور پر جو پتھر رکھا ہے' وہ رکھنے والے نے صحیح نہیں رکھا' وہ پتھر اس وقت اسی مسجد سے اُٹھایا گیا تھا جب یہ گر گئی تھی' اس میں بسم اللہ کے بعد لکھا تھا: "انّما یعمر مسٰجد اللّٰہ الاٰیۃ یہ حمزہ بن عبد المطلب کے گرنے کی جگہ اور حضور ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے: اسے حسین بن ابو الھیجاء نے بنایا تھا یہ ۵۸۰ھ کی بات ہے۔" لگتا ہے کہ نئے سرے سے مسجد بناتے وقت جب یہ پتھر گرا تھا تو یہ ٹکڑا اُٹھوا کر مزارِ انور پر رکھ دیا گیا جیسے عنقریب ہم بتائیں گے۔

رہی وہ مسجد سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارِ انور کے سامنے' مشرقی جانب' اس کے دروازے کے سامنے ہے تو یہ نئی بنی تھی' علامہ مطری وغیرہ نے اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ان مسجدوں میں اس کا ذکر ملتا ہے جن میں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔

مسجد ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

انہی میں سے ایک بہت ہی چھوٹی مسجد ہے جس کا طول وعرض آٹھ آٹھ ہاتھ ہے اور اسواق کے راستے سے اُحد کی طرف جاتے ہوئے جانے والے کی دائیں طرف ہے' جب انسان بقیع الاسواق سے تھوڑا سا گذر جائے تو داہنی طرف کو راستہ جاتا ہے' جب تھوڑا سا اس پر چلے تو اسے یہ مسجد مشہور باغ "بحیر" کے پاس دکھائی دے گی' یہ وہ دوسری مسجد ہے جس کا ذکر حضرت مطری نے یوں کیا ہے: مدینہ میں ایک مسجد کے علاوہ ایسی کوئی مسجد نہیں جس کا ذکر نہ کیا گیا ہو' یہ ثنیۃ الوداع پر ہے نیز ایک اور مسجد ہے جو بہت ہی چھوٹی اور سائلہ کے راستے پر ہے اور یہ وہ داہنی طرف مشرقی راستہ ہے جو حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارِ انور کی طرف جاتا ہے' اسے مسجد ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں لیکن اس بارے کوئی ٹھوس حوالہ نہیں ملتا۔

میں کہتا ہوں' بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے غلام سے روایت کی' وہ کہتے ہیں: عبد الرحمٰن نے کہا کہ میں مسجد کے صحن میں لیٹا ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو قبرستان والے دروازے سے نکلتے دیکھا۔ کہتے ہیں کہ میں کچھ دیر ٹھہر گیا اور آپ کے نقشِ قدم پر چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ آپ "الاسواق" کے ایک گھر میں داخل ہو گئے' وضو فرمایا' دو رکعت نفل پڑھے اور پھر خوب لمبا سجدہ کیا اور پھر' جب سلام پھیرا تو میں نے بات شروع کر دی' عرض کی' یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان' آپ جب سجدہ میں گئے تو اتنے لمبے سجدے سے مجھے ایسا لگا کہ اللہ نے آپ کو موت دے دی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جبریل مجھے یہ بشارت دے رہے تھے کہ جو مجھ پر درود پڑھے گا' اللہ اس پر رحمت فرمائے گا اور جو سلام پڑھے گا تو اللہ اس کے سلام کا جواب دے گا۔

علامہ بیہقی فرماتے ہیں' مجھے ایک اور طریقے سے یہ روایت بذریعہ حضرت محمد بن جبیر' حضرت عبد الرحمٰن سے اور دوسرے طریقے سے بذریعہ عبد الواحد بن محمد بن عبد الرحمٰن بن عوف' حضرت عبد الرحمٰن سے پہنچی ہے جس میں انہوں نے دو رکعتوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف سجدے کا ذکر کیا ہے چنانچہ عبد الواحد نے ان الفاظ کا اضافہ کیا کہ: ''میں نے اللہ کے شکرانہ میں سجدہ کیا'' ابن زبالہ نے پہلی روایت کے مطابق لکھا البتہ فرمایا: میں نے عرض کی' میرے ماں باپ آپ پر قربان' آپ نے ایسا سجدہ کیا کہ مجھے خوف ہونے لگا' الحدیث۔ اسی کو ابن ابی الدنیا' ابو یعلی اور بزاز نے روایت کیا البتہ ان کی روایت میں ہے کہ میں حاضر ہوا تو آپ چلے گئے تھے' میں پیچھے چل پڑا تو آپ ''اسواق'' کے گھروں میں سے ایک گھر میں داخل ہو گئے' وہاں آپ نے نماز پڑھی اور ایک لمبا سجدہ کیا اور میں نے دل میں سوچا کہ اللہ نے اپنے رسول کی روح مبارک قبض کر لی ہوگی' اب میں آپ کو کبھی دیکھ نہ پاؤں گا' مجھے سخت غم لگا اور میں رونے لگا۔ اتنے میں آپ نے سرِ انور اُٹھایا اور مجھے بلا کر فرمایا: تمہیں کیا ہوا؟ یا فرمایا: تمہارے پیچھے کون ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے سجدہ اتنا لمبا فرما دیا کہ میں نے سوچا' اللہ نے اپنے رسول کی روح قبض کر لی ہوگی اور اب میں کبھی بھی آپ کو دیکھ نہ پاؤں گا لہٰذا میں غمگین ہوا اور رونے لگا اس پر آپ نے فرمایا: یہ سجدہ میں نے اپنے ربّ کے شکرانے میں کیا ہے کیوں کہ مجھ پر اُمت کے لئے ایک انعام ہوا ہے چنانچہ فرمایا ہے: ان میں سے جو بھی کوئی ایک مرتبہ آپ پر درود پڑھے گا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جایا کریں گی۔ الحدیث۔

میں کہتا ہوں کہ ''الاسواق'' اس مسجد کے بالکل قریب ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے یہیں سجدہ کیا ہو بلکہ ظاہر تو یہی ہے' اسی لئے ہم اسی کا اعتبار کیا ہے اھ۔ حضرت عبد الرحمٰن کی اس حدیث کو امام احمد نے یوں بیان کیا ہے: رسول اللہ ﷺ نکلے اور اپنے مال کی طرف توجہ فرمائی' قبلہ رو ہوئے اور پھر مسجد میں گر گئے' طویل سجدہ فرمایا' مجھے ایسے لگا کہ اس سجدہ میں اللہ نے آپ کی روح قبض فرما لی ہے' پھر خود ہی بتایا کہ جبریل آئے تھے' مجھے ایک اچھی خبر سنائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' جو آپ پر درود پڑھے گا' میں اس پر رحمت کروں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا' میں بھی اسے سلامتی دوں گا۔

رہا آپ کا یہ کہنا: ''اپنے مال کی طرف تشریف لے گئے۔'' تو اسے پہلی روایت کے معنٰی میں دیکھا جائے اور یہ بھی ناممکن نہیں کہ الاسواق میں آپ کا مال بھی ہو اور پھر اس کے قریب ہی ایک اور جگہ بھی موجود ہے جو شروع سے اب تک صدقہ کے نام سے مشہور ہے یا پھر یہ واقعات کئی ہیں۔ واللہ اعلم۔

مسجد ابی بن کعب (بنو جدیلہ' بقیع)

انہی متبرک مقامات میں سے ایک وہ مسجد ہے جو بقیع کے راستے سے نکل کر داہنی طرف آتی ہے' جیسے برھان نے کہا کیونکہ انہوں نے قبل ازیں پہلی مسجد کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ: اس بارے میں کوئی اعتماد والی روایت نہیں ملتی

پھر کہا: یونہی وہ مسجد ہے جو بقیع کے شروع میں درب الجمعہ سے نکلنے والے کی دائیں طرف آتی ہے۔ انتہٰی۔

میں کہتا ہوں' اس سے مراد وہ جگہ ہے جو حضرت عقیل اور اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارات کی غربی جانب ہے اور یہیں آج کل ایک ستون قائم ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہاں دو محرابیں بھی تھیں جو گر چکی ہیں اور باقی رہ جانے والے حصے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نقش و نگار والے پتھروں اور چونے سے یوں بنی تھیں جیسے دورِ عمر کی مسجدیں۔

حضرت مرجانی نے بھی بقیع میں ایک مسجد کا ذکر کیا ہے اور اپنی طرف سے بتایا ہے کہ یہ بقیع میں حضور ﷺ کا مصلاّئے عید تھا' شاید وہ یہی مسجد مراد لیتے ہیں جبکہ ہم مصلّٰے کے بیان میں جو کچھ بتا چکے ہیں' وہ اس روایت کو ردّ کرتا ہے لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے' یہ مسجد ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھی' اسی کو مسجد بنوجدیلہ کہتے ہیں کیونکہ ہم بنونجار کے گھروں کے بیان میں بتا چکے ہیں کہ بنو جدیلہ نے ایک قلعہ بنایا تھا جسے "مشعط" کہا جاتا تھا' وہ ان کی اس مسجد کی غربی جانب تھا جسے مسجد ابی کہتے ہیں۔ یہاں قلعہ والی جگہ پر ایک گھر ہے جسے "بیت ابی نبیہ" کہتے ہیں اور پھر ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور آپ کی صاحبزادی سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بقیع میں مبارک قبروں کے بارے میں ذکر کے دوران آگے جو بتایا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ بقیع کی ابتداء میں اسی جانب ایک گلی تھی جسے زقاق نبیہ کہتے تھے اور ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جسے خوخہ نبیہ کہتے تھے اور ابن شبہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ بقیع' بنو جدیلہ کے ساتھ تھا اور وہ لوگ اس کے قریب ہی تھے لہٰذا اوّلیت اسی بات کو ہے کہ وہ مسجد ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھی' آگے مسجد ابی کے بارے میں مطری کا بیان آ رہا ہے جس سے آپ کو پتہ چلے گا کہ وہ کس جانب تھی لیکن اس کی معین جگہ معلوم نہیں ہو گی۔

حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مسجد ابی کی طرف آیا جایا کرتے تھے اور نماز پڑھا کرتے تھے' کوئی ایک دو مرتبہ نہیں پھر یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کے اس طرف رجحان کی فکر نہ ہو تو میں اکثر یہاں نماز پڑھا کروں۔

حضرت یحییٰ بن نضر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مدینہ کے گرد والی کسی مسجد میں نمازیں نہیں پڑھیں' صرف مسجد ابی بن کعب میں پڑھی تھیں۔

حضرت یوسف بن الاعرج اور ربیعہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو جدیلہ میں نماز پڑھی' یہی مسجد ابی بن کعب تھی۔

حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی شامی جانب ٹیلہ کی نچلی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کی طرف وہاں موجود "ترب" کے درمیان سے راستہ جاتا ہے' اس کی محراب ابھی موجود ہے لیکن اس کا ذکر مسجدوں میں نہیں ملتا اور نہ ہی یہ عہد عمر کی مسجدوں کی طرح ہے۔ واللہ اعلم۔

مساجد المصلّٰی

انہی میں سے تینوں مساجد مصلّٰی ہیں جس کا ذکر ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں لہٰذا وہاں دیکھیے۔

مسجد ذی الحلیفہ

انہی میں سے مسجد ذی الحلیفہ ہے جو اہلِ مدینہ کا میقات ہے (جہاں سے وہ احرام باندھتے ہیں) اور یونہی وہ مسجد ہے جو اس کے قبلہ کی جانب ہے' عنقریب ان کا ذکر ان مسجدوں میں آ رہا ہے جن میں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی' یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہیں' وہاں ان کی جگہ بتائیں گے کہ یہ بڑی وادئ عقیق میں کہاں ہیں۔

مسجد مقمل

انہی میں سے مسجدِ مقمل ہے' علامہ مجد نے اسے یہاں ذکر کیا ہے حالانکہ بہتر یہ تھا کہ اسے ان مسجدوں میں ذکر کرتے جو مدینہ سے باہر ہیں کیونکہ یہ تو دو دن کے فاصلے پر ہیں۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۴

وہ مسجدیں جن کی جہت معلوم ہے لیکن معین جگہ کا پتہ نہیں اور وہ مدینہ منورہ میں ہیں

مسجد ابی بن کعب

انہی میں سے ''مسجد ابی بن کعب'' ہے جو بنو جدیلہ میں ہے' اسے مسجد بنو جدیلہ کہتے ہیں جو بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے اور بقیع والی مسجد کے بیان میں مطری سے گذر چکا کہ اس مسجد کی معین جگہ معلوم نہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں: بنو جدیلہ کے گھر پانی کے کنوئیں کے پاس' مدینہ کی حفاظتی دیوار کے شامی جانب تھی۔

مسجد بنی حرام

انہی میں سے ایک مسجد بنی حرام تھی جسے خزرج کی شاخ بنوسلمہ نے بنایا تھا۔ مسجد قبلتین میں یہ وہم بتایا جا چکا ہے کہ انہوں نے اسی مسجد کو مسجد کو سمجھ لیا اور پھر یہ بھی بتایا جا چکا کہ حضور ﷺ نے ان دونوں میں نمازیں پڑھی تھیں چنانچہ ابن زبالہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے بتایا کہ حضور ﷺ نے کھلے میدان میں واقع مسجد بنو حرام میں نماز پڑھی تھی اور اس کے قبلہ کی جانب کھنگار دیکھا تھا' عرجون بن طاب وہاں پہلو لگائے بیٹھا کرتے' حضور ﷺ نے اسے کھرچ کر خوشبو منگوائی اور عرجون کے سر پر لگائی اور پھر کھنگار والی جگہ لگائی چنانچہ یہ پہلی مسجد تھی جس میں خوشبو کا

استعمال کیا گیا۔ بنو حرام کے گھر کھلے میدان میں مساجد فتح کے مغرب میں تھے۔ وادیٔ بطحان جبلِ بنو عبید کے پاس تھی اور وہ چشمہ بھی یہیں تھا جسے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاری فرمایا تھا۔

مسجد الخربہ

انہی مقامات میں سے مسجد الخربہ بھی تھی جو قبیلۂ بنو سلمہ کی شاخ بنو عبید کی تھی اور پہلے بتایا جا چکا کہ ان کے گھر ان کی اسی مسجد کے پاس تھے اور اس پہاڑ تک پھیلے ہوئے تھے جسے جبلِ دو نخل یعنی جبلِ بنو عبید کہتے تھے اور یہ بنو حرام کے گھروں کی مغربی جانب قریب ہی تھا' مسجد قبلتین کی جانب جانے والا مساجد الفتح کی طرف سے جائے تو ان کے گھروں کے قریب پہنچ جائے گا اور پھر مسجد قبلتین میں گذر چکا کہ حضور ﷺ نے یہاں نماز پڑھی تھی اور ابن زبالہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ "سلافہ" میں اُمِ براء بن معرور کے پاس تشریف لاتے تو اس مسجد میں جاتے جسے مسجد الخربہ کہتے تھے اور وہ "قرصہ" کے پیچھے تھی' آپ نے کئی مرتبہ وہاں نماز پڑھی۔

میں کہتا ہوں' آگے آ رہا ہے کہ وہاں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغ تھا جس کا قصہ ان کے قرض ادا کرنے کے بیان میں موجود ہے۔ علامہ مطری نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

مسجد جہینہ

انہی میں سے مسجد جہینہ و بلی ہے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت معاذ بن عبد اللہؓ بن ابو مریم جہنی وغیرہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد جہینہ میں نماز پڑھی تھی اور یحییٰ بن نضر انصاری سے ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ کے اردگرد والی مسجدوں میں سے صرف مسجد ابی میں نماز پڑھی تھی پھر مسجد جہینہ کا نام لیا۔ پھر حضرت جابر بن اسامہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میں حضور ﷺ سے بازار میں ان کے صحابہ کی موجودگی میں ملا تو ان سے کہا: تمہارا اور نبی کریم ﷺ کا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری قوم کی مسجد کی طرف جا رہے ہیں۔ میں واپس آیا تو میری قوم کھڑی تھی اور رسول اللہ ﷺ مسجد کا نشان لگا رہے تھے چنانچہ آپ نے قبلہ کی طرف لکڑی گاڑ دی اور سیدھی کھڑی کر دی پھر انہی سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قبیلہ بلی کے لئے مسجد جہینہ کا نشان لگایا پھر حضرت عروہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جہینہ کی مسجد کا نشان لگایا' ان کے لئے جو بلی سے آئے تھے لیکن اس میں نماز نہیں پڑھی۔

حضرت خارجہ کے دادا کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اپنے ایک صحابی کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے جس کا تعلق بنو ربعہ کی شاخ جہینہ سے تھا اور اسے ابو مریم کہتے تھے چنانچہ عیادت کے لئے بنو قیس عطار اور ان کا دوسرا گھر جو دار الانصار کے ساتھ تھا' کے درمیان پہنچے اور اس جگہ نماز پڑھی۔ اس پر جہینہ کے کئی لوگوں نے ابو مریم سے کہا کاش تم رسول اللہ ﷺ سے مل کر ہماری مسجد کا نشان لگانے کو عرض کرتے' انہوں نے کہا' مجھے اُٹھاؤ' انہوں نے اُٹھا لیا تو وہ نبی کریم ﷺ سے ملے۔ آپ نے پوچھا: ابو مریم کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میری قوم کے لئے مسجد کا نشان

لگا دیں تو کتنا اچھا ہو چنانچہ آپ مسجد جہینہ میں تشریف لائے تو وہاں بلی کے خیمے بھی تھے' آپ نے ایک لکڑی پکڑی اور نشان لگا کر فرمایا: گھر تو بلی کا اور نشان جہینہ کا۔

جمال مطری کہتے ہیں کہ آج کل یہ جانب' صاحب مدینہ کے قلعہ کی غربی جانب مشہور ہے اور مدینہ کی حفاظتی دیوار سلع پہاڑ اور اسی کے درمیان ہے' اس کے پاس مدینہ کے ایک خراب دروازے کے نشان ملتے ہیں' جہینہ کے راستے سے' اس کی تاریخ ۷۴۰ھ ملتی ہے اور یہ جانب حفاظتی دیوار کے اندر ہے' اس کے اور حصن صاحب مدینہ کے درمیان ہے۔

میں کہتا ہوں' اگر انہوں نے اپنے قول "من مـاخل السور" سے مراد آج کل کی حفاظتی دیوار لی ہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ جو اس دیوار میں اس کے اور صاحبِ مدینہ کے قلعے کے درمیان تھا وہ بازار تھا جبکہ ان کے گھر بازار کی غربی جانب عثعث کی گھاٹی کی طرف تھے' یہ گھاٹی سینے کی تھی اور اگر انہوں نے وہ جانب مرادِ لی ہے جو قدیم دیوار کی اندر کی جانب تھی تو صحیح ہے البتہ اس کا کچھ حصہ داخل تھا' سارا نہیں۔

مسجد بنی غفار

انہی میں سے ایک وہ مسجد ہے جو بیوتِ مطرفی کے پاس ہے چنانچہ حضرت انس بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیوتِ مطرفی نیز خیامِ بنی غفار کے پاس نماز پڑھی تھی اور یہ گھر' آلِ ابو رھم کلثوم بن حصین غفاری کے گھر تھے جو حضور ﷺ کے صحابی تھے۔ مطری کہتے ہیں کہ آج کل یہ "ناحیہ" مشہور نہیں۔

میں کہتا ہوں' بنو غفار کے گھروں کے گذشتہ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بازارِ مدینہ کی غربی جانب تھی اور جہینہ کے اس گھر کے قریب تھی جو قبلہ کی طرف سے عثعث کی گھاٹی سے ملتی تھی۔

مسجد بنو زریق

انہی میں سے ایک مسجد زریق تھی جن کا تعلق خزرج سے تھا چنانچہ ابن زبالہ نقل کرتے ہیں کہ مسجد بنو زریق وہ پہلی مسجد تھی جس میں قرآن پڑھا گیا اور یہ بھی آتا ہے کہ حضرت رافع بن مالک زرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رسول اللہ ﷺ سے "عقبہ" میں ملے تو آپ نے انہیں گذشتہ دس سالوں میں اُترا ہوا قرآن دیا۔ عمر بن حنظلہ کہتے ہیں کہ حضرت رافع اسے لے کر مدینہ پہنچے اور پھر اپنی قوم کو اکٹھا کر کے اسی جگہ پڑھا' ان دنوں یہ جگہ ایک ٹیلہ تھی۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبلہ تبدیل ہونے سے خوش ہوئے۔

حضرت مروان بن عثمان بن معلیٰ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے مسجد زریق میں قرآن پڑھا گیا۔ حضرت یحییٰ بن عبداللہ بن رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں وضو فرمایا' قبلہ کی تبدیلی پر خوش ہوئے اور یہاں نماز نہیں پڑھی۔

حضرت معاذ بن رفاعہ زرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد بنو زریق میں داخل ہوئے' وضو بھی فرمایا لیکن نماز نہیں پڑھی' قبلہ کی تبدیلی پر خوش ہوئے' یہ وہ پہلی مسجد تھی جس میں قرآن پڑھا گیا۔

میں کہتا ہوں' گھروں کے بیان میں گذر چکا کہ بنو زریق کی بستی' مصلّے کے قبلہ اور مشرقی جانب حفاظتی دیوار کے باہر اور اندر موجود تھی اور پھر بلاط کو گھیرنے والے گھروں (جو باب المدینہ یعنی درب سویقہ سے لے کر باب السلام تک پھیلے تھے) کے ذکر میں آ چکا کہ یہ مسجد ان گھروں کے قبلہ میں تھی جو ''درب سویقہ'' کے قریب سے چلنے والے کی دا ہنی طرف آتی تھی۔ عیاض کہتے ہیں کہ اس کے اور ثنیۃ الوداع کے درمیان ایک میل کے قریب فاصلہ تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ثنیۃ الوداع اور اس جگہ کے درمیان جس کا ہم نے ذکر کیا' تقریباً ایک میل کا فاصلہ تھا اور وہ ثنیۃ الوداع کے سامنے سے قبلہ کی طرف قریب تھی اور پھر مصلّے کے قبلہ میں مغربی جانب دو مسجدیں نئی بنیں جنہیں شمس الدین محمد بن احمد سلاوی نے ۸۵۰ھ کے بعد بنایا۔ ان میں سے پہلی تو وادیٔ بطحان کے کنارے پر اونچی مشرقی جگہ پر تھی اور دوسری اس کے بعد قبلہ میں وادی کے بلند ٹیلے پر تھی' یہ بھی مغرب میں مطریہ کے سامنے تھی' اس کی جگہ اسی ٹیلہ میں تھی' اسی میں اینٹیں پکائی جاتی تھیں۔

میں نے یہاں اس لئے خبردار کر دیا ہے کہ کہیں دور گذرنے کے ساتھ کوئی ان میں سے ایک کو مسجد زریق نہ سمجھ لے کیونکہ وہ اس مذکور جانب تھی۔ واللہ اعلم۔

بنو ساعدہ کی دو مسجدیں

انہی میں سے دو مسجدیں بنو ساعدہ کی ہیں اور ان کا سقیفہ بھی' بنو ساعدہ خزرج سے ہیں۔

حضرت مطلب بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو ساعدہ میں نماز پڑھی اور دور اُن کے سقیفہ (ڈیوڑھی) میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت عباس بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو ساعدہ میں نماز پڑھی تھی' یہ مسجد مدینہ کے درمیان تھی۔ پھر حضرت سعد بن اسحاق بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو ساعدہ میں نماز پڑھی جو مدینہ کے گھروں کے باہر تھی پھر حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ دور بنو ساعدہ کے سقیفہ میں بیٹھے تھے اور پھر حضرت عبد المنعم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دادا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اس ڈیوڑھی میں بیٹھے تھے جو بنو ساعدہ میں تھی' اور پھر حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیالے میں آپ کو پانی پلایا تھا۔

یہی حدیث ابن زبالہ نے لکھی پھر حضرت عبد الرحمن کے دادا سے روایت کی' وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس ڈیوڑھی میں تشریف فرما ہوئے جو مسجد کے قریب تھی پھر مجھ سے پانی مانگا تو میں نے آپ کے لئے پیالہ بھرا' آپ نے پی لیا پھر فرمایا' اور دو' میں نے دوبارہ پیش کیا' آپ نے پی کر فرمایا کہ اس دوسرے سے پہلا اچھا تھا۔ میں نے

عرض کی: یا رسول اللہ! دونوں ایک ہی جگہ سے تو بھرے ہیں۔

ان کے کلام میں ''فَخُضْتُ لَہٗ'' کے الفاظ ابن زبالہ کی طرح ہیں' مطری نے بھی یونہی روایت کی' زین مراغی کے قلم سے لکھا بھی یونہی ہے پھر میں نے دیکھا کہ اس کی اصلاح کرکے فَمَخَضْتُ لَہٗ لکھا تھا' لگتا ہے کہ ''میم'' بڑھانے والے نے اس پیالے کو دودھ والا برتن سمجھا کیونکہ بلونے کا کام تبھی کیا جا سکتا ہے حالانکہ خوض (بھرنا) کا لفظ بھی ''مخض'' (دودھ بلونا) پر بولا جا سکتا ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ نے بنو ساعدہ کی دونوں مسجدوں میں نماز پڑھی تھی اور ان کی ڈیوڑھی میں تشریف فرما ہوئے تھے اور ان کے ڈیوڑھی میں بیٹھنا صحیح بخاری سے بھی ثابت ہے' یہ وہی ڈیوڑھی تھی جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت خلافت لی گئی تھی اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے قریب تھی' اس کا پتہ بخاری کی حدیث جو یہیہ سے چلتا ہے (یعنی عائذہ) حضرت سہل بن سعد کی حدیث میں آپ کے وہاں جانے اور آنے کا ذکر ہے پھر وہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ تشریف لائے' آپ کے صحابہ اور خود آپ بنو ساعدہ کی ڈیوڑھی میں بیٹھے اور فرمایا: سہل! ہمیں پانی پلاؤ چنانچہ میں یہی پیالہ لے گیا اور انہیں پانی پلایا۔ الحدیث۔ تو آپ کا ان سے پانی مانگنا حالانکہ آپ انہی کی ڈیوڑھی میں بیٹھے تھے' یہ بتاتا ہے کہ حضرت سہل کا گھر قریب ہی تھا اور پھر اس پر یہ بات بھی دلیل ہے کہ انصار سقیفہ کے دن حضرت سعد کے لئے وہیں جمع ہوئے تھے جبکہ حضرت سعد ان دنوں بیمار تھے۔ پھر بنو ساعدہ کے گھروں کے ذکر میں ہم بتا آئے ہیں کہ وہ چار گھروں میں بکھر گئے تھے' ان کا پہلا گھر مدینہ کے درمیانی حصے کے مشرق میں تھا' اسی میں ''بیرِ بضاعہ'' تھا اور ان کے گھر میں نماز پڑھنے سے یہی مراد ہے' یہ جگہ مدینہ کے درمیان میں تھی۔

رہی ان کی وہ مسجد جو مدینہ سے باہر تھی تو بظاہر وہ ان کے چوتھے گھر میں تھی' یہ گھر جبلِ ذباب کی شامی جانب تھا' اسی پر مسجد الرایہ تھی۔

سقیفۂ بنو ساعدہ

رہی سقیفۂ بنو ساعدہ تو بظاہر یہ ان کے تیسرے ٹھکانے میں تھی' یہی گھر بنو ابو خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف کا تھا کیونکہ وہ سعد کی قوم سے تعلق رکھتے تھے اور اس لئے کہ ان کا وہ برتن جس میں وہ اپنی ماں کے بعد پانی پلاتے تھے' انہی کا تھا' وہ ان کے چوتھے گھر کے قریب تھا اور یہ جگہ بازارِ مدینہ کی شامی جانب ذباب کے قریب تھی۔

اب میرے سامنے وہ خطا آ گئی جو وہاں میں نے یہ احتمال ذکر کیا کہ سعد کا کنواں اس جگہ کے قریب ہے جو سقیفۂ بنو ساعدہ کے نام سے مشہور ہے' پہلے ہم حضرت مطری کا قول بتا چکے کہ بنو ساعدہ کی بستی بیر بضاعہ کے پاس تھی اور یہ کنواں ان کے گھروں کے درمیان تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ آج کنوئیں کی شمالی جانب مغرب کی طرف مدینہ کے قلعوں میں

سے ایک قلعہ ہے جس کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ابو دجانہ کے اس چھوٹے گھر کے اندر تھا جو بضاعہ کنوئیں کے پاس تھا اور یہ ابو دجانہ' بنو ساعدہ میں سے تھے' انہوں نے بنو ساعدہ کی مسجد اور سقیفہ کے بارے میں اس کا ذکر کرتے ہوئے صرف ایک ہی مسجد کا ذکر کیا ہے' وہ کہتے ہیں' یہ بنو ساعدہ کی مسجد ہے جو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ تھا اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے' وہ حضرت سعد کے قبیلے کا گھر نہیں ہے۔

علامہ رزین عبدری نے عجیب وغریب بات کی ہے' ان کا خیال ہے کہ سقیفہ بنو ساعدہ قباء کے نام سے مشہور ہے لیکن یہ ان کا صرف وہم ہی ہے۔

حضرت ہند بنت زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں' جو حضرت سہل بن سعد ساعدی کی زوجہ ہیں کہ جب سہل میرے پاس آئے تو میں نے دیکھا کہ مسجد گھر کے اندر تھی' میں نے کہا کہ اسے جھونپڑی یا دیوار کے ساتھ کیوں نہیں بنا دیا؟ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ یہاں تشریف فرما ہوئے تھے۔ یہ گھر ابن حمران کا ہو گیا تھا۔

مسجد بنو خدارہ

انہی میں سے مسجد بنو خدارہ بھی ہے' یہ لوگ بنو خدرہ کے بھائی اور خزرج سے تھے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق انصار کے ایک بزرگ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو خدارہ میں نماز پڑھی تھی اور یہیں سر انور بھی مونڈھا تھا۔ ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہاں نماز پڑھی تھی۔ حضرت عمرو بن شرجیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس پتھر پر ہاتھ مبارک رکھا جو حضرت سعد کے گھر میں ان کے کنوئیں کے پاس تھا اور بنو خدارہ کی مسجد میں نماز پڑھی۔

میں کہتا ہوں کہ اس کنوئیں کا ذکر بنو ساعدہ کی تیسری منزل کے بیان میں آ چکا ہے اور یہ بیان بھی آ چکا ہے کہ یہ شام کی طرف سے ثنیۃ الوداع کے قریب مدینہ کے بازار کی حد تھا اور یہ کہ بنو خدارہ کے گھر جار سعد میں تھے۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ گھر دار بنو ساعدہ اور بیر بضاعہ کی طرف بازار مدینہ کے ساتھ تھے اور جب تم اس میں سوچ بچار کرو جو ہم نے بنو ساعدہ کے گھروں کے بیان میں بتا دیا تو پتہ چلے گا کہ یہ ان کا تیسرا گھر تھا جس میں حضرت سعد کا قبیلہ رہتا تھا اور سقیفہ اسی کے پاس تھا اور وہاں بنو ساعدہ کی کوئی مسجد نہ تھی۔

یاد رہے' اس بارے میں غفلت نہ کی جائے جو ہم پہلے بیان کر چکے کہ الحاج شامی کے گھر میں' گھاٹ کے پہلو میں نفس زکیہ کے مزار کے پاس ایک نئی مسجد بنی ہے اسے قاضی الحرمین العلامہ محی الدین حنبلی نے وہاں بنایا ہے تو اس کے بارے میں وہم نہ کیا جائے کہ وہ بھی انہی مسجدوں میں سے ایک ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد راتج

انہی میں سے مسجد راتج ہے' علامہ مطری اور ان کے پیروکاروں نے اس مسجد کا ذکر نہیں کیا البتہ ابن شبہ کے

مطابق حضرت خالد بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس میں نماز پڑھی تھی اور جاسوم نامی وہاں کے کنوئیں سے پانی پیا تھا' عنقریب آگے آ رہا ہے کہ یہ جاسوم ابو الہیثم بن تیہان کا کنواں تھا اور نبی کریم ﷺ نے ان کے باغ میں نماز پڑھی تھی اور راتج کے بارے میں گھروں کا ذکر کرتے وقت بتایا گیا ہے کہ وہ ایک ٹیلہ تھا جس کی وجہ سے اس جانب کا یہ نام ہو گیا اور بنو الشطیہ' راتج ہی کے تین قبائل میں سے ایک تھا اور جو بنو زعوراء وہاں رہتے تھے وہ بنو عبد الاشہل کے بھائی بند تھے اور ابو الہیثم بن تیہان انہیں میں سے تھے' یہی وجہ ہے کہ علامہ اقشہری نے محب طبری سے یہ روایت کی کہ انہوں نے ان مسجدوں کا ذکر کیا جن میں اذان بلال پر وہ نماز پڑھتے تھے چنانچہ انہوں نے کہا: مسجد بنو راتج' یہ بنو عبد الاشہل میں سے تھے۔

میں کہتا ہوں' اس کی درست عبارت مسجد راتج ہے (بنو راتج غلط ہے) اور راتج کا ذکر پہلے مزینہ کے گھروں کے بیان میں گذر چکا جو مہاجرین تھے چنانچہ وہاں کہتے ہیں: بنو سلیم میں سے بنو ذکوان اہلِ راتج یہودیوں کے ہمراہ دارِ قدامہ سے دارِ حسن بن زید کے حصے میں آ ٹھہرے' یہ مقام جبانہ تھا' عنقریب جبانہ کا ذکر' ذباب کی وضاحت میں آ رہا ہے اور آگے خندق کے بیان میں بھی راتج کا ذکر ہو گا اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ ذباب پہاڑ کی مشرقی جانب تھے جس پہاڑ پر مسجد الرایہ ہے جو شامی جانب مائل ہے اور اس کے بعد مشرق میں بنو عبد الاشہل کے گھر تھے اور مطری کہتے ہیں کہ وادیٔ بطحان میں مساجد الفتح کی طرف دو چھوٹے پہاڑ ہیں' ایک کو راتج کہتے ہیں اور جو اس کے پہلو میں ہے' اسے جبل ابو عبید کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں' جو انہوں نے ذکر کیا ہے' اگر صحیح ہے تو یہ یہاں مراد نہیں کیوں کہ وہ جانب بنو عبد الاشہل اور ان کے مذکور بھائیوں کے گھروں میں شمار نہیں اور جو ابن زبالہ وغیرہ نے واضح طور پر لکھا ہے' وہ یہ ہے کہ یہ ایک ٹیلے کا نام ہے اور یہی بات قابلِ بھروسہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد واقم

انہی میں سے ایک مسجد بنو عبد الاشہل ہے۔ یہ لوگ اوس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے' اسی کو مسجد واقم کہتے ہیں چنانچہ ابو داؤد اور نسائی کے مطابق حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مسجد بنو عبد الاشہل میں تشریف لائے اور اس میں مغرب کی نماز پڑھی' جب وہ نماز مکمل کر چکے تو آپ نے دیکھا کہ وہ اس کے بعد سجدہ کر رہے تھے' آپ نے فرمایا کہ یہ گھروں کی نماز ہے۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو عبد الاشہل میں نمازِ مغرب پڑھی اور جب فارغ ہوئے تو فرمایا' یہ دو رکعتیں اپنے گھروں میں پڑھو۔ یہ محمود بن لبید صحابہ میں سے چھوٹے تھے لیکن ان کی روایت صحابہ سے بھی عظمت والی تھی۔

احمد روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہماری مسجد میں تشریف لائے اور ہمیں نمازِ مغرب پڑھائی، سلام پھیرا تو فرمایا، یہ دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھو۔

حضرت عبد اللہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور بنو عبد الاشہل میں ہمیں نماز پڑھائی، میں نے دیکھا کہ سجدہ کرتے وقت آپ اپنے ہاتھ مبارک اپنے کپڑے پر رکھتے تھے۔ یہ صحابی نہیں ہیں۔

ابن ماجہ کے مطابق حضرت عبد اللہ کے دادا ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو عبد الاشہل میں نماز پڑھی، اوپر چادر مبارک لپٹی ہوتی تھی، آپ کنکروں کی ٹھنڈک سے بچنے کے لئے ہاتھ اس پر رکھ لیتے تھے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت اسماعیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں، نبی کریم ﷺ مسجد میں تھے کہ بنو عبد الاشہل کی مسجد کے اندر نماز پڑھی، اوپر برنکان (گلیم، گوڈری) اوڑھی تھی، آپ اس میں سے ہاتھ نکال کر زمین پر نہیں لاتے تھے۔

اُم عامر کہتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرق لے کر حاضر ہوئی تو آپ نے اسے استعمال فرمایا، اس وقت آپ مسجدِ بنوعبدالاشہل میں تھے، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور (نیا) وضو نہیں فرمایا۔

حضرت محمد بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں: کہتے ہیں کہ مدینہ میں نو مسجدیں تھیں، لوگ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آذان سن کر اپنی اپنی مسجدوں میں نماز پڑھ لیتے اور مسجد نبوی میں نہ آتے، صرف جمعہ کو آتے کہ جمعہ وہاں پڑھنا ہوتا تھا اور کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ حضور ﷺ ظہر کی نماز پڑھ کر مسجد بنوعبد الاشہل میں تشریف لے جاتے اور وہیں عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھ لیتے پھر حضرت سعد بن معاذ کے وصال سے قبل اور بعد کوئی ایسا گھر نہ تھا کہ دار عبد الاشہل کے علاوہ اس پر اکثر پردہ دیکھتے۔

میں کہتا ہوں کہ اس مسجد میں نماز کے بارے میں بہت سی روایتیں موجود ہیں لیکن آج کل یہ مشہور نہیں، اور پہلے گذر چکا ہے: علامہ مطری نے کہا کہ دار بنوعبد الاشہل دار بنوظفر کی ایک جانب تھا اور حرۂ واقم بھی ایک طرف تھا، شاید انہوں نے یہ بات یحیٰ سے لے کر کہی ہے جو انہوں نے مسجد بنوظفر کے بارے میں کہا: ''یہ مسجد بنوعبد الاشہل کے قریب ہے جبکہ اس پر کوئی دلیل بھی نہیں اور درست وہی ہے جو ہم پہلے ان کے گھروں کے بیان میں بتا چکے کہ وہ حرۂ مذکور میں بنوظفر کی شامی جانب تھی اور خندق کے بیان میں اس کی وضاحت آ رہی ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو مسجد قرصہ کے بیان میں آ رہا ہے کہ وہ حضرت سعد بن معاذ کا مال تھا اور قرصہ اس جانب میں مشہور ہے جس کا ہم ذکر کر چکے اور بنوعبد الاشہل حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قبیلہ تھا۔ میں نے قرصہ کے قریب کئی گھروں کے نشان دیکھے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ انہی کے گھر تھے اور اس کی تائید اس خط سے ہوتی ہے جو مسرف بن عقبہ

نے واقعہ حرّہ کے بعد یزید کی طرف لکھا تھا کہ: میں نے اپنے ساتھی ان کی خندقوں کے راہوں پر پھیلا دئے ہیں چنانچہ حصین بن نمیر کو میں نے ذباب اور اس کے قرب و جوار کی ذمہ داری دی ہے' حبیش بن دجلہ کو بقیع الغرقد سنبھالنے کو کہا ہے' خود میں اور امیر المؤمنین (یعنی تمہارے) کے قائدین اپنے ساتھیوں کو لے کر بنو حارثہ کے سامنے ڈٹ گئے چنانچہ جب دن چڑھ گیا تو بنو عبد الاشہل کی جانب سے ہم نے ان پر گھوڑے دوڑا دئے' میں نے ظہر انہی کی مسجد میں جا کر پڑھی' ہم نے ان پر تلوار چلائی اور جو بھی ہمارے سامنے آیا' اسے قتل کر دیا اور جو بھاگا' اس کا پیچھا کیا اور ان کے زخمیوں پر فوج کشی کی اور تین دن تک خوب لوٹا۔انتہی۔

پھر دوسرے باب کی پندرہویں فصل میں گذر چکا کہ کچھ بنو حارثہ نے اہلِ شام کے لئے اپنی طرف سے راستہ کھول دیا' وہ بنو حارثہ کی طرف سے آئے۔

علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ جنگ ختم ہونے سے پہلے ہی اوّلاً دارِ بنو عبد الاشہل لُوٹا گیا یعنی اس لئے کہ یہی گھر بنو حارثہ کی طرف سے داخلے کے بعد ان کے سامنے تھا۔واللہ اعلم۔

مسجد القرصہ

انہی میں سے مسجد قرصہ ہے چنانچہ رزین کے مطابق نبی کریم ﷺ انصار کے گھروں کی طرف تشریف لے جاتے اور ان کی مسجدوں میں نماز پڑھتے چنانچہ مسجد قرصہ میں نماز پڑھی۔یہ قرصہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مال تھا۔حضرت زین مراغی لکھتے ہیں کہ شاید یہی وہ قرصہ ہے جو آج کل شمالی جانب سے حرّۂ شرقیہ کی طرف مشہور ہے کیونکہ یہ بنو عبد الاشہل کے گھروں کے قریب تھا جو حضرت سعد کا قبیلہ تھا۔البتہ مسجد کے بارے میں آج کل کچھ معلوم نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ وہاں میں نے کنوئیں کے نزدیک ٹیلے پر مسجد کا نشان دیکھا ہے۔واللہ اعلم۔

مسجد بنو حارثہ

انہی میں سے مسجد بنو حارثہ ہے' یہ اوس سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت حارث بن سعد بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو حارثہ میں نماز پڑھی تھی۔

پھر ابن زبالہ کے مطابق حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو حارثہ میں نماز پڑھی تھی اور عبد الرحمٰن بن سہل کے بارے میں ایک فیصلہ کیا تھا جو خیبر میں قتل ہو گئے تھے' یہ عبد اللہ بن سہل کے بھائی بند تھے اور بنو حویصہ و محیصہکے چچا زاد تھے اور پھر گھروں کے ذکر میں آ چکا کہ بنو حارثہ اسلام آنے سے پہلے دار بنو عبد الاشہل سے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔

مسجد الشیخین (البدائع)

انہی برکت والے مقامات میں سے مسجد شیخین بھی ہے' اسے مسجد البدائع کہا جاتا ہے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت مطلب بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جو شیخین کے قریب ہے اور رات کو وہاں ٹھہرے' پھر اُحد کے دن اس میں صبح کی نماز پڑھی اور پھر وہاں سے اُحد کو تشریف لے گئے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جو بدائع کے نزدیک اور پھر شیخین کے پاس تھی اور صبح ہونے تک رات وہیں ٹھہرے۔ شیخین سے مراد دو ٹیلے ہیں۔

حضرت اُم مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بھنا ہوا گوشت لے کر مسجد البدائع میں پہنچی' آپ نے کھایا' لیٹ گئے اور صبح کو اُحد کی طرف تشریف لے گئے۔

یحییٰ کے مطابق ان کے بیٹے حضرت طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ آج کل اسے مسجد العدوہ کہتے ہیں۔

حضرت یحییٰ کے مطابق حضرت محمد بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ وہ مسجد جس میں حضور ﷺ نے اُحد کو جاتے ہوئے جمعہ کی نماز پڑھی تھی' وہ وہی مسجد ہے کہ تم قناۃ کو جاؤ تو دائیں ہاتھ آتی ہے' قناۃ سے مراد وادی شطاۃ ہے' نبی کریم ﷺ نے اس میں عصر' عشاء اور صبح کی نماز پڑھی تھی اور پھر ہفتہ کو اُحد کی طرف تشریف لے گئے۔

شیخین کی وضاحت میں عنقریب مطری کا یہ قول آ رہا ہے: یہ جگہ مدینہ اور جبلِ اُحد کے درمیان' حرّہ کے ساتھ جبل اُحد کی طرف جاتے وقت مشرقی راستے پر ہے پھر ابن زبالہ کا قول گذر چکا ہے: وہاں کے کچھ یہودیوں کے وہ دو ٹیلے ہیں جنہیں شیخین کہا جاتا ہے جن کے سامنے وہ مسجد ہے جس میں اُحد کو جاتے وقت حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔

مسجد بنو دینار

انہی میں سے مسجد دینار بن نجار ہے جن کا تعلق خزرج سے تھا چنانچہ یحییٰ کے مطابق یحییٰ بن نضر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو دینار میں نماز پڑھی تھی۔ پھر حضرت عقبہ بن عبد الملک کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اکثر اوقات مسجد بنو دینار میں غسالین (دھوبی) کے پاس نماز پڑھا کرتے۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت ایوب بن صالح دیناری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی ایک عورت سے شادی کی تھی کہ بخار آ گیا' حضور ﷺ ان کی بیمار پرسی کو تشریف لے گئے' انہوں نے درخواست کی انہیں ان کی نماز کی جگہ نماز پڑھائیں چنانچہ آپ نے اس مسجد میں نماز پڑھائی جو غسالین کے قریب حضرت دینار بنا رہے تھے پھر گھروں کے ذکر میں گذر چکا کہ مطری کے مطابق ان کے گھر دارِ بنو جدیلہ (بیرحاء کے پاس) اور دارِ معاویہ کے درمیان تھے (یہ مسجد الاجابہ والے تھے) لیکن ابن نجار ان کے خلاف گئے ہیں کیونکہ انہوں نے لکھا ہے: وہ اپنے اس گھر میں ٹھہرے جو بطحان کے پیچھے تھا۔

میں کہتا ہوں؛ اس کی تائید خندق کے بیان میں آ رہی ہے کہ انہوں نے مسجد قبلتین سے حرہ میں دارِ ابن ابی الجنوب تک خندق کھودی اور یہ اس لئے کہ ان کے گھر اسی جانب تھے اور اس لئے بھی کہ ابن زبالہ نے کہا: بنوسواد بنو سلمہ سے تھے، یہ مسجد قبلتین سے ابن عبید دیناری کی سرزمین کی طرف آئے اور آگے آ رہا ہے کہ بنو دینار کا راستہ عقیق ہی کا راستہ تھا جو غربی حرہ میں تھا اور وہیں سقیاء (ندی یا کنواں) بھی تھا جیسے واقدی نے کہا' کیونکہ وہ حرۂ غربیہ میں تھے اور علامہ اسدی نے ان کی مسجد کا نام مسجد الغسالین رکھا ہے کیونکہ بیان ہو چکا کہ وہ غسالین کے پاس تھی اور وادیٔ بطحان کے مغرب میں حرہ کے مقام پر ایک جگہ ہے جسے ''المغسلہ'' کہتے ہیں۔ حضرت مجد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ اس میں غسل فرما لیا کرتے اور آج کل یہ مدینہ منورہ کے قریبی باغوں میں سب سے زیادہ کھجوروں والا باغ ہے۔ انتھیٰ اور شاید وہ یہیں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں میں نے ایک پتھر دیکھا جس پر کوفی خط میں یہ الفاظ ہیں: ''مسجد رسول اللہ ﷺ'' اور اس کے پاس کچھ ایسی علامات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مسجد کی نشانیاں ہیں۔ وہاں غسل خانہ (مغسلہ) بنانے والے نے ایک مسجد بنائی تھی جس میں یہ پتھر لگا دیا ہوگا۔

مسجد بنو عدنان و مسجد دار النابغہ

انہی تبرکات میں سے مسجد بنو عدی بن نجار اور مسجد دار النابغہ بھی ہے جو بنو عدی میں تھی چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت یحییٰ بن عمارہ مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد دارِ النابغہ میں نماز پڑھی جبکہ مسجد بنو عدی میں غسل فرمایا تھا پھر حضرت یحییٰ بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مسجد دار النابغہ اور مسجد بنو عدی میں نماز پڑھی تھی پھر حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو عدی میں نماز پڑھی اور بیت صرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھی پڑھی جو بنو عدی میں سے تھے نیز ابن زبالہ نے یہ الفاظ لئے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے دار النابغہ اور مسجد بنو عدی میں نماز پڑھی اور پھر حضرت مطری سے گذر چکا کہ بنو عدی کے مکانات مسجد نبوی کے قریب تھے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ کسی اور نے مطری کی نہ تو موافقت کی ہے اور نہ ہی مخالفت البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حضرت نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد' انہی میں سے تھے جو خادم رسول ﷺ تھے اور ان کے کنوئیں کے بیان میں جو کچھ رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا گھر مسجد نبوی کی شامی جانب بنو جدیلہ کے قریب ہی تھا۔

دار النابغہ

وہ جو ابن شبہ نے حضرت ابو زید بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ: حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما یعنی رسول اللہ ﷺ کے والد کی قبر مبارک دار نابغہ میں تھی تو اس سے یہی مراد ہے چنانچہ عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: محمد بن عبد اللہ بن کریم نے قبر مبارک کی پہچان کراتے ہوئے کہا کہ جو شخص دار النابغہ

میں داخل ہوتا ہے تو یہ قبر دوسرے گھر کے کواڑ کی بائیں طرف نیچے موجود ہے۔

حضرت ابن عبد البر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور آپ کی قبر مبارک عدی بن نجار کے گھروں میں سے ایک گھر میں تھی چنانچہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ یہی دار النابغہ ہے۔

مسجد بنو مازن

انہی تبرکات میں مسجد بنو مازن بن نجار بھی تھی' ابن زبالہ کے مطابق حضرت یعقوب بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو مازن کی نشاندہی فرمائی لیکن وہاں نماز نہیں پڑھی' انہی سے ایک اور روایت ہے کہ حضور ﷺ نے مسجد بنو مازن کی بنیاد اپنے دستِ اقدس سے رکھی اور پھر بنو مازن میں سے اُمِ بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر نماز پڑھی۔

میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ یہی اُمِ بردہ ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے لخت جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا تھا اور وہ انہی کے پاس فوت ہوئے تھے اور ان کے انتقال پر حضور ﷺ انہی کے گھر تشریف لے گئے تھے اور بقیع ابن زبیر میں ابن شبہ کا جو قول آ رہا ہے کہ ان کا گھر بنو مازن کی طرف جاتے ہوئے بائیں طرف آتا ہے اور یونہی جو مزینہ اور ان کے ہمراہ رہنے والوں کے گھروں کے بارے میں بیان آتا ہے' بظاہر اس سے پتہ چلتا ہے کہ بنو مازن کے مکانات' بنو زریق کے مکانات کے قریب تھے جو جنوب مشرق میں تھے کیونکہ انہوں نے بنو زریق کے گھروں کے ذکر کے بعد لکھا ہے: الی ان یلقی بنی مازن بن عدی بن النّجار' لیکن ان کا ابن عدی کہنا اس نسخہ میں غلطی بنتا ہے کیونکہ یہ مازن خود ہی ابن النجار تھے جبکہ عدی تو ان کے بھائی تھے اور علامہ مطری سے گذر چکا کہ بنو مازن کے گھر بیر بضہ کی طرف اس جانب تھے جسے آج کل ابو مازن کہا جاتا ہے۔ مطری کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن نبی کریم ﷺ کو اسی جگہ ابو سیف العین کی بیوی کے ہاں دودھ پلایا گیا تھا۔

مسجد بنو عمرو

انہی میں سے مسجد بنو عمرو بن مبذول بن مالک بن نجار بھی تھی چنانچہ ابن زبالہ و ابن شبہ کے مطابق حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو عمرو بن مبذول کی مسجد میں نماز پڑھی تھی' یحییٰ بن نضر سے بھی ان کی روایت ایسی ہے لیکن حضرت مطری اور ان کے بعد والوں نے اس مسجد کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے بنو مبذول کو بنو النجار کی شاخ شمار کیا ہے اور گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے کہ ان کے گھر بقیع زبیر کے پاس تھے چنانچہ ان کی جانب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مسجد بقیع الزبیر

انہی میں سے مسجد بقیع الزبیر بھی تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بقیع زبیر میں ضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھی تھیں تو اس پر آپ کے صحابہ نے عرض کیا کہ آپ یہ دو رکعتیں تو نہیں پڑھا کرتے (آج کیوں پڑھی ہیں) آپ نے فرمایا: یہ شوق و رغبت اور رعب کا کام دیتی ہیں لہٰذا انہیں نہ چھوڑا کرو۔

بقیع الزبیر کے بارے میں آگے آ رہا ہے کہ یہ بنوزریق کی مشرقی جانب تھی اور بقال کی جانب بنوغنم کے گھروں کے ساتھ ہی تھی۔

مسجد صدقۃ الزبیر

انہی میں سے ایک مسجد صدقۃ الزبیر تھی جو بنومحمم میں تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جسے زبیر نے بنومحمم میں بنایا تھا' انہی سے ابن شبہ نے ان الفاظ میں بتایا ہے: صدقۃ الزبیر میں بنائی جو قبیلۂ بنومحمم میں تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ جگہ اس موڑ پر تھی جسے "الزبیریات" کہا جاتا تھا اور اُم ابراہیم رضی اللہ عنہا کی قبر کے مغرب میں تھی' اس کا قبلہ' خنافہ اور الاعواف کے قریب تھا اور یہ دونوں بنومحمم کی جائیداد تھے۔

امامِ شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضور ﷺ کی رفاہی زمین ہمارے پاس ہے جبکہ حضرت زبیر والی اسی کے قریب تھی۔

ابن شبہ کے مطابق ابوغسان کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر کو وہ مال (زمین) دیا تھا جسے بنومحمم کہتے تھے' یہ بنونضیر کی زمین تھی' اسی سے انہوں نے بنومحمم کی زمین میں سے خرید کر اپنی اولاد کو دے دی۔

سنن ابو داؤد میں آتا ہے: حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو کھجور کا باغ بطور جاگیر عنایت فرمایا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: حضرت زبیر کو گھوڑے کی لگام دی' انہوں نے گھوڑا دوڑایا اور کھڑے ہو گئے پھر اپنا ڈنڈا پھینکا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک یہ ڈنڈا پہنچا ہے' یہ جاگیر انہیں دیدو۔

صحیح بخاری میں اس شخص کا قصہ موجود ہے جو حرہ کی کھلی جگہ پر حضرت زبیر سے پانی کے بارے میں جھگڑا تھا۔ ہم ابھی بتائیں گے کہ یہ حرۂ بنوقریظہ تھا' پھر طبرانی بتاتے ہیں کہ یہ شخص بنواُمیہ بن زید میں سے تھا' ان کے مکانات اور جائیدار اسی حرہ کے پاس تھی اور جب حضرت اسماء نے حضرت زبیر کی زمین سے گٹھلی اُٹھائی تھی تو اس قصے میں ان کی حدیث ہے کہ یہ زمین مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر تھی۔ یہ سب روایتیں بتاتی ہیں کہ یہ وہی جگہ ہے جو آج کل

''زبیریات'' کے نام سے مشہور ہے اور پھر یہ بات بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ اس جائیدار میں سے بہت سا حصہ آج بھی حضرت زبیر بن عوام کی کافی اولاد کے قبضے میں ہے جنہیں ''کماۃ'' کہتے ہیں۔

مسجد بنو خدرہ

انہی میں سے ایک مسجد بنو خدرہ ہے' یہ لوگ خزرج کے قبیلہ بنو خدارہ کے بھائی بندوں میں سے تھے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو خدرہ کی مسجد میں نماز پڑھی تھی پھر حضرت یعقوب بن محمد بن ابو صعصعہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو خدرہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں نماز پڑھی تھی اور وہ یہی چھوٹی سی مسجد بنو خدرہ ہے جو بیت الحیہ کے سامنے تھی اور پھر ابن شبہ کے مطابق حضرت ربیع بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک گھر میں نماز پڑھی جو مسجد بنو خدرہ کے پہلو میں تھا۔

ابن شبہ اور ابن زبالہ کے مطابق حضرت عبد الرحمٰن بن ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو خدرہ میں نماز نہیں پڑھی تھی اور پھر گھروں کے بیان میں گذر چکا کہ بنو خدرہ نے اپنے گھر میں قلعہ بنایا جسے ''اجرد'' کہتے تھے' ان کے کنوئیں کا نام ''بصّہ'' تھا اور یہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا کا تھا۔ مطری کہتے ہیں کہ اس کا کچھ حصہ ابھی تک باقی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ وہی ہے جس پر زکوی بن صالح نے اپنا وہ گھر بنایا تھا جو بئر بصّہ کے پاس تھا اور یہ جو انہوں نے ''مقابل بیت الحیّۃ'' کہا ہے تو شاید وہ اس کے ذریعے اس گھر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں سانپ (حیہ) کا واقعہ ہوا چنانچہ حضرت مسلم کے مطابق حضرت ابو السائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو سعید خاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر انہیں ملنے گیا' دیکھا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے' میں انتظار کرنے لگا کہ ابھی فارغ ہو جائیں گے۔ اسی اثناء میں میں نے گھر کی ایک جانب کھجور کی لکڑی ہلتے دیکھی' دیکھا تو سانپ تھا چنانچہ میں اسے مارنے کے لئے دوڑا لیکن انہوں نے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ' میں بیٹھ گیا۔ سانپ چلا گیا تو انہوں نے گھر میں ایک اور گھر کی طرف اشارہ کیا اور کہا اس گھر کو دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا' ہاں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک کی ابھی ابھی شادی ہوئی' ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ خندق کی طرف روانہ ہوئے' وہ نوجوان دوپہر کے وقت حضور ﷺ سے گھر جانے کی اجازت مانگتا تھا' ایک دن اجازت مانگی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: اپنے ہتھیار لے لو کیونکہ میں قریظہ کے بارے میں تم پر خوف کھاتا ہوں۔ اس نے اپنے ہتھیار لے لئے اور پھر لوٹ گیا۔ اس کی بیوی دونوں دروازوں میں کھڑی تھی' اس نے نیزہ اس کی طرف بڑھایا کہ اسے زخمی کر دے' اسے غیرت کھائے جا رہی تھی۔ وہ کہنے لگی رُک جاؤ اور اپنا نیزہ پیچھے کر لو' اندر آ جاؤ اور دیکھو کہ میں کیوں باہر کھڑی ہوں؟ وہ اندر گیا تو دیکھا کہ ایک بڑا سانپ فرش پر لپٹا پڑا تھا' یہ نیزہ لے کر اس کی طرف بڑھا اور پار کر دیا پھر وہ نیزہ گاڑ کر باہر آیا تو سانپ اس پر جھپٹا اور یہ معلوم نہ ہو سکا

کہ سانپ پہلے مرا یا وہ جوان۔

راوی کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ سنایا پھر عرض کی' دُعا فرمایئے کہ اللہ اسے زندہ فرما دے۔فرمایا: اپنے ساتھی کی بخشش کی دُعا کرو! پھر فرمایا کہ مدینہ میں جن موجود ہیں جو اسلام لے آئے ہیں' اگر تم ان کی طرف سے کوئی ایسی شے دیکھو تو تین دن کی انہیں مہلت دو اور اگر پھر بھی دکھائی دیں تو پھر قتل کر دو کیونکہ وہ شیطان ہوگا۔

مسجد بنو حارث

انہی میں سے مسجد بنو حارث بن خزرج تھی اور مسجد سنخ بھی چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو خدارہ' حبلی اور حارث بن خزرج اور مسجد سنخ میں نماز پڑھی۔ابن زبالہ نے مسجد بنو حارث بن خزرج اور مسجد سنخ کا نام لیا ہے۔

میں کہتا ہوں' پہلے بتا دیا گیا کہ بنو حارث کے گھر' بطحان اور تربت صعیب کی مشرقی جانب تھے اور آج کل ''بنو'' کا لفظ اُتار کر انہیں صرف حارث کہہ دیتے ہیں' ان کے قریب ہی سنخ تھا جو مسجد نبوی سے میل بھر کے فاصلے پر تھا' یہ گھر جشم اور زید کے تھے جو حارث بن خزرج کے لڑکے تھے اور وہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا جہاں آپ اپنی بیوی بنت خارجہ کے پاس ہوتے تھے۔

مسجد بنو الحبلیٰ

انہی میں سے مسجد ابو الحبلیٰ تھی' یہ عبداللہ بن ابی بن سلول کا قبیلہ تھا جس کا تعلق خزرج سے تھا چنانچہ ابن زبالہ و ابن شبہ کے مطابق حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو الحبلیٰ میں نماز پڑھی۔مطری کا بیان گزر چکا کہ ان کے گھر قباء اور بنو حارث کے اس گھر کے درمیان تھے جو بطحان کے مشرق میں تھا۔

مسجد بنو بیاضہ

انہی میں سے مسجد بنو بیاضہ تھی' یہ لوگ خزرج میں سے تھے چنانچہ ابن شبہ و یحییٰ کے مطابق حضرت سعید بن اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنو بیاضہ کی مسجد میں نماز پڑھی' یونہی ابن زبالہ نے بھی روایت کی اور پھر عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میرے والد نابینا ہو گئے' ایک دن میں انہیں انگلی سے پکڑے جمعہ کے دن مسجد کو لے جا رہا تھا تو راستے میں اذان سنائی دی' انہوں نے سنتے ہی کہا: اللہ تعالیٰ اسعد بن زرارہ پر رحم فرمائے' یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اس بستی میں ہمیں جمعہ پڑھایا تھا' ان دنوں ہم چالیس افراد تھے جو حرۂ بنو بیاضہ کی پست زمین میں ٹھہرے تھے۔

ابن زبالہ کے مطابق بھی ربیعہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کھلے میدان میں

پتھریلی جگہ پر نماز پڑھی تھی اور بنو بیاضہ کے گھروں کے بیان میں بتایا چکا کہ یہ ''رحابہ'' زرعی زمین تھی جس کی شامی جانب ''عقرب'' نامی قلعہ تھا جو آلِ عاصم بن عطیہ بن عامر بن بیاضہ کا تھا البتہ ابن زبالہ نے ایک اور قلعے کا بھی ذکر کیا ہے جو رحابہ اور حیرہ دونوں زرعی زمینوں کے درمیان تھا اور یہ گذر بھی چکا ہے کہ دارِ بنو بیاضہ دارِ بنو سالم کی شامی جانب تھا (یہ اہلِ مسجد جمعہ تھے) سے لے کر وادیٔ بطحان تک جاتا تھا جو دارِ بنو مازن بن نجار کی طرف تھا اور یہ اس حرّہ تک پھیلا ہوا تھا' اس کا کچھ حصہ شور زمین میں تھا۔

ابن زبالہ کے مطابق ابراہیم کے دادا کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج رات بنو سالم اور بنو بیاضہ کے درمیان ''رحمت'' واقع ہوئی ہے؟ اس پر دونوں نے عرض کی کہ کیا ہم ادھر منتقل ہو جائیں گے؟ فرمایا نہیں بلکہ اس میں قبریں بناؤ۔

مسجد بنوخطمہ

انہی میں سے مسجد بنوخطمہ بھی تھی جو اوس سے تعلق رکھتے تھے اور پھر مسجد العجوز بھی تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حارث بن فضل اور ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنوخطمہ میں نماز پڑھی۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت مسلمہ بن عبداللہ خطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد عجوز میں نماز پڑھی جو بنوخطمہ میں قبر کے نزدیک تھی اور وہ مسجد العجوز وہ تھی جو براء بن معمرور کی قبر کے پاس تھی۔ حضرت براء بیعت عقبہ میں موجود تھے اور ہجرت سے پہلے فوت ہو گئے' انہوں نے اپنے مال کا تیسرا حصہ نبی کریم ﷺ کو پیش کرنے کی وصیت کی تھی اور اپنی قبر کے بارے میں کہا تھا کہ اسے کعبہ رُخ بنایا جائے۔

ابنِ زبالہ کے مطابق حضرت افلح بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد العجوز میں نماز پڑھی جو بنوخطمہ میں تھی' یہ وہ عورت تھی جس کا تعلق بنوسلیم اور پھر بنوظفر بن حارث سے تھا اور پھر کنوؤں کے بیان میں حضرت عبداللہ بن حارث کی روایت آ رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بئر بنی خطمہ کے پانی سے وضو فرمایا جو ان کی مسجد کے صحن میں تھا اور پھر ان کی مسجد میں نماز پڑھی۔

علامہ مطری سے گذر چکا کہ ان کے نزدیک زیادہ واضح بات یہ ہے کہ ان کے گھر بالائی حصے میں مسجد شمس کی مشرقی جانب تھے اور ہمارے نزدیک زیادہ واضح بات یہ ہے کہ وہ لوگ ماجشونیہ کے قریب تھے کیونکہ بطحان کے سیلاب کے ذکر میں ابن شبہ کا یہ قول ملتا ہے: وہ سیلاب ''جفاف'' میں گرتا تھا اور وہاں سے بنوخطمہ اور اغرس کے کھلے علاقے میں گذرتا تھا اور مذینب میں ان کا یہ قول ہے: یہ اور بنوقریظہ کا سیلاب ''مشارف'' میں جا ملتا تھا جو بنوخطمہ کا میدانی علاقہ تھا اور آگے آ رہا ہے کہ چونے کی بھٹی کے پاس تھا جو ماجشونیہ کی شامی جانب تھی' میں نے وہاں بستی اور قلعوں کے نشان دیکھے ہیں۔

مسجد بنو امیہ اویسی

انہی میں سے مسجد بنی امیہ بن زید تھی' یہ اوس سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت عمر بن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی مسجد میں نماز پڑھی تھی جن کا تعلق انصار میں سے بنو امیہ سے تھا اور پھر ''کبابین'' کی جگہ پر دو ویران مقام تھے اور وہ نہیک کی جائیداد کے ساتھ تھے۔

حضرت محمد بن عبد الرحمٰن بن وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس ویران جگہ پر نماز پڑھی' یہ مصلائے نبی ﷺ کے پاس تھی' وہاں جھونپڑی تھی' وہ گر گئی اور اس مکان پر گری جو اس میں تھا' اس نے اسے چھوڑ دیا' اس پر مٹی ڈالی تو وہ ٹیلہ سا بن گیا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت سعید بن عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو امیہ میں ٹیلے کی جگہ پر نماز پڑھی' یہ جگہ نہیک بن ابو نہیک کے قبضے میں تھی۔

حضرت مطری کہتے ہیں کہ ان کا گھر بنو حارث بن خزرج کے گھر کے مشرقی جانب تھا' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی انصاری بیوی کے ہمراہ ان میں اسی وقت قیام کیے ہوئے تھے جب آپ اور ایک انصاری پڑوسی باری باری مدینہ میں ٹھہرا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ جو کچھ گھروں کے بیان سے مجھے دکھائی دیا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نواعم اور برعھن کے پاس تھے کیونکہ یہ ان کی جائیداد تھی اور مذینب کا پانی ان کے گھروں سے گزر کر ان کی جائیداد تک پہنچتا تھا اور حرہ شرقیہ میں ان جگہوں کے نزدیک ایک بستی کے آثار ملتے ہیں جہاں سے مذینب کا سیلاب گذرتا تھا اور بظاہر یہ انہی کی بستی تھی۔ اس کی گواہی یہ چیز بھی دیتی ہے کہ ابن اسحاق نے کعب بن اشرف کے مقتل میں ذکر کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ اور اس کے ساتھی چاندنی رات میں ان کے قلعہ تک پہنچے تو ابو نائلہ نے اسے آواز دی۔ پھر اس کے قتل کا ذکر کیا اور پھر محمد بن مسلمہ نے کہا' ہم نکل پڑے اور چلتے چلاتے بنو امیہ بن زید اور پھر بنو قریظہ کے پاس پہنچے اور پھر بعاث کے پاس گئے اور حرۃ العریض میں ٹھہرے۔

مسجد بنو وائل اوسی

انہی میں سے ایک مسجد بنو وائل تھی جو اوس سے تھے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حارث بن فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو وائل میں نماز پڑھی تھی اور ابن شبہ کے مطابق حضرت سلمہ بن عبد اللہ خطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے بیت القعدہ میں نماز پڑھی جو مسجد بنو وائل کے نزدیک تھا' انہی سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد وائل میں نماز پڑھی اور آپ ان دو اگلے ستونوں کے پاس تھے جو امام کے پیچھے تھے' یہ فاصلہ تقریباً پانچ ہاتھ تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ وہاں ہم نے میخ گاڑ دی۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ بظاہر ان کے گھر مسجد شمس کے

شرق میں تھے۔

میں کہتا ہوں' بظاہر یہ جگہ قباء میں ہے اور یہی وہ مسجد ہے جو ابن نجار کے اس قول میں مراد ہے کہ:

''مدینہ میں کئی پرانی مسجدیں ہیں جن میں محراب تھے اور جن میں بچے کھچے ستون تھے' انہیں توڑ دیا گیا اور ان کے پتھروں سے لوگوں نے گھر بنا لئے' ایک ان میں سے مسجد تھی جو قباء میں مسجد ضرار کے سامنے تھی' اس میں ایک ستون کھڑا تھا۔انتہی

تو لگتا ہے کہ مطری کے دور اور ان کے درمیانی عرصے میں باقی حصہ ٹوٹ گیا ہوگا جس کی وجہ سے مطری کو ان کا کوئی نشان نہیں مل سکا۔''

مسجد بنی واقف

انہی میں سے مسجد بنو واقف تھی جو اوس سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت حارث بن فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد بنو واقف میں نماز پڑھی تھی' مطری نے کہا کہ مسجد بنو واقف مدینہ کے بالائی حصہ میں ایک جگہ تھی جس میں بنو واقف اوسی کے گھر تھے' یہ ہلال بن امیہ کا قبیلہ تھا اور یہ ان تین میں سے ایک تھے جن کی اللہ نے اس موقع پر توبہ قبول فرمائی تھی جب یہ لوگ غزوۂ تبوک سے رہ گئے تھے۔آج کل ان کے گھر کا کسی کو علم نہیں' صرف اتنا معلوم ہے یہ مدینہ کی بالائی جانب تھا۔

میں کہتا ہوں' ایسی بات نہیں بلکہ ان کے گھروں میں سے میں ایک کو پہچانتا ہوں کیونکہ ان کے گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے کہ وہ مسجد فضیخ کے پاس ٹھہرے تھے اور انہوں نے اس کے قریب ہی قلعہ بنایا تھا اور ان گھروں کے ذکر میں یہی فائدہ ہے کہ اس گھر کا پتہ چل جائے گا لیکن مطری نے اس بات کا خیال نہیں کیا البتہ علامہ مجد پر تعجب ہے کہ انہوں نے وہی بیان کیا جس کا ذکر ہم گھروں میں کر آئے لیکن پھر مسجدوں کے ذکر میں وہ مطری کے پیچھے لگ گئے۔

مسجد بنو انیف

انہی متبرک مقامات سے ایک مسجد بنو انیف تھی' یہ بنو بلی کا قبیلہ تھا اور کہا یہ جاتا ہے کہ یہ لوگ عمالقہ کے بچے کھچے لوگ تھے جیسے یہودیوں کے گھروں میں آچکا اور پھر بنو عمرو بن عوف اوسی کے گھروں کے بیان میں ہم بتا چکے ہیں کہ یہ لوگ ان کے حلیف تھے اور ابن زبالہ کے مطابق حضرت عاصم کے والد سوید نے بتایا کہ میں نے بنو انیف کے بزرگوں سے سنا' وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ نماز پڑھی جہاں طلحہ بن براء لوٹ آئے تھے' وہ ان کے قلعہ کے قریب تھی۔عاصم کہتے ہیں کہ میرے والد نے بتایا' میں نے انہیں دیکھا تو وہ وہاں چھڑکاؤ کر رہے تھے اور اس کے بعد انہوں نے وہاں تعمیر کر دی چنانچہ یہی مسجد بنو انیف تھی جو قباء میں تھی۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت طلحہ بن براء انہی میں شامل تھے اور صحابہ کے بارے میں گفتگو کرنے والے بتاتے ہیں

کہ براء قبیلہ بلی سے تھے اور اوس کے حلیف تھے چنانچہ یہی وہ سبب ہے جس کی بناء پر مطری اور ان کے بعد والوں کو غلطی لگی اور انہوں نے یہ کہہ دیا کہ یہ اوس سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ کہا: ان کا گھر بنو عمرو بن عوف اور عصبہ کے درمیان قباء میں تھا۔

میں کہتا ہوں' قابلِ بھروسہ بات ہماری ہے اور ان کا گھر قباء میں ''قائم'' نامی زمین میں تھا جو مسجد قباء کے جنوب مغربی جانب تھا اور پھر ''بیرِ عذق'' کے پاس تھا۔

مسجد دارِ سعد بن خیثمہ

انہی میں سے ایک' قباء میں مسجد دارِ سعد بن خیثمہ تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق مطری نے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جو قباء کے اندر دارِ سعد بن خیثمہ میں تھی اور پھر وہاں بیٹھے بھی رہے۔ حضرت مطری کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن خیثمہ کا گھر ان گھروں میں سے ایک تھا جو مسجد قباء کی قبلہ والی جانب تھے' لوگ جب مسجد قباء میں زیارت کرنے آتے اور اس میں نماز پڑھتے تو یہیں سے گذرتے۔

پھر اسی جگہ میں کلثوم بن ہدم کا مکان بھی تھا اور مدینہ کی طرف جانے سے قبل حضور ﷺ یہیں اُترے تھے اور یونہی آپ کے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہلِ بھی اسی جگہ رُکے تھے جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے بعد انہیں مکہ سے لے کر نکلے تھے' وہ لوگ یہ تھے: حضرت سیّدہ سودہ' حضرت سیّدہ عائشہ اور ان کی والدہ' ان کی ہمشیرہ سیّدہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہن' سیّدہ اسماء کے پیٹ مبارک میں اس وقت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے چنانچہ انہوں نے مدینہ جانے سے قبل انہیں قباء میں جنم دیا' مہاجرین میں سب سے پہلے مدینہ میں پیدا ہونے والے آپ ہی تھے۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں' یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ: ''حضرت علی آئے تو ان کے ساتھ یہ لوگ تھے۔'' تو یہ محلِ نظر بات ہے کیونکہ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کو قباء میں ملے تھے پھر وہاں سے حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس کے بعد مکہ بھیجا تھا جو ان حضرات کو لے کر آئے' ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن ابوبکر کے کچھ افراد کو لے کر گئے تھے جبکہ اس حدیث پر سب کا اتفاق ہے جس میں ان کے عبداللہ بن زبیر کو جنم دینے کا ذکر ہے اور پھر اس میں یہ بھی ہے کہ وہ اسلامی دور میں مدینہ میں پیدا ہونے والے پہلے فرد تھے جس پر وہ خوش ہوئے تھے کیونکہ انہیں کہا گیا تھا کہ یہودیوں نے تم پر جادو کر دیا ہے لہٰذا تمہارے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہ ہوگا اور پھر اسی میں یہ دلیل بھی ہے کہ ان کی ولادت حضور ﷺ کے قباء میں پہنچے کے کچھ عرصہ بعد ہوئی تھی۔

علامہ ذہبی نے واقدی کی پیروی میں کہا کہ وہ ۲ھ کو پیدا ہوئے تھے جبکہ ابن حجر لکھتے ہیں قابل بھروسہ بات یہ ہے کہ وہ ۱ھ کو پیدا ہوئے کیوں کہ حدیث پیدائش پر سب کا اتفاق ہے۔ مسجد قباء کے ذکر میں آ چکا ہے کہ حضرت سعد بن

خیثمہ کا گھر وہی تھا جو قبلہ والی جانب سے مسجد کے ساتھ تھا۔

مسجد التوبہ

انہی میں سے ''عصبہ'' کے مقام پر مسجد توبہ بھی تھی' یہ بنوجحجبا کے گھروں میں تھی جو بنوعمرو بن عوف اوسی سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت افلح بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عصبہ کے مقام پر بئر ہجیم کے پاس مسجد توبہ میں نماز پڑھی تھی۔اس بارے میں مطری کہتے ہیں کہ آج اس کنوئیں کا علم نہیں اور ''عصبہ'' مسجد قباء کی غربی جانب تھا جس میں بہت سے کھیت اور کنوئیں تھے۔

میں کہتا ہوں' یہ جو گھروں کے بارے میں لکھا جا چکا کہ انہوں نے ہجیم نامی قلعہ بنایا' یہ اس مسجد کے قریب تھا جس میں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی' اس سے پتہ چلتا ہے کہ بئر ہجیم اس قلعہ کی طرف منسوب تھا لہٰذا مسجد بھی وہیں تلاش کرنی چاہئے البتہ مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اسے مسجد التوبہ کا نام دینے کا سبب کیا تھا۔

مسجد النور

انہی میں سے ایک مسجد النور تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد کے والد فضالہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد النور میں نماز پڑھی تھی لیکن مطری کہتے ہیں کہ آج اس کی جگہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں' اس مسجد کا نام مسجد النور رکھنے کی وجہ میں نہیں جان سکا البتہ اسدی نے اپنے ''منسک'' میں ان مسجدوں کا ذکر کیا ہے جو مسجد قباء کے نزدیک قابلِ زیارت ہیں' ان میں اس کا ذکر بھی کیا ہے پھر انہوں نے ان مساجد میں بھی اس کا ذکر کیا ہے جو مدینہ کے قریبی علاقے اور اردگرد میں قابلِ زیارت ہیں اور شاید یہ مسجد وہی جگہ ہے کہ حضرت اسید بن حضیر۔اور عباد بن بشر (دونوں بنوعبد الاشہل سے ہیں) اس تاریک رات میں جہاں پہنچے تھے' وہ حضور ﷺ کے ہاں تھے' رات تاریک تھی' انہوں نے حضور ﷺ سے شکایت کی اور جب وہاں سے روانہ ہوئے تو ان میں سے ایک کی چھڑی روشن ہو گئی چنانچہ وہ اس کی روشنی میں چلتے رہے اور جب راستے جدا ہونے کا مقام آیا تو دونوں کی چھڑیاں روشن ہو گئیں اور وہ ان کی روشنی میں چلتے گئے۔اس لحاظ سے یہ مسجد بنوعبد الاشہل کے گھروں میں قرار پاتی ہے پھر احمد نے حضرت قتادہ بن نعمان ظفری کی حدیث لکھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں تاریک رات میں کھجور کی چھڑی دی تھی جو ان کے آگے اور پیچھے دس دس ہاتھ تک روشنی کرتی جاتی تھی۔الحدیث اور ابونعیم کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس باتیں کرتے جاگتے رہے کہ اسی اثناء میں رات کا تہائی حصہ گذر گیا' پھر وہ وہاں سے نکلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمراہ ہو لئے' رات تاریک تھی اور دونوں صحابہ میں سے ایک کے پاس لکڑی تھی' وہ ان کے ہاتھ میں روشن ہو گئی جبکہ ان کے اوپر بھی روشنی ہوئی اور وہ اپنی اپنی جگہ پر پہنچ گئے۔

مسجد عتبان بن مالک

انہی میں مسجد عتبان بن مالک بھی تھی جس کا اصل قلعہ ''مزدلف'' میں موجود ہے' یہ دارِ بنو سالم بن خزرج میں تھی۔ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابراہیم بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ عتبان بن مالک نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرے اور مسجد کے درمیان سیلاب آ جایا کرتا ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے ان کے گھر میں نماز پڑھی اور یہ وہی مسجد ہے جو''مزدلف'' میں ہے۔اسے یحیٰی نے روایت کرتے ہوئے کہا: یہ وہی مسجد ہے جہاں اس کے نزدیک ہی مالک بن عجلان کا قلعہ ہے۔

میں کہتا ہوں' مسجد جمعہ کے بیان میں گزر چکا کہ ''مزدلف'' وہی خراب شدہ قلعہ تھا جو مسجد جمعہ کی شامی جانب تھا جو مشرقی وادی کی اونچی جگہ پر واقع تھا اور حضور علیہ السلام کا دارِ عتبان میں نماز پڑھنا بخاری شریف میں موجود ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ان کی قوم کی مسجد (جس کے اور ان کے درمیان سیلاب آ جاتا تھا) بڑی تھی جو ان کے گھروں میں حرہ کے مقام پر غربی وادی کی اونچی جگہ پر موجود تھی۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ان کے گھر میں دوپہر کو نفل پڑھے چنانچہ وہ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور نفل پڑھے۔

حضرت سعد بن اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے بنو سالم کی بڑی مسجد میں نماز نہیں پڑھی۔

مسجد میثب (صدقۃ النبی علیہ السلام)

انہی میں سے مسجد میثب تھی جو صدقہ النبی علیہ السلام تھی چنانچہ ابن زبالہ' ابن شبہ اور یحیٰی کے مطابق حضرت محمد بن عقبہ بن ابو مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنی رفاہی جگہ پر موجود مسجد میثب میں نماز پڑھی اور صدقات کے بیان میں آ رہا ہے کہ یہ میثب ''برقہ'' وغیرہ رفاہی زمینوں کے ساتھ ہی تھی۔

مسجد المنارتین

انہی میں سے مسجد المنارتین تھی چنانچہ ابن زبالہ و یحیٰی کے مطابق حضرت حرام بن سعد بن محیصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے اس مسجد میں نماز پڑھی جو عقیق کبیر کے راستے میں منارتین کے نیچے تھی۔مطری کہتے ہیں کہ اس مسجد کا کوئی پتہ نہیں' بس اتنا معلوم ہے کہ عقیق کے راستے کے ساتھ ہی تھی۔

میں کہتا ہوں ابن زبالہ کے مطابق عبد اللہ بن بولا کہتے ہیں کہ ابتدائی مہاجرین میں سے چار قبیلے وہ ہیں جن میں سے ہر ایک بتاتا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام اس سرخ پتھر کی طرف چلے جو منارتین کے درمیان تھا' یکا یک دیکھا تو ایک مردہ بکری پڑی تھی جس سے بدبو آ رہی تھی' انہوں نے ناک پر کپڑے ڈال لئے جس پر نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: اس بکری کا اپنے مالک پر کیا اثر دیکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کی' یا رسول اللہ! یہ کیا اثر دکھا سکتی ہے؟ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ

دنیا اللہ کے سامنے اس سے بھی ہلکی ہے جتنا یہ بکری اپنے مالک کے لئے ہلکی ہے۔

حضرت ابراہیم کے والد محمد کہتے ہیں کہ اس پہاڑ کا نام "النعم" تھا۔

میں کہتا ہوں' یہ وہی سرخ پہاڑ ہے کہ تم عقیق کی طرف چلتے ہوئے "رقیقین" سے گذرو تو تمہاری بائیں جانب آتا ہے کیونکہ جو کچھ لکھا گیا ہے' اسی پر سچا آتا ہے اور یوں بھی کہ میں خود اس کے پاس پہنچا اور اس پر چڑھا تو دیکھا کہ اس پر وہ بنیاد موجود تھی جس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ منارتین اس کے قریب ہی "رقیقین" کے پاس ہیں اور وہیں اس مسجد کی جگہ ہے۔

مسجد فیفاء الخُبار

انہی میں سے مسجد فیفاء الخبار تھی چنانچہ ابن اسحاق غزوۂ العشیرہ میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بنو النجار میں سے بنو دینار کے راستے پر چلے' پھر فیفاء الخبار کی جانب تشریف لے گئے اور بطحاء بن ازھر کے قریب ایک درخت کے نیچے اُترے جسے "ذات الساق" کہتے تھے' وہیں نماز پڑھی چنانچہ وہیں مسجد ہے' وہیں آپ کے لئے کھانا تیار کیا گیا جس میں سے آپ نے بھی کھایا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ مل کر کھایا چنانچہ "برمہ" میں اس کے نشانات دیکھے جا سکتے ہیں اور پھر آپ کے لئے مشیرب سے پانی لایا گیا۔ انتہٰی۔

یہ مشیرب کا لفظ "مشرب" کی تصغیر ہے' یہ ذات الجیش کی شمالی جانب پہاڑوں کے درمیان تھا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ فیفاء الخبار' جماوات کی غربی جانب ہے اور یہ جماوات وہ پہاڑیاں ہیں جو وادئ عقیق کی غربی جانب ہیں۔ یہ علامہ مجد کا وہم ہے کہ انہوں نے' ان کے قول "وَهِيَ" والی ضمیر فیفاء الخبار کی جانب لوٹتے سمجھی ہے چنانچہ کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ وہ پہاڑیاں ہیں جو وادئ عقیق کے مغرب میں ہیں۔ انتہٰی اور آگے ساتویں باب کی چوتھی فصل میں علامہ ہجری سے آ رہا ہے کہ اُم خالد کی ہموار زمین' تضارع کی زمین سے شمالی ہواؤں کی جگہ پر ہے اور یہ فیفاء الخبار اُم خالد کی زمین تھی۔

ابن سعد نقل کرتے ہیں' ابن عقبہ نے کہا کہ فیفاء الخبار جماء کی پچھلی طرف ہے۔ الخبار کے لفظ میں خاء پر زبر اور باء پر بھی زبر ہے' سَحَاب کے وزن پر ہے' یہ نرم اور ڈھیلی زمین پر بولا جاتا ہے اور اس پر بھی جو پتھروں اور گڑھوں والی ہو اور فیفاء سخت پتھر کو کہتے ہیں۔

علامہ مطری کہتے ہیں' یہاں صدقے کے اونٹ (راہِ خدا میں استعمال ہونے والے) اور حضور ﷺ کی اونٹنی چرا کرتی تھی اور پھر عرنیین کا وہ قصہ لکھا جسے ہم اپنے موقع پر پہلے بتا چکے ہیں اور جو اس طرف جانے کا ارادہ کریں انہیں چاہئے کہ جماوات کی زیارت کریں اور عظم پہاڑ کی بھی کیونکہ ان کی عظمت کے بارے میں آگے آ رہا ہے۔

وہ مسجد جو جنجانہ اور بئر شداد کے درمیان ہے

انہی میں سے وہ مسجد بھی ہے جو جنجانہ اور شداد کے کنوئیں کے درمیان ہے اور بقیع سے ملنے والی وادی کی ایک جانب ہے چنانچہ ابن زبالہ نے اسی کے ضمن میں عمر بن قاسم اور عبد الملک بن عمر کی روایت لکھی ہے چنانچہ بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنجانہ اور شداد کے کنوئیں کے درمیان وہاں موجود ٹیلے پر نماز پڑھی تھی۔

علامہ ہجری۔ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جنجانہ، حضرت عباد بن حمزہ بن عبد اللہ بن زبیر کا صدقہ تھا (رفاہی اور لوگوں پر خرچ کی جانے والی زمین) وہاں محلات وغیرہ تھے اور ہجری کے کلام سے یہ بات نکلتی ہے کہ شرید کی پہاڑی اور حلیفہ کے درمیان تھا۔

نوٹ:

یہاں ان مساجد مدینہ کے بیان کا اختتام ہو رہا ہے جن کی ہمارے زمانے میں اصل صورت موجود نہیں اللہ کی توفیق سے جو کچھ معلوم ہوا، درج کر دیا ہے اور ان کی تعداد تقریباً چالیس ہے۔

وہ گھر جن میں حضور ﷺ نے نماز پڑھی

تتمہ

کچھ ان گھروں کے بارے میں بتایا جا چکا ہے جہاں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی یا صرف بیٹھے تھے اور قیام نہیں فرمایا، بات پوری کرنے کے لئے ہم اللہ کی توفیق سے بقایا مقامات کا ذکر کر رہے ہیں تا کہ ہر جگہ کی واقفیت کرائی جا سکے چنانچہ یحییٰ کے مطابق حضرت طلحہ بن طویل کہتے ہیں، میں نے اپنے ملنے والے بہت سے لوگوں سے سنا کہ نبی کریم ﷺ جب اپنے باڑے کی طرف تشریف لاتے (وہ حکم بن ابو العاص کا تھا) جب وہاں سے نکلتے تو اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر دُعا فرماتے۔

دار الشفاء

حضرت محمد بن طلحہ کے مطابق، محمد بن سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دار الشفاء میں اس گھر کے اندر نماز پڑھی جو گھر میں داخل ہونے والے کی دائیں طرف تھا۔

دار الضمری

حضرت محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: حضور ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں بھی نماز پڑھی تھی جو گھر میں داخل ہونے والے کی دائیں طرف تھا۔

دار بسرہ

حضرت محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: حضور ﷺ نے بسرہ بنت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں نماز پڑھی تھی۔

میں کہتا ہوں، رہا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تو پہلے دار السوق وغیرہ میں آ چکا ہے کہ وہ کس جہت میں تھا۔

رہا دار الشفاء تو ابن شبہ نے بنو عدی بن کعب کے گھروں کے بیان میں کہا ہے کہ "شفاء بنت عبد اللہ نے اپنا وہ گھر تعمیر کیا جو حکاکین میں تھا اور خط میں کھلتا تھا چنانچہ اس کے لڑکے کے قبضے کچھ لوگ نکل گئے اور فضل کے پاس چلے گئے اور ان کے قبضے میں چند ایک رہ گئے۔ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ نبی کریم ﷺ ان شفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور قیلولہ (دوپہر کو سونا) فرماتے پھر مصلائے عید میں آ چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دار الشفاء کے پاس عید پڑھی تو ظاہر ہے کہ یہ گھر مدینہ کے بازار اور مصلّٰے کے قریب تھا لیکن دارِ بسرہ کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا اور نہ ہی مذکور باڑے کے بارے میں علم ہے اور پھر بلاط کے ذکر میں دارِ بنت الحارث کے بارے میں لکھا چکا ہے۔

ابو داؤد نسائی کے مطابق حضرت عبد الرحمٰن کے والد حضرت طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دارِ یعلی سے آگے گذرتے تو قبلہ رو ہو کر دُعاء مانگا کرتے تاہم دارِ یعلی کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں۔

دار اُم سلیم

صحیح بخاری شریف میں حضرت ثمامہ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں حضرت اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کے لئے صاف چمڑا بچھا دیا کرتیں جہاں حضور ﷺ قیلولہ فرماتے اور جب حضور ﷺ اُٹھ بیٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ اور بال مبارک شیشی میں محفوظ کر لیا کرتیں۔ جب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب المرگ ہوئے تو انہوں نے وصیت کی کہ انہیں یہی خوشبو لگائی جائے چنانچہ آپ کو خوشبو کے طور پر یہی لگایا گیا پھر اسی میں ایک حدیث کھانا بڑھانے کے بارے میں ہے، الفاظ یہ ہیں: ابو طلحہ نے اُم سلیم سے کہا: میں نے حضور ﷺ کی آواز ایسی کمزور سنی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھوک لگی ہے تو کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے کہا، ہاں اور پھر جو کی کچھ روٹیاں نکال لائیں، انہیں ایک کپڑے کے کنارے میں لپیٹا اور مجھے پکڑا دیں اور باقی کپڑا میرے اوپر لپیٹ دیا اور پھر مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔

وہ کہتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں گیا، میں نے دیکھا تو آپ مسجد میں تھے اور لوگ اردگرد بیٹھے تھے، میں جا کر کھڑا ہو گیا، دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تجھے ابو طلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کی، ہاں! آپ نے قریبی صحابی سے کچھ فرمایا، وہ اُٹھ چلے تو میں بھی ان کے آگے آگے چل پڑا اور ہم حضرت ابو طلحہ کے پاس پہنچے، میں نے ساری بات

انہیں بتائی۔ اس پر ابوطلحہ نے اُم سلیم سے کہا کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کو لے کر تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے پاس تو کھانے کو کچھ ہے ہی نہیں۔ وہ کہنے لگیں' اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں' ابوطلحہ گئے' حضور ﷺ سے ملے چنانچہ آپ تشریف لائے تو ابوطلحہ ساتھ ہی تھے۔ آپ نے فرمایا: اے اُم سلیم! جو کچھ تمہارے پاس ہے' لے آؤ! وہ وہی روٹیاں لے آئیں' رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا' روٹیاں چورا کر دی گئیں اور چمڑے کی تھیلی سے کچھ نکال کر ان پر ڈال دیا گیا' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرضی سے اس پر کچھ پڑھا' پھر فرمایا کہ دس افراد کو بلا لو۔ الحدیث اور حدیث کے آخر میں ہے کہ سب لوگوں نے کھانا کھا لیا اور سیر ہو گئے' وہ لوگ ستر یا اسّی تھے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت اُم سلیم حضرت انس کی والدہ اور ابوطلحہ کی زوجہ تھیں اور یہ واقعہ یا تو حضرت انس کے گھر میں ہوا یا پھر ابوطلحہ کے گھر اور دونوں گھر ہی بنو جدیلہ کی طرف تھے۔

دارِ اُمِ حرام

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' رسول اللہ ﷺ قباء کی طرف تشریف لے جاتے تو اُم حرام بنت ملحان کے پاس جاتے جہاں وُہ آپ کو کھانا کھلاتیں' وہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں۔ ایک دن آپ تشریف لے گئے تو انہوں نے کھانا کھلایا' آپ سو گئے اور جاگے تو مسکرا رہے تھے۔ الحدیث۔

میں کہتا ہوں کہ اُم حرام حضرت انس کی خالہ اور اُمِ سلیم کی بہن تھیں' حضرت عبادہ بن صامت ان کے شوہر تھے جو بنو سالم میں رہتے تھے' وہ بنو نوفل میں سے تھے جو بنو سالم کے بھائی تھے اور اذا ذھب الی قباء (جب آپ قباء کی طرف جاتے) سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کیونکہ بنو سالم قباء ہی کے راستے میں تھے لہٰذا وہ وہم ختم ہو جاتا ہے جو کچھ لوگ کرتے ہیں کہ حضرت اُمِ سلیم اور اُمِ حرام کا گھر ایک ہی تھا کیونکہ وہ دونوں بہنیں تھیں۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۵

مدینہ کے قبرستان کی فضیلت' بقیع میں حضور ﷺ کی تشریف آوری' انہیں سلام کہنا اور دُعائے بخشش کرنا

رات کو بقیع میں تشریف لے جانا

صحیح مسلم اور نسائی کے مطابق سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس رات حضور ﷺ کی میرے پاس ٹھہرنے کی باری تھی تو الگ ہو کر آپ نے اپنی چادر مبارک رکھی اور جوتا اُتار کر پاؤں ہی کے پاس رکھ لیا' چادر کا ایک پہلو زمین پر پھیلایا اور اس پر لیٹ گئے پھر کچھ ہی دیر ٹھہرے اور خیال فرمایا کہ میں سو چکی ہونگی تو آہستہ سے چادر پکڑی'

جوتے پہنے' دروازہ کھولا اور باہر نکل گئے' دروازہ آہستہ سے بند کر دیا' میں نے قمیص گلے میں ڈالی' چادر اوپر لی اور اسے لپیٹ لیا اور آپ کے پیچھے ہو لی۔ آپ بقیع پہنچے اور کھڑے ہو گئے اور کافی دیر تک ٹھہرے' اسی دوران تین مرتبہ ہاتھ اُٹھائے اور پھر پیچھے مڑے تو میں بھی مڑ گئی' آپ تیز چلتے تو میں بھی تیز چلتی' آہستہ چلتے تو میں بھی آہستہ چلتی اور آپ گھر کے قریب پہنچے تو میں پہلے داخل ہو گئی' ابھی میں لیٹی بھی نہ تھی کہ آپ اندر تشریف لے آئے' فرمایا: عائشہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی' میرے ماں باپ آپ پر قربان! پھر ساری بات بتا دی۔ فرمایا: وہ سایہ سا جو میرے آگے آگے تھا' تم ہی تھیں؟ میں نے عرض کی' ہاں' آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا' مجھے دردسی ہوئی پھر فرمایا: کیا تم یہ گمان کرتی ہو کہ اللہ و رسول تم پر زیادتی کریں گے؟ فرمایا جب نے دیکھا تو جبریل آئے تھے' انہوں نے چھپا کر مجھ سے بات کی تو میں نے بھی تم سے چھپا لی' وہ اندر داخل نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ تم نے کپڑے اُتارے ہوئے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ تم سوئی ہوئی ہو لہٰذا جگانا اچھا معلوم نہ ہوا' میں نے سمجھا کہ کہیں خوفزدہ نہ ہو جاؤ۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اہل بقیع کے پاس جا کر ان کے لئے استغفار کیجئے۔ عرض کی کہ یا رسول اللہ! وہاں کیا کہوں؟ فرمایا' ان سے جا کر کہو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ وَ الْمُسْتَأْخِرِيْنَ۝

انہی کی ایک اور روایت ہے' حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی جب میرے ہاں ٹھہرنے کی باری ہوتی تو رات کے آخری حصے میں بقیع کی طرف نکل جاتے اور یوں فرماتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَ اَتَاكُمْ مَّا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُّؤَجَّلُوْنَ وَ اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَا حِقُوْنَ' اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ۝

اسی روایت کو موطا میں یوں دیا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور ﷺ کھڑے ہوئے' کپڑے پہنے اور باہر نکل گئے' میں نے اپنی لونڈی جاریہ سے کہا کہ آپ کے پیچھے جاؤ' وہ پیچھے چلی' آپ بقیع پہنچے اور جتنا اللہ کو منظور تھا' اس کے پاس کھڑے رہے پھر واپس ہوئے تو وہ پہلے آ گئی اور آ کر مجھے ساری بات بتا دی لیکن صبح ہونے تک میں نے کوئی بات نہ کی پھر بات کی تو آپ نے فرمایا: مجھے اہل بقیع کے لئے حکم دیا گیا تھا کہ ان کے لئے دُعا کروں۔

نسائی کی روایت میں یہ دُعا لکھی ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَ اِنَّا وَ اِيَّاكُمْ مُّتَوَاعِدُوْنَ غَدًا وَ مُوَاكِلُوْنَ۝

ابن شبہ کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ میرے ہاں سے باہر نکلے تو میں نے سمجھا کہ آپ کسی بیوی کی طرف تشریف لے چلے ہیں چنانچہ میں پیچھے چل پڑی' آپ بقیع پہنچ گئے' وہاں سلام کہا' دُعا فرمائی اور واپس تشریف لے آئے' میں نے پوچھا' آپ کہاں تھے؟ فرمایا: مجھے حکم ملا تھا کہ اہلِ بقیع کے پاس جا کر ان

کے لئے دُعا کروں۔ ابن شبہ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یوں دُعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ لَا تُحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَ لَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ ○

بیہقی کی روایت میں ملتا ہے کہ آپ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو دونوں کپڑے اُتار کر رکھنے لگے' ابھی اُتارے نہ تھے کہ کھڑے ہو کر پھر پہن لئے' مجھے شدید غیرت آئی کیونکہ میرے خیال میں آپ کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے چلے تھے۔ میں آپ کے پیچھے چلی اور دیکھا تو آپ بقیع الغرقد پہنچ گئے تھے' مؤمنین اور شہداء کے لئے دُعا فرمارہے تھے۔ الحدیث پھر حدیث میں بتایا کہ یہ نصف یہ شعبان کی رات تھی۔

جامع ترمذی کے مطابق حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اہلِ مدینہ کی قبروں کے قریب سے گذرے تو اس طرف توجہ فرما کر کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَآ اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَ لَکُمْ وَ اَنْتُمْ سَلَفٌ وَّ نَحْنُ بِالْاَثَرِ ○

ابن شبہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے غلام ابو موھبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آدھی رات کے وقت مجھے بیدار فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے حکم ہوا ہے کہ اہلِ بقیع کے لئے استغفار کروں لہٰذا میرے ساتھ چلو' میں ساتھ چلا۔ جب آپ اہلِ بقیع کے پاس پہنچے تو فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْمَقَابِرِ لِیَھْنَ لَکُمْ مَا اَصْبَحْتُمْ فِیْہِ مِمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ فِیْہِ اَقْبَلَتِ الْفِتَنُ کَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ یَتْبَعُ اٰخِرُھَا اَوَّلَھَا الْاٰخِرَۃُ شَرٌّ مِّنَ الْاُوْلٰی ○

اور اس دُعا کے بعد پھر دیر تک استغفار فرماتے رہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے لئے استغفار کیا پھر فرمایا: اے ابو موھبہ! مجھے دنیا اور جنت کی چابیاں دے دی گئی ہیں' مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے یہ لے لوں اور چاہے اللہ اور جنت لے لوں' میں نے عرض کی' میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ دنیا کے خزانوں کی چابیاں اور ہمیشہ جنت میں رہنا مانگ لیں۔ آپ نے فرمایا' ابو موھبہ! یوں نہیں بلکہ میں نے تو اللہ کے پاس جانا اور جنت مانگ لی ہے۔ اس کے بعد آپ واپس تشریف لائے اور اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ کا وصال ہو گیا تھا۔

عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بقیع کو تشریف لے گئے اور فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ قَوْمٌ مُّؤَجَّلُوْنَ اَتَانَا وَ اَتَاکُمْ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَھْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ ○

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بقیع الغرقد کے پاس تشریف لائے اور تین مرتبہ یوں فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَآ اَھْلَ الْقُبُوْرِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا الَّذِیْ نَجَاکُمُ اللّٰہُ مِنْہُ مِمَّا ھُوَ کَائِنٌ بَعْدَکُمْ ○

پھر توجہ فرمائی اور فرمایا کہ یہ تم سے بہتر ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ ہمارے بھائی ہیں' یہ ویسے ہی

ایمان لائے جیسے ہم ایمان لائے تھے' انہوں نے ویسے ہی خرچ کیا جیسے ہم کرتے رہے اور جیسے انہوں نے جہاد کیا' ہم بھی کرتے رہے' انہیں موت آ گئی جبکہ ہم انتظار میں ہیں۔فرمایا یہ لوگ تو چلے گئے' اپنا حصہ نہیں کھایا اور تم ابھی تک کھا رہے ہو اور نہیں معلوم کہ میرے بعد کیا کرو گے؟

ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں: حضورﷺ قبرستان کی طرف نکلے اور کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَ اِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ۝

اور فرمایا:

میں چاہتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتا۔صحابہ نے عرض کی' یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ فرمایا: تم تو میرے صحابہ ہو اور بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں پہنچے' میں حوض پر ان کی انتظار میں ہوں گا۔صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ انہیں کیسے پہچانیں گے جو آپ کی اُمت میں سے بعد میں آئیں گے۔فرمایا دیکھو' کیا کسی شخص کے پاس خوبصورت چمکتی پیشانی والا گھوڑا ہو اور وہ بہت سارے گھوڑوں میں ہو تو کیا وہ اپنا گھوڑا پہچان نہ سکے گا؟ انہوں نے عرض کی' کیوں نہیں' فرمایا: قیامت کے دن وضو کی وجہ سے یہ چمکتی پیشانیوں میں دکھائی دیں گے جبکہ میں حوض پر ان کی انتظار میں ہونگا' میرے اس حوض سے لوگوں کو یوں ہٹایا جا رہا ہو گا جیسے سرکش اونٹ کو ہٹایا جاتا ہے چنانچہ میں انہیں آواز دوں گا کہ ادھر آؤ' ادھر آؤ' ادھر آؤ۔مجھے بتایا جائے گا کہ یہ بدل گئے تھے تو میں کہوں گا انہیں دور لے جاؤ۔

بقیع کی فضیلت

حضرت عکاشہ کی بہن اُم قیس بنت محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ وہ حضورﷺ کے ہمراہ بقیع کی طرف گئیں تو آپ نے وہاں فرمایا: اس قبرستان سے ستر ہزار ایسے لوگ اُٹھائے جائیں گے جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں بھیجے جائیں گے' سب کے چہرے ایسے چمکتے ہوں گے جیسے چودھویں رات کا چاند۔اسی دوران ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! اور میری کیا صورت ہو گی؟ فرمایا تم بھی ایسے ہی ہو گے' اتنے میں ایک اور شخص نے یہی بات کی تو فرمایا' عکاشہ تم سے پہلے یہ مرتبہ لے گئے ہیں۔میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہی بشارت دوسرے شخص کو کیوں نہ دی؟ وہ کہنے لگیں' میرے خیال میں وہ منافق تھا۔

آپ کا یہ فرمانا کہ ستر ہزار لوگ بے حساب جنت میں جائیں تو یہ بشارت صرف بقیع سے خاص نہیں بلکہ بخاری شریف ہی میں اوروں کے لئے بھی ثابت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں کی بشارت موجود ہے چنانچہ احمد اور بیہقی سے بذریعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرفوع حدیث کے الفاظ یوں ہیں: میں نے اپنے پروردگار سے پوچھا تو اس نے میری اُمت کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا اور پھر بخاری کی طرح روایت کی لیکن اتنا اور زیادہ کیا: میں نے اپنے ربّ سے زیادہ بھیجنے کی عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے ہر ہزار کے ہمراہ ستر ہزار داخل کرنے کا وعدہ فرمایا۔

پھر اور احادیث میں آتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ بھیجنے کی بشارت دی چنانچہ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس اُمت سے ستر ہزار لوگ داخل کروں گا جن میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار داخل ہوں گے ایسے کہ نہ تو ان کا حساب ہوگا اور نہ ہی عذاب کے لائق ہوں گے' یہ لوگ اللہ کی تین لپ بھر میں سے ایک لپ بھر ہوں گے پھر حافظ ابن حجر کی روایت میں اس سے بھی زیادتی سمجھ آتی ہے اور انہوں نے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کی بات کی ہے' اسی سے بقیع والی ستر ہزار کی روایت کو بھی قوت ملتی ہے جن کا حساب نہ ہوگا۔ یہ اللہ کا عام کرم ہے اور عظیم مرتبہ ہے پھر ابن شبہ کے مطابق ابن المنکدر مرفوع حدیث بتاتے ہیں: بقیع سے ستر ہزار لوگوں کو نکالے گا جن کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی' وہ نہ تو جسم میں پچھنے لگوانے والے ہوں گے اور نہ بد فالی لیں گے اور ان کا بھروسہ صرف اللہ پر ہوگا۔ ابن المنکدر کہتے ہیں کہ میرے والد بتاتے تھے: حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ میں گئے راستہ بقیع والا تھا' ان کے ساتھ ابن جاموت تھا' مصعب ان کے پیچھے تھے' انہوں نے سنا کہ اس نے قبرستان کو دیکھ کر کہا ھِیَ ھِیَ (یہی ہے' یہی ہے) حضرت مصعب نے پیچھے سے کہا: کیا کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس قبرستان کا ذکر تورات میں دیکھتے ہیں کہ دو پتھریلی زمینوں کے درمیان (حرتین) میں ہوگا' کھجور کے درختوں میں گھرا ہوگا اور اس کا نام ''کفتہ'' ہوگا، اللہ تعالیٰ اس میں سے ستر ہزار بندے ایسے اُٹھائے گا جن کے چہرے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت جابر کی مرفوع حدیث میں ہے ''اللہ تعالیٰ اس قبرستان سے (کفتہ) ایک لاکھ لوگوں کو نکالے گا جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے' جو نہ تو دم کرنے والے' نہ جسم پر کھدائی کرانے والے اور نہ ہی تداوی کرتے ہوں گے' اللہ پر بھروسہ کرنے والے ہوں گے پھر مطلب بن حنطب مرفوع روایت دیتے ہیں کہ مدینہ کے قبرستان بقیع سے ستر ہزار لوگ نکالے جائیں گے جن کے چہرے یمنی تلواروں کے نیاموں کی طرح چمکتے ہوں گے۔

ایک ایسی روایت بھی ملتی ہے' جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی تعداد بنوسلمہ کے قبرستان سے بھی اُٹھائی جائے گی اور یہ بنوحرام کے گھروں کے قریب تھا چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت ابوسعید مقبری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا: ہم توراۃ میں لکھا دیکھتے تھے کہ مدینہ کے مغربی حصے میں سیلاب والی جگہ کے کنارے ایک قبرستان ہوگا جس میں سے ستر ہزار لوگوں کو اُٹھایا جائے گا' ان کا حساب نہیں ہوگا۔

حضرت ابوسعید مقبری نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میں جب فوت ہو جاؤں تو مجھے بنوسلمہ کے اس قبرستان میں دفن کرنا جس کا ذکر تم نے کعب سے سنا ہے' پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مدینہ کی مغربی جانب ایک قبرستان ہے جس کی بائیں طرف سیلاب کی گذرگاہ ہے' اس میں سے ایسے بہت سے لوگوں کو اُٹھایا جائے گا جن کا حساب نہیں ہوگا' پھر بنوحرام کے ایک بزرگ شخص نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک قبرستان ہے جو غربی جانب دو سیلابوں کی جگہ کے درمیان ہے' قیامت کے دن اس کا نور اس قدر ہوگا کہ آسمان و زمین کے

درمیانی حصے کو نورانی کر دے گا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت سہل کے دادا کہتے ہیں کہ بنو سلمہ کے قبرستان میں شہدائے اُحد دفن ہیں پھر حضرت یحییٰ بن عبد اللہ بن ابو قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو عمرہ بن سکن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُحد کے دن شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں اُٹھا کر لے آؤ چنانچہ یہ پہلے شخص تھے جنہیں اس قبرستان بنو حرام میں دفن کیا گیا۔

حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ جیسے بنو سالم اور بنو بیاضہ کے درمیان رحمت نازل ہو رہی ہے' عرض کی گئی' یا رسول اللہ! کیا ہم وہاں منتقل ہو جائیں' فرمایا، نہیں لیکن تم اس میں دفنا سکتے ہو چنانچہ انہوں نے اس میں اپنے فوت ہونے والے لوگوں کو دفنانا شروع کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ اس قبرستان کا آج کچھ علم نہیں اور نہ ہی بنو سلمہ کے قبرستان کا پتہ چلتا ہے لیکن صرف ان کے رُخ کا پتہ چلتا ہے اور یہ گھروں کے بیان سے معلوم ہو سکتا ہے۔

پھر مدینہ میں مرنے کے شوق دلانے کے لئے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ: زمین بھر میں مجھے مدینہ کے خطے سے کوئی ایسی اچھی جگہ دکھائی نہیں دیتی جہاں میں اپنا مقبرہ بنانا پسند کروں۔آپ نے مسلسل تین مرتبہ یونہی فرمایا' پھر یہ حدیث بھی ہے: جو مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہے' اسے یہیں مرنا چاہیے کیونکہ میں یہاں مرنے والے کی شفاعت کروں گا۔ایک روایت میں ہے کہ قیامت کو میں اس کی شہادتِ ایمان دونگا۔ایک اور روایت میں ہے کہ جو یہاں مرے گا' میں قیامت میں اس کی شہادتِ ایمان دوں گا یا فرمایا کہ اس کی شفاعت کروں گا۔

علامہ رزین نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے' ایک اضافہ بھی کیا کہ آپ نے فرمایا: میں پہلا شخص ہونگا جو زمین سے نکلوں گا پھر حضرت ابوبکر اور پھر عمر نکلیں گے پھر میں بقیع کی طرف آؤں گا تو ان کا حشر ہو گا پھر میں اہلِ مکہ کی انتظار کروں گا اور پھر دونوں حرموں کے درمیان میرا حشر ہو گا (باقی سب ساتھ ہوں گے)۔

ابن نجار کی روایت یوں ہے: میں' ابوبکر اور عمر بقیع کی طرف جائیں گے تو وہ اُٹھائے جائیں گے اور پھر اہلِ مکہ اُٹھائے جائیں گے۔

ابن شبہ اور زبالہ کے مطابق حضرت ابن کعب قرظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو بھی ہمارے اس قبرستان میں دفن ہو گا' ہم اس کی شفاعت کریں گے یا فرمایا کہ اس کی شہادت دیں گے۔پھر آٹھویں باب کی پہلی فصل میں آ رہا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: دونوں حرموں میں جو بھی فوت ہو گا وہ قیامت کے دن ہر مشکل سے امن میں ہو گا۔

ابن زبالہ کے مطابق یہ مرفوع حدیث ملتی ہے: دو قبرستان ایسے ہیں جن کی روشنی اہلِ آسمان کو یوں دکھائی دیتی ہے جیسے سورج اور چاند کی روشنی اہلِ دنیا کو' ایک تو ہمارا یہ قبرستان بقیع جو مدینہ میں ہے اور دوسرا قبرستان عسقلان میں ہے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بقیع کے متعلق ہم نے توراۃ میں دیکھا ہے' اس کا نام ''کفتہ'' ہے جو کھجور کے درختوں میں گھرا ہوا ہے اور فرشتے اس کی نگرانی کرتے ہیں' یہ جب بھی بھر جاتا ہے تو فرشتے اس کو دونوں طرفوں سے اُٹھا کر جنت میں پھینک دیتے ہیں۔ابن نجار کے مطابق اس سے مراد بقیع ہے۔

حضرت مقبری کہتے ہیں کہ حضرت مصعب بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کے لئے آئے تو ان کے ساتھ ابن راس الجالوت بھی تھے' وہ بقیع کی طرف سے مدینہ میں آئے اور قبرستان کے پاس آئے تو ابن راس الجالوت نے کہا: ''وہ یہی ہے'' حضرت مصعب نے پوچھا' کیا کہا؟ انہوں نے کہا' ہم اپنی کتاب (توراۃ) میں ایک ایسے قبرستان کا ذکر دیکھا ہے جس کی مشرقی جانب کھجور کے درخت اور غربی جانب گھر ہوں گے' اس میں سے ستر ہزار لوگ اُٹھائے جائیں گے جن میں سے ہر ایک کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہو گا' میں نے ہر طرف گھوم کر اس قبرستان کی ٹوہ لگائی لیکن اس قبرستان کے علاوہ ایسا کوئی قبرستان نظر نہیں آسکا۔

حضرت عبد الحمید کے والد جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابن راس الجالوت آئے اور جب وہ بقیع کے پاس پہنچے تو کہنے لگے: یہی وہ ''کفتہ'' ہے جس کے متعلق ہم اللہ کی کتاب میں پڑھتے آئے ہیں' میں اسے لتاڑوں گا نہیں۔وہ کہتے ہیں کہ وہ بقیع کی عظمت کی وجہ سے وہیں سے واپس چلے گئے۔

واقدی کی کتاب الحرہ کے مطابق حضرت عثمان بن صفوان کہتے ہیں کہ جب حضرت مصعب بن جبیر حج کرنے آئے تو ان کے ہمراہ ابن راس الجالوت بھی تھے' جب بنو عبد الاشہل کے حرہ کے پاس پہنچے تو رُک گئے اور کہنے لگے: اس حرہ (پتھریلی جگہ) میں کوئی قبرستان موجود ہے؟ لوگوں نے کہا' ہاں موجود ہے۔اس نے پوچھا' تو اس کی پچھلی طرف ایک اور حرہ بھی ہے جو اس کے علاوہ ہو؟ انہوں نے کہا' ہاں! انہوں نے کہا: ہم اللہ کی کتاب (توراۃ) میں اس کا نام ''کفتہ'' پڑھ چکے ہیں۔واقدی کہتے ہیں: اس کا مطلب ہے کہ وہ بیماریاں دور کرنے والا ہو گا اور یہی نجات کے لئے کافی ہو گا۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے ستر ہزار لوگوں کو اُٹھائے گا جن میں سے ہر ایک کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہو گا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت خالد بن عوسجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں کہ ایک رات میں دارِ عقیل بن ابو طالب کے دروازے کے کونے پر دُعا کر رہا تھا کہ میرے قریب سے جعفر بن محمدؒ عریض کی طرف جاتے ہوئے گذرے' ان کی بیوی ہمراہ تھی' مجھ سے کہنے لگے' کیا تم یہاں کے بارے میں کسی روایت سے واقف ہو؟ میں نے کہا' نہیں' انہوں نے کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں حضور ﷺ رات کو اہلِ بقیع کے لئے استغفار کرنے ٹھہرا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ دارِ عقیل میں وہ جگہ ان کی قبر کے نام سے جانی جاتی ہے' وہاں ان کے بھتیجے عبد اللہ بن جعفر کی قبر موجود ہے اور پھر یہ اطلاع دینے کے بعد لکھا کہ دار عقیل وہ جگہ ہے جہاں وہ دفن ہیں۔حضرت زین مراغی لکھتے ہیں کہ یہاں بھی دُعا کرنی چاہئے' وہ کہتے ہیں: مجھے بہت سے لوگوں نے کہا ہے کہ وہاں دُعا قبول ہوتی ہے اور شاید اسی وجہ

سے اس کی شہرت ہے یا اس لئے کہ حضرت عبد اللہ بن جعفر بڑے سخی تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قبر کو حاجات پوری ہونے کا ذریعہ بنا دیا۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے، مجھے ایسے شخص نے بتایا جس کے بارے میں میں خوب جانتا ہوں کہ وہ پختہ دینی شخص ہے، کہ اس نے یہاں دُعا کی اور پھر اپنے ایک ساتھی کے ساتھ اس بارے میں گفتگو کی تو ایک ورقہ دیکھا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا، اس نے نیک فال کے لئے اسے دیکھا تو اس پر یہ آیت لکھی تھی: وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ، یہ تحریر کاغذ کی دونوں جانب لکھی تھی۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ متقدمین میں میں نے کسی کی ایسی تحریر نہیں دیکھی جس میں لکھا ہو کہ عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر وہاں تھی بلکہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ مدینہ میں دفن ہوئے یا ابواء میں، اور دُعا کی قبولیت کے سبب میں قابلِ بھروسہ شے وہی ہے جو پہلے ذکر کر دی گئی لہٰذا مستحب یہ ہے کہ انسان ہر اس مقام پر دُعا کرے جہاں حضور ﷺ نے دُعا فرمائی اور وہ سب جگہیں قبولیت کا مقام ہیں۔

فصل نمبر۶

بقیع میں دفن شدہ کچھ صحابہ کرام اور اہلِ بیت کے مزارات کہاں ہیں، جگہ کا تعین اور پھر مدینہ میں دوسرے مزارات کا ذکر

حضور ﷺ کے لختِ جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک

یہاں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کا ذکر ہے۔ لکھا ہے کہ ان کی قبر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے نزدیک تھی، ان دونوں حضرات کا ذکر اور ان کے نزدیک کون دفن ہوا چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں: حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کا وصال سولہ ماہ کی عمر میں ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ انہیں بقیع میں دفن کر دو، کیونکہ اس کے لئے جنت میں دودھ پلانے والی موجود ہے، وہ ان کی دودھ پلانے کی مدت پوری کر دے گی۔

حضرت مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، جب انہیں لحد میں ڈال دیا گیا

اور اینٹیں لگا دی گئیں تو حضورﷺ نے اینٹوں کے خلاء میں سے انہیں دیکھا تھا' پھر ایک ڈھیلا پکڑ کر ایک شخص کو پکڑایا اور فرمایا کہ اسے اس خالی جگہ میں رکھ دو۔

حضرت محمد بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی قبر پر چھڑکاؤ کیا اور سب سے پہلے انہی کی قبر پر چھڑکاؤ ہوا۔وہ کہتے ہیں کہ آپ نے ان کی قبر پر اپنے ہاتھ سے مٹی ڈالی اور قبر میں دفن سے فارغ ہوکر سرہانے کھڑے ہوکر فرمایا: السّلام علیکم۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق حضرت جعفر کے والد حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضورﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی کی قبر پر چھڑکاؤ کیا اور اُوپر کنکر ڈالے۔

ابو داؤد کے مطابق محمد بن عمر بن علی کی روایت میں کچھ اور زیادہ کہا کہ ''یہ پہلی قبر تھی جس پر چھڑکاؤ کیا گیا اور فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا تھا: السلام علیکم۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت قدامہ بن موسےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ سب سے پہلے بقیع میں دفن ہونے والے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور جب حضورﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو صحابہ نے عرض کی' یا رسول اللہ! ہم ان کی قبر کہاں بنائیں؟ فرمایا عثمان بن مظعون کے پاس جو آخرت کا سرمایہ ہیں۔

حضرت ابوسلمہ کے والد کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم بن رسول اللہﷺ کا وصال ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ اسے عثمان بن مظعون کے پاس دفن کر دو' اس کے بعد لوگوں کا رجحان بقیع کی طرف ہو گیا' درخت کاٹ دیئے اور ہر قبیلے نے اپنے لئے جگہ مقرر کر لی چنانچہ اسی وجہ سے ہر قبیلہ جانتا تھا کہ ان کی قبریں کہاں تھیں۔

حضرت قدامہ بن موسےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ عثمان بن مظعون کو بقیع میں دفن کر دو کیونکہ یہ سب سے پہلی قبر شمار ہو گی اور عثمان بن مظعون بہتر سلف ثابت ہوں گے۔

وہی بتاتے ہیں کہ بقیع میں ایک درخت تھا اور جب حضرت عثمان بن مظعون فوت ہو گئے تو انہیں بقیع میں دفن کر دیا گیا اور وہ درخت کاٹ دیا گیا اور جہاں حضرت عثمان بن مظعون دفن ہوئے تو آپ نے اس جگہ کا نام ''روحاء'' رکھا اور یہ جگہ دارِ محمد بن زید سے دار عقیل کے یمانی کونے تک تھی' پھر آپ نے دوسری جانب والی جگہ کے بارے ''روحاء'' کا لفظ استعمال فرمایا اور یہ دارِ محمد بن زید سے ان دنوں بقیع کی آخری حد تک کا علاقہ تھا۔

میں کہتا ہوں' واضح ہو گیا کہ دارِ عقیل اسی جگہ تھا جہاں آپ کی قبر معروف تھی اور دارِ محمد بن زید اس کی اور مزارِ ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشرقی جانب تھا چنانچہ پہلا ''روحاء'' دونوں قبروں کے درمیان تھا جو سیّدنا ابراہیم کی قبر کی مشرقی جانب تک پھیلا ہوا تھا اور روحاء کا دوسرا حصہ پہلے کی مشرقی جانب دور بقیع تک تھا اور اسعد بن زرارہ کی قبر کے بارے میں جو قولِ ابو غسان میں آ رہا ہے' اس سے یہی مراد ہے اور ''روحاء'' وہ مقبرہ ہے جو بقیع کے درمیان میں تھا جس

کی طرف بقیع میں رات کو آنے کے لئے راستے تھے اور گویا اسی کی وجہ سے اسے روحاء کہتے ہیں‘ دوسرے حصے کی وجہ سے نہیں۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت عبید اللہ بن ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں‘ جب حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو پتہ چلا کہ لوگوں نے کہا تھا‘ یا رسول اللہ! ہم انہیں کہاں دفن کریں؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارے آخرت کے سرمایہ عثمان بن مظعون کے پاس چنانچہ حضرت عثمان بن مظعون حضرت عمرو بن عثمان کی درس گاہ کے قریب دفن کئے گئے۔

ابن شبہ کے ہاں یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ زوراء میں دفن ہوئے‘ یہ پانی پلانے کی وہ جگہ تھی جو بقیع سے چڑھ کر دار محمد بن زید بن علی کی طرف جانے والے کی بائیں طرف تھی۔

حضرت سعید بن محمد بن جبیر کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر زوراء کے پاس دیکھی تھی۔اسی زوراء کے لفظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس کا نام زوراء کیوں رکھا گیا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت سعید بن محمد بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک زوراء میں دیکھی۔حضرت عبد العزیز بن محمد کہتے ہیں کہ یہ وہی گھر ہے جو محمد بن زید بن علی کے قبضے میں آ گیا تھا۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کی قبر مبارک حضرت سعید بن عثمان کے اس گھر کے سامنے تھی جسے زوراء کہتے ہیں اور یہ بقیع میں تھی چنانچہ یہ گھر راستہ میں ہونے کی وجہ سے گر گیا تھا۔

حضرت قدامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان بن مظعون کے پہلو میں دفن فرمایا‘ ان کی قبر مبارک حضرت عقیل بن ابو طالب کے گھر کے کونے کے برابر‘ دار محمد بن زید کی جانب تھی۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک

ابن شبہ کے مطابق حضرت سعد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ میں نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک دیکھی تو وہ محمد بن علی بن حنفیہ کے گھر کے نزدیک تھی۔

حضرت محمد بن قدامہ کے دادا کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کو دفن کیا تو ایک پتھر منگوا کر ان کے سر کی طرف رکھ دیا۔حضرت قدامہ کہتے ہیں کہ جب بقیع میں خرابی ہوئی تو ہم نے وہ پتھر وہیں دیکھا جس سے ہم نے پہچان لیا کہ وہ حضرت عثمان بن مظعون کی قبر ہے۔

عبد العزیز بن عمران کہتے ہیں کسی کو میں نے کہتے سنا کہ حضرت عثمان بن مظعون کے سر اور پاؤں کی جانب

دو پتھر رکھے ہوئے تھے۔

بنومخزوم کے ایک شیخ عمر نے کہا حضرت عثمان بن مظعون مہاجرین میں سب سے پہلے فوت ہوئے تھے' صحابہ نے عرض کی' یا رسول اللہ! ہم انہیں کہاں دفن کریں؟ فرمایا: بقیع میں۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے لحد کھو دی' اس لحد سے ایک پتھر بچ گیا' رسول اللہ ﷺ نے اسے اُٹھا کر ان کے قدموں کی طرف رکھ دیا اور جب مروان والئ مدینہ بنا تو اسنے حکم دیا کہ اسے پھینک دو اور کہا: بخدا عثمان بن مظعون کی قبر پر وہ پتھر نہیں رہنے دوں گا جس سے قبر کی پہچان ہو سکے' اس پر بنوامیہ' ابی کے پاس آئے اور کہا کہ یہ تم نے برا کیا' تم نے وہ پتھر اُٹھوا پھینکا ہے جسے رسول اللہ ﷺ رکھا تھا' یہ تم نے بہت برا کام کیا' بہتر یہ ہے کہ اسے وہیں رکھوا دو لیکن اس نے کہا' اب جبکہ میں نے اسے پھینک دیا ہے تو دوبارہ نہیں رکھوں گا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے بیان میں آ رہا ہے کہ مروان نے وہ پتھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر رکھوا دیا تھا۔

ابو داؤد میں ایک صحابی کا ذکر ہے کہ انہوں نے کہا: جب حضرت عثمان بن مظعون فوت ہوئے تو ان کا جنازہ لے جا کر دفن کر دیا گیا پھر نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ پتھر لایا جائے لیکن اُٹھایا نہ جا سکا' حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور دونوں ہاتھوں کی آستینیں چڑھائیں' مطلب کہتے ہیں' جس نے مجھے خبر دی' اس نے بتایا: میں حضور ﷺ کے دونوں ہاتھوں کی سفیدی دیکھ رہا تھا پھر آپ نے پتھر اُٹھایا اور ان کے سر کی جانب رکھ دیا اور فرمایا: اس سے میرے بھائی کی قبر کا پتہ چل جائے گا اور میرے اہل میں سے جو بھی فوت ہو گا' اسے یہیں دفن کروں گا۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عائشہ بنت قدامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ کھڑا ہونے والا حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے نزدیک کھڑا ہوتا تو حضور ﷺ کا گھر دکھائی دیا کرتا' درمیان میں پردہ نہ ہوتا۔

سیّدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول ﷺ کی قبر مبارک

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول ﷺ کا وصال ہوا تو آپ نے فرمایا: ان کی قبر پہلے دفن شدہ عثمان بن مظعون کے قریب بنا دو۔

ابن شبہ کے الفاظ یہ ہیں: جب حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو آپ نے فرمایا ہمارے پہلے دفن شدہ صحابی کے پاس دفن کر دو۔ کہتے ہیں کہ عورتیں رونے لگیں' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عصا سے انہیں مارنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: عمر! رہنے دو' (پھر عورتوں سے فرمایا) شیطانی رونے سے بچو کیونکہ جب یہ رونا آنکھ اور دل سے ہوتا ہے تو رحمت ہوتا ہے اور جب زبان اور ہاتھ شامل ہوتے ہیں تو شیطانی بن جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رونے لگیں جس پر حضور ﷺ نے اپنے کپڑے کے پلّو سے ان کی آنکھوں کے آنسو پونچھتے تھے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نگہداشت کے لئے وہیں چھوڑ دیا تھا' وہ بیمار تھیں اور بدر کا دن تھا۔

پھر حضرت زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب حضرت یزید بن حارثہ فتح بدر کی خوشخبری لے کر آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت رقیہ کو دفن کرنے کے لئے قبر پر کھڑے تھے۔

میں کہتا ہوں' یہ تو مشہور بات ہے لیکن صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ اپنی بیٹی اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجۂ عثمان کے دفن کے وقت موجود تھے تو شاید پہلی خبر انہی کے بارے میں تھی یا ان کی بہن زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں تھی کیونکہ وہ ۸ھ کو مدینہ میں فوت ہوئی تھیں اور ظاہر یہ ہے کہ تمام کی قبریں حضرت عثمان بن مظعون کے پاس تھیں کیونکہ آپ نے فرمایا تھا: میرے اہلِ خانہ میں سے جو بھی فوت ہو گا' میں اسے عثمان کے پاس دفن کروں گا اور شاید ان میں سے ایک یہ بھی ہوں (اس کہ ستون کی کھدائی کے وقت جو مصلّٰے کے سامنے تھا) جن کی قبر کا پتہ چلا تھا جیسے عنقریب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک کے بیان میں آ رہا ہے اور اس کے حضرت فاطمہ کی طرف نسبت کرنے میں وہم پیدا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت فاطمہ بنت اسد والدۂ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر مبارک

ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد بن عمر بن علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خود دفن فرمایا تھا' انہوں نے ہجرت کی تھی اور رَوحاء میں بیعت کی تھی جو ابو قطیفہ کے حمام کے سامنے تھا۔ کہتے ہیں کہ وہیں حضرت ابراہیم اور عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں تھیں اور ابن شبہ کے مطابق آگے آ رہا ہے کہ عبد العزیز بن عمران کے کہنے کے مطابق حضرت عباس کی قبر حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کے پاس تھی اور بنو ہاشم کی ان قبروں میں سے پہلی تھی جو دارِ عقیل میں بنی تھیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس بات کی مخالفت میں آیا ہے جس کی بابت لوگ آج کل کہتے ہیں یعنی یہ کہ ان کی قبر اس جگہ ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے اور سب سے پہلے قبر کے آئندہ مقام پر ہونے کا ذکر ابن نجار نے کیا تھا اور بعد والے ان کی پیروی میں کہہ گئے حالانکہ مجھے اس بارے میں کوئی دلیل نہیں مل سکی میرے خیال میں تو قبر یہیں ہے کیونکہ یہ بعید از قیاس ہے کہ نبی کریم ﷺ انہیں اتنی دور دفن فرماتے اور حضرت عثمان بن مظعون کے پاس نہ دفناتے حالانکہ آپ نے تو فرما دیا تھا کہ: ''حضرت عثمان بن مظعون کے پاس میں اپنے اہلِ خانہ میں سے فوت ہو جانے والوں کو دفن کروں گا۔'' اور پھر یہ بھی ہے کہ یوں قبر کی اس مشہور جگہ کا بقیع سے ہونا ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ حضرت عثمان کا مزار بقیع میں شامل نہیں اور یہ قبر مشرقی جانب اس کے شمال میں گلی کے ایک جانب ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ کھجوریں جو اس قبر کے سامنے ہیں تو ابن نجار کے مطابق انہیں "حمام" کہا جاتا ہے حالانکہ پہلی روایت میں ابو قطیفہ کے حمام کے سامنے لکھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہی وہ بات ہے جس سے انہیں وہم ہوا اور جو کچھ ابن شبہ نے ذکر کیا ہے' وہ اس کا ازالہ کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جو حمامِ ابو قطیفہ کے نام سے مشہور تھی اور حضرت سیّدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی جانب تھی۔لگتا ہے کہ ابن نجار اس پہلی روایت کے صرف ابتدائی حصے ہی سے واقف ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں: قبر فاطمہ بنت اسد: اس پر گنبد ہے اور بقیع کے آخر میں ہے' اور پھر پہلی روایت کا ابتدائی حصہ یہاں تک ذکر کیا: "ابو قطیفہ کے حمام کے سامنے" اور پھر کہا: "اور آج اس کے سامنے کھجور ہے جس کا نام "حمام" ہے۔انتہٰی' اور پھر کھجور کا وہ درخت جو اس قبر کے قریب تھا یہ وہی تھا جو مشرق و شام کی طرف سے اس کے سامنے تھا جسے قبل ازیں اور آج کل "خضاریٰ" کا نام دیتے ہیں جبکہ "حمام" کے نام سے وہ درخت مشہور ہے جو ٹیلہ کے پاس حضرت سیّدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی شامی جانب تھا اور وہ تو سیّدہ فاطمہ کی مشہور قبر سے دور تھا اگرچہ مغربی جانب تھا اور جو اس میں ذرا سا بھی غور کرتا ہے' اسے پتہ چل جاتا ہے کہ اس کی شہرت کا سبب مزار سیّدنا ابراہیم کے بہت قریب ہونا ہے اور یہی بات ہماری دلیل ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ "حمام" کا لفظ مدینہ کی بہت سی جگہوں پر بولا جاتا ہے' اسی وجہ سے اسے ابو قطیفہ کی طرف منسوب کیا ہے پھر ابن زبالہ نے بھی روایت لکھی ہے کہ نبی کریم ﷺ عبید اللہ بن حسین کے اس حمام کی جگہ سے گذرے جسے محمد بن زید نے خرید لیا تھا پھر تھوڑا سا بقیع کی طرف آگے بتاتے ہوئے کہا کہ ہاں حمام کی جگہ تھا۔

وہ قبریں جن کے اندر خود رسول اللہ ﷺ اُترے

ابن شبہ نے عبد العزیز بن عمران کی جو روایت نقل کی ہے' اس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پانچ قبروں کے علاوہ کسی اور قبر میں داخل نہیں ہوئے جن میں تین تو عورتوں کی تھیں جبکہ دو مردوں کی تھیں' ان میں سے ایک قبر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو مکہ میں تھی اور باقی چار مدینہ میں' ایک قبر حضرت خدیجہ کے بیٹے کی تھی جو نبی کریم ﷺ کی نگرانی اور تربیت میں تھے' ان کی قبر عبد الدار کی گلی اور بقیع میں بنو ہاشم کے دفن کی جگہ کے درمیان راستے کے بالائی حصے میں تھی۔پھر عبد اللہ مزنی کی قبر جنہیں ذوالبجادین کہتے تھے پھر اُمِ رومان کی قبر جو سیّدہ عائشہ بنت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ تھیں اور پھر حضرت علی کی والدہ سیّدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر۔

رہے ذوالبجادین تو رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کرتے ہوئے تشریف لائے اور ثنیۃ الغابر پر چلے تو راستہ میں رکاوٹ ہوئی' حضرت ذوالبجادین نے دیکھ لیا تو اپنے والد سے کہا: مجھے جانے دیجئے' میں انہیں راستہ بتا دوں' اس نے انکار کر دیا اور ان کے کپڑے چھین کر ننگا کر دیا' عبد اللہ نے بالوں سے بنا دھاری دار کپڑا شرمگاہ پر ڈالا اور دوڑ کر آپ کی طرف گئے' رسولِ اکرم ﷺ کی سواری کی لگام پکڑی۔اس کے بعد انہوں نے ذوالبجادین کے حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ

آنے' ان کے وصال اور دفن کا ذکر کیا اور پھر کہا: رہی حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کی قبر تو حضرت عبد العزیز کے مطابق حضرت محمد بن علی کہتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ کا آخری وقت ہوا اور حضورﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: جب یہ فوت ہو جائیں تو مجھے اطلاع دے دینا اور پھر جب وہ فوت ہو گئیں تو حضورﷺ تشریف لے گئے اور قبر تیار کرنے کا حکم دیا چنانچہ مسجد میں اس جگہ قبر بنائی گئی جو آج کل قبر فاطمہ کے نام سے مشہور ہے پھر لحد تیار کی گئی' بغلی لحد نہیں بنا یجب قبر تیار کر لی گئی تو آپ قبر میں اُترے اور لیٹ گئے اور قرآن کی تلاوت فرمائی پھر اپنی قمیص اُتاری اور فرمایا کہ یہ انہیں پہنا دو' پھر ان کی قبر کے قریب ہی ان کا جنازہ پڑھایا اور نو تکبیریں کہیں اور پھر فرمایا کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کے علاوہ کوئی اور قبر کی تنگی سے نہیں بچ سکا' پوچھا گیا' یا رسول اللہ! قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہیں بچ سکے؟ فرمایا' قاسم تو کجا' ابراہیم بھی نہیں بچے حالانکہ حضرت ابراہیم ان سے چھوٹے تھے۔

میں کہتا ہوں' ان کے قول ''فی موضع المسجد '' سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی قبر پر مسجد تھی جو اس زمانے میں سب کو معلوم تھی چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: عین اس وقت جب ہم رسول اللہﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے' ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی' یا رسول اللہ! حضرت علی' جعفر اور عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی والدہ فوت ہو گئیں' آپ نے فرمایا: میری ماں کا معاملہ سنبھالو' اس وقت آپ کے صحابہ کی حالت یہ تھی کہ جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھ گئے ہوں۔ پھر جب ہم دروازے پر پہنچے تو آپ نے قمیص اُتاری اور فرمایا: جب انہیں غسل دے لو تو کفن کے نیچے انہیں یہ قمیص پہنا دو اور پھر جب ان کا جنازہ اُٹھا کر چلے تو حضورﷺ کبھی کبھی کندھا دیتے جاتے' کبھی اگلی طرف اور کبھی پچھلی طرف اور یوں ہم قبر کی جگہ پہنچ گئے' آپ قبر میں لیٹے اور پھر نکل آئے اور فرمایا' اللہ کے نام کی برکت اور اس کے آسرے پر دفن کر دو اور وہ دفنا چکے تو آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا: ''اے میری پالنے والی ماں' اللہ آپ کو بہتر جزاء دے' آپ میری پیاری ماں تھیں اور مجھے خوب پالا تھا۔'' راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کی یا آپ سے عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ ! آپ نے دو ایسے کام کئے ہیں جو اس سے قبل کبھی نہیں کئے تھے۔ فرمایا' کون سے؟ عرض کی: ایک تو آپ نے ان کے لئے قمیص اُتاری اور دوسرے ان کی قبر میں لیٹے! فرمایا: قمیص دینے کا مقصد تو یہ تھا کہ انہیں انشاء اللہ تعالیٰ آگ کبھی نہ چھو سکے گی اور رہا لحد میں میرا لیٹنا تو اس سے میرا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو وسیع فرما دے۔

ابن عبد البر کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ جب حضرت علی کی والدہ کا انتقال ہوا تو رسول اللہﷺ نے اپنی قمیص انہیں پہنائی اور ان کے ساتھ قبر میں لیٹے' صحابہ نے عرض کی کہ آج آپ نے وہ کام کیا جو کبھی نہیں کیا' فرمایا: حضرت علی کے بعد ان کے علاوہ مجھ پر اس قدر بھلائی کسی اور کی نہ تھی' میں نے اس لئے انہیں قمیص پہنائی کہ انہیں جنتی پوشاک پہنائی جائے اور ان کے ساتھ لیٹا اس لئے کہ ان سے آسانی برتی جائے۔

کبیر اور اوسط کے مطابق حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ بنت اسد

کا وصال ہوا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور سرہانے بیٹھ گئے' پھر فرمایا: میری ماں کے بعد میری ماں! اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ پھر انہوں نے آپ کی تعریف کا ذکر کیا اور اپنی چادر میں کفن دینے کا بتایا' حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر آپ نے اُسامہ بن زید' ابو ایوب انصاری' عمر بن خطاب اور ایک سیاہ فام غلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلا کر قبر تیار کرنے کا حکم فرمایا اور وہ لحد تک پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے خود کھدائی کی اور اپنے ہاتھ سے مٹی نکالی اور جب اس سے فارغ ہو گئے تو آپ قبر میں لیٹ گئے اور پھر فرمایا: اللہ وہ ذات ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے' خود زندہ ہے' اسے موت نہیں آئے گی' الٰہی! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی بخشش فرما' اپنے نبی اور پہلے انبیاء کے صدقے میں ان کی قبر کو کشادہ فرما کیونکہ تو ارحم الراحمین ہے' پھر جنازہ میں چار تکبیر کہیں اور پھر حضرت عباس' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ساتھ لے کر آپ نے انہیں لحد میں داخل کیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر

ابن زبالہ کے مطابق حضرت حمید بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف قریب المرگ ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں پیغام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ اور اپنی دونوں ساتھیوں کے قریب دفن ہونے کے لئے تیاری کرو' انہوں نے کہا کہ میں آپ کا گھر تنگ نہیں کرنا چاہتا' میں نے حضرت ابن مظعون سے عہد کر رکھا تھا کہ ہم میں جو بھی پہلے فوت ہو تو دوسرا اپنے ساتھی کے پہلو میں دفن ہوگا۔ آپ فرماتی ہیں: انہیں میرے پاس لے آؤ چنانچہ لایا گیا تو آپ نے ان کے لئے دُعا فرمائی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ اگر وہ مدینہ میں فوت ہو جائیں تو انہیں حضرت عثمان بن مظعون کے پہلو میں دفن کیا جائے اور جب وہ فوت ہو گئے تو دارِ عقیل کے مشرقی کونے پر ان کی قبر بنائی گئی اور وہاں دفن کر دیے گئے' ان پر ایک چادر ڈالی گئی' مجھے یہ شک رہا کہ اس میں سونے کی تار تھی یا نہیں۔

حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر

ابن شبہ کے مطابق ابن دھقان کہتے ہیں' مجھے سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلایا تو میں ان کے ساتھ بقیع کی طرف گیا' وہ میخ لے کر نکلے تھے اور جب عقیل کے شمال مشرقی کونے کی جگہ پہنچے تو مجھے قبر کھودنے کو کہا' میں نے شروع کر دی اور زمین کی گہرائی تک کھود دی۔ پھر جب میں زمین کے نچلے حصے تک پہنچا تو انہوں نے وہاں میخیں گاڑ دیں اور کہا: اگر میں فوت ہو جاؤں تو انہیں بتا دینا کہ مجھے یہاں دفن کریں چنانچہ جب وہ فوت ہو گئے تو میں نے یہ بات ان کے لڑکے سے کہی چنانچہ ہم نکلے تو میں نے انہیں اس جگہ کی نشاندہی کر دی' انہوں نے وہ میخیں دیکھیں تو وہیں قبر تیار کر کے انہیں دفن کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر

ابن سعد کے مطابق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ مجھے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے پاس دفن کر دینا۔

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ میں فوت ہوئے اور بقیع میں دفن ہوئے' سال وصال ۳۲ھ تھا۔

حضرت خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر

رسول اللہ ﷺ سے قبل یہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر تھے' اولین مہاجرین میں سے دو ہجرتوں والے تھے' انہیں اُحد کے دن زخم لگا اور اسی کی وجہ سے مدینہ میں فوت ہوئے۔

ابو عبد اللہ محمد بن یوسف زرندی مدنی اپنی ''سیرت'' میں لکھتے ہیں کہ آپ ہجرت کے تیسرے سال فوت ہوئے اور حضرت عثمان بن مظعون کے قریب دفن ہوئے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے قبل اسی سال شعبان میں فوت ہو چکے تھے اور ابن جوزی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان ۲ھ میں فوت ہوئے تھے اور جو ہم نے حضرت خنیس کے بارے میں لکھا ہے کہ اُحد کے بعد وہ اُحد میں زخم لگنے کی وجہ سے فوت ہوئے تھے' اس پر ابن عبد البر کا یقین ہے' علامہ ذہبی نے بھی انہی کی پیروی کی تاہم جو کچھ تیسرے باب کی بارہویں فصل میں گذرا کہ واقعہ اُحد بالاتفاق ۳ھ کو ہوا تھا' کچھ ۴ھ کہتے ہیں اور حضور ﷺ نے حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صحیح روایت کی بناء پر ۳ھ میں نکاح کیا تھا اور بعض کہتے ہیں ۲ھ میں کیا تھا' یہ ابن عبد البر پر اعتراض بنتا ہے لہٰذا جو کچھ ابن عبد البر نے یقین سے کہا ہے' صحیح نہیں ہاں اس صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ خنیس نے حضرت حفصہ کو طلاق دیدی ہو' جیسے ذہبی کہتے ہیں لیکن اس سلسلے میں ابن عبد البر کو وہم ہوا ہے کیونکہ انہوں نے لکھا: ''خنیس اسی زخم کی وجہ سے اُحد میں شہید ہوئے۔'' حالانکہ وہ اس سے قبل مدینہ میں فوت ہو چکے تھے چنانچہ ابن سیّد الناس لکھتے ہیں: مشہور یہ ہے کہ وہ اپنی عمر کے پچیس سال کے آخر میں مدینہ کے اندر فوت ہوئے اور یہ واقعہ بدر سے واپسی پر گذرا تھا۔

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر

آپ بیعت عقبہ کے دونوں موقعوں پر موجود تھے' آپ کی ولادت ہجرت کے پہلے سال اس وقت ہوئی جب مسجد بنائی جا رہی تھی چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت ابو غسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے ہمارے ساتھیوں میں سے ایک نے بتایا: میں عرصہ سے سنتا آیا ہوں کہ حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت اسعد بن زرارہ کی قبر بقیع میں روحاء کے مقام پر ہے' روحاء بقیع کے درمیان میں ایک قبر تھی۔ جس کی طرف ہر جانب سے راستے تھے۔

میں کہتا ہوں' مناسب یہ ہے کہ بقیع میں حضرت سیّدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی زیارت کے

دوران ان سب پر سلام پڑھے۔

حضرتِ سیّدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک

یہاں سیّدہ فاطمہ بنت رسول ﷺ ان کے دونوں بیٹوں اور بنو ہاشم میں سے جن کی قبروں کے رُخ کا پتہ چل سکا اور آپ کی والدہ وغیرہ کی قبروں کا بیان ہے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت محمد بن علی بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر دارِ عقیل کے یمنی کونے میں بقیع کی طرف تھی پھر منبوذ بن حویطب اور فضل بن ابی رافع کہتے ہیں کہ ان کی قبر نبیہ کی گلی کے سامنے تھی اور یہ دارِ عقیل کے کونے کے قریب تھی پھر حضرت عمر بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ ان کی قبر اس گلی کے سامنے تھی جو دارِ عقیل کے کونے سے ملتا تھا۔ غسان بن معاویہ بن ابو مزاد کہتے ہیں کہ انہوں نے وہاں سے پیائش کی جہاں کا اشارہ عمر بن علی نے کیا تھا تو وہ ''قناۃ'' کی طرف پندرہ ہاتھ تھی۔ علاوہ ازیں عفرہ کے غلام عمر بن عبد اللہ نے کہا کہ ان کی قبر دارِ عقیل کے کونے کے برابر اس طرف تھی جو دارِ ابی نبیہ سے ملتا تھا۔ پھر حضرت عبد اللہ بن ابو رافع سے روایت ہے کہ ان کی قبر دارِ عقیل اور دار ابی نبیہ کی درمیانی گلی کے موڑ پر تھی۔ پھر اسماعیل نے اس کے راوی کے بارے میں کہا کہ انہوں نے وہاں سے پیائش کی جہاں کی ان کے والد نے نشاندہی کی تھی تو قبر اور اس قناۃ کے درمیان جو دارِ عقیل میں تھا' تیئیس (۲۳) ہاتھ کا فاصلہ تھا اور دوسرے قناۃ کے درمیان سینتیس (۳۷) ہاتھ کا فاصلہ تھا۔

ابو غسان کے مطابق کسی پختہ شخص نے کہا: وہ مسجد جس کی مشرقی جانب بچوں کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں' ایک سیاہ رنگ کی عورت کا خیمہ تھا جسے رقیہ کہتے تھے' اسے وہاں نشانی کے طور پر حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بنایا تھا کہ قبر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پتہ چل سکے' اس مسجد کے علاوہ اس کی اور کوئی علامت نہ تھی۔

حضرت جعفر کے والد محمد کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو انہی کے اس گھر میں دفن کر دیا تھا جو مسجد میں داخل کر لیا گیا تھا چنانچہ ان کی قبر مسجد کے اس دروازے کے سامنے تھی جو دارِ اسماء بنت حسین بن عبد اللہ کے سامنے تھا یعنی یہ وہی دروازہ تھا جو باب النساء کے شمال مشرق میں تھا' ابن شبہ کہتے ہیں کہ میں اس حدیث کو غلط قرار دیتا ہوں کہ کیونکہ اس کی سند اور جگہ ملتی ہے اور پھر عبادل کے غلام فائد نے روایت کی (یہ سچ بولنے والے تھے) کہ عبید اللہ بن علی نے اپنے اہل بیت میں سے کسی سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا تھا' مجھے قبرستان میں میری والدہ کے پہلو میں دفن کر دینا' چنانچہ قبرستان ہی میں انہیں سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں اس خوخہ (چھوٹا سا دروازہ) کے سامنے دفن کیا گیا جو دارِ نبیہ بن وھب کے سامنے تھا' ان کی قبر اور خوخۂ نبیہ کے درمیان لوگوں کے گذرنے کا راستہ تھا اور میرے خیال میں وہ سات ہاتھ چوڑا تھا۔

فائد کہتے ہیں' مجھے منقذ حفار (قبریں کھودنے والا) نے بتایا کہ قبرستان کے اندر دو برابر قبریں تھیں جو پتھر سے

بنی تھیں' ایک حسن بن علی کی اور دوسری سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی' ہم اسے حرکت نہ دیتے تھے اور جب امیر مدینہ حسن بن زید کا دور آیا تو بنومحمد بن عمر بن علی ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آل عقیل کے مقابلے میں ان کی اس قناۃ کے بارے میں مدد مانگی جو قبرستان میں ان کے گھروں سے باہر تھی' وہ کہنے لگے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر اس قناۃ کے قریب ہے چنانچہ وہ یہ جھگڑا لے کر حضرت حسن کے پاس پہنچے' حسن نے مجھے بلایا اور مجھ سے اس بارے میں پوچھا جس پر میں نے عبید اللہ بن ابی رافع کے اور اپنے باقی اہل اور پھر حسن بن علی کے بارے میں بتایا اور ان کا یہ قول بتایا کہ ''انہیں ان کی والدہ کے پہلو میں دفن کرنا'' پھر میں نے منقد حفّار سے حضرت حسن کی قبر کے بارے میں بتایا کہ اسے دیکھا تھا جو مطابق تھی' اس پر حسن بن زید نے کہا' میرا خیال بھی وہی ہے جو تم کہہ رہے ہو اور پھر آلِ عقیل کے قناۃ کا بھی اقرار کیا پھر ابن شبہ کے مطابق حضرت جعفر بن محمد کہتے تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر ان کے اس گھر میں تھی جسے عمر بن عبد العزیز نے مسجد میں داخل کر لیا تھا' وہ کہتے ہیں' مجھے ایک کتاب ملی جس میں ابو غسان کی طرف سے لکھا گیا تھا کہ حضرت عبد العزیز بن عمران کہتے تھے کہ انہیں ان کے گھر میں دفن کیا گیا اور ان سے وہی معاملہ کیا گیا جو رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تھا یعنی انہیں ان کی چارپائی کی جگہ دفن کیا گیا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انہیں رات کے اندھیرے میں دفن کیا گیا لہٰذا کسی کو پتہ نہ چل سکا۔

فوت شدہ کو اُٹھانے کے لئے تختہ کا رواج کب پڑا؟

پھر ابن شبہ نے اسے رد کرنے کا اشارہ دیا کہ انہیں ابو عاصم نبیل نے بتایا: کھمس بن حسن نے کہا' مجھے یزید نے بتایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والد کے بعد غمزدہ رہنے لگیں اور ستر رات دن یونہی گذر گئے' پھر فرمایا کہ میں اپنے جسم کی خدا داد عظمت کے پیش نظر کل مردوں کے کندھوں پر جانے سے حیاء کرتی ہوں کیونکہ لوگ مردوں کو بھی یونہی اُٹھاتے تھے جیسے عورتوں کو اُٹھاتے تھے چنانچہ اسماء بنت عمیس یا اُم سلمہ نے کہا' میں نے حبشہ میں ایک کام ہوتے دیکھا ہے چنانچہ فوت شدہ لوگوں کے لئے تختہ بنایا گیا جس کا بعد میں رواج ہو گیا۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت ابو رافع کی بیوی سلمٰی کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ کو بخار آ گیا چنانچہ ان کی حالت تبدیل ہونے لگی' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے تو وہ کہنے لگیں' اے ماں! مجھ پر پانی ڈالتی جاؤ' پھر کھڑی ہوئیں اور خوب اچھی طرح غسل کیا اور کہا کہ اچھے اچھے کپڑے لے آؤ' انہوں نے کپڑے دے دئے تو انہوں نے پہن لئے اور پھر اس گھر میں آ گئیں جس میں رہتی تھیں اور کہا: مجھے گھر کے درمیان چارپائی پر لٹا دو' انہوں نے چارپائی درمیان میں کر دی۔ وہ لیٹ گئیں اور چہرہ کعبے کو کر لیا' اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھا اور کہا: اے میری ماں! اب میری روح نکل رہی ہے' میں نے غسل کر لیا ہے لہٰذا کوئی مجھ سے کپڑا نہ ہٹائے۔ کہتے ہیں کہ وہیں آپ کی روح نکل گئی' اتنے میں حضرت علی آ گئے تو حضرت سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں بتایا' اس پر انہوں نے کہا: کوئی بات نہیں' کپڑا کوئی

نہ ہٹا سکے گا چنانچہ انہوں نے اسی غسل میں انہیں اُٹھایا اور دفن کر دیا۔ پھر اس کے بعد ابن شبہ لکھتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ میں نے اور حضرت علی بن ابو طالب نے بنت رسول ﷺ کو غسل دیا تھا۔ بیہقی کے مطابق حضرت اسماء بنت عمیس کہتی ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصیت کی تھی کہ انہیں میں اور حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسل دیں چنانچہ ان دونوں ہی نے دیا تھا پھر اس کے بعد لکھا کہ یہ محل نظر ہے کیونکہ اس وقت حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھیں اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت ابوبکر کو حضرت فاطمہ کے وصال کا پتہ نہیں چل سکا کیونکہ حدیث بخاری میں آ چکا کہ حضرت علی نے انہیں رات ہی میں دفن کیا تھا اور حضرت ابوبکر کو اطلاع نہیں دی تھی تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے علم کے بغیر ان کی بیوی انہیں غسل دیتی۔

خلافیات میں انہوں نے اس کا جواب یہ دیا' ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو پتہ چل گیا ہو اور انہوں نے یہ بات پسند نہ کی ہو کہ جو بات حضرت علی چھپا رہے ہیں' اسے ردّ کر دیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں' ان دونوں روایات کو یوں اکٹھا کیا جا سکتا ہے: ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر کو وفات کا علم ہو گیا ہو لیکن انہوں نے خیال یہ کیا ہو کہ ابھی حضرت علی انہیں رات ہی میں دفن کے لئے بلائیں گے اور حضرت علی نے یہ خیال کیا ہو کہ بن بلائے وہ خود آ جائیں گے۔

بنت عمیس کی اس حدیث کو احمد اور ابن منذر نے بطور دلیل پیش کیا ہے اور ان دونوں کے اسے ٹھوس جاننے میں یہ دلیل موجود ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے لہٰذا وہ بات باطل ٹھہرے گی جس میں انہوں نے روایت کیا کہ انہوں نے خود غسل کر لیا تھا اور یہ وصیت کر دی تھی کہ دوبارہ انہیں غسل نہ دیا جائے۔

میں کہتا ہوں کہ بہر صورت حدیث بنت عمیس کو اوّلیت حاصل ہے کیونکہ ایسی دلیلیں موجود ہیں جو بتاتی ہیں کہ میت کو بہر صورت غسل دینا واجب ہے اور حدیث میں یہ نہیں ملتا کہ حضرت ابوبکر کو آپ کی وفات کا علم نہ ہو سکا بلکہ حضرت علی نے انہیں بتائے بغیر ہی آپ کو دفن کر دیا تھا۔

ابن عبد البر نے حدیث اسماء پورے طور پر بیان کی ہے جس میں موجود ہے کہ حضرت ابوبکر کو سیّدہ کی وفات کا علم تھا۔ پھر عمارہ بن مہاجر کے مطابق حضرت اُم جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسماء بنت عمیس سے کہا تھا: اے اسماء میں اسے برا جانتی ہوں جو عورتوں سے کیا جاتا ہے' عورتوں پر کپڑا ڈال دیا جاتا ہے اور اسے صفہ پر لے جاتے ہیں۔ اس پر حضرت اسماء نے کہا: اے بنت رسول اللہ! کیا میں آپ کو ایک ایسی شے نہ دکھاؤں جسے میں نے سرزمین حبشہ میں دیکھا ہے؟ پھر انہوں نے کھجور کی کچی تازہ ٹہنیاں منگوائیں اور انہیں موڑ کر ان پر کپڑا رکھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے دیکھ کر فرمایا: یہ تو بہت عمدہ ہے' اس کی بناء پر مردوں سے عورت کا امتیاز دکھائی دیتا ہے چنانچہ جب میں فوت ہو جاؤں تو آپ اور علی مجھے غسل دیجئے گا' کوئی اور اندر نہ آنے پائے اور جب ان کا وصال ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں' حضرت اسماء نے کہا: آپ اندر نہ آئیں' انہوں نے حضرت ابوبکر سے شکایت کی کہ یہ خثعمی خاتون ہمارے اور بنت رسول ﷺ کے درمیان آ رہی ہیں حالانکہ میں ان کے لئے ایک دلہن

جیسا ھودج بنا چکی ہوں۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر آئے اور دروازے پر کھڑے ہو گئے' کہنے لگے: اے اسماء! تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو بنتِ رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے سے روک رہی ہو؟ اور پھر انہوں نے تو ان کے لئے دُلہن جیسا ھودج تیار کر رکھا ہے۔ انہوں نے کہا: آپ ہی نے تو مجھے کہا تھا کہ کسی کو ان کے پاس آنے نہ دینا۔ میں نے حضرت فاطمہ کی زندگی میں انہیں یہ دکھایا تھا جو انہوں نے تیار کیا ہے' اس پر انہوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ان کے لئے ایسا بنا دوں۔

حضرت ابوبکر نے کہا' تم وہی کرو جس کے بارے میں میں تمہیں کہہ رہا ہوں اور یہ کہہ کر واپس آ گئے' اس کے بعد حضرت اسماء اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں غسل دیا۔ علامہ دولابی نے مختصر طور پر اس کا معنیٰ بیان کیا ہے' اس میں لکھا ہے کہ جب انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وہ خوبصورت تختۂ میت دکھایا تو خوش ہوئیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ اس دن کے علاوہ کبھی بھی مسکرائی نہ تھیں پھر انہوں نے یہ بھی لکھا کہ آپ نے حضرت علی کو وصیت کی تھی کہ آپ اور اسماء مجھے غسل دیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو الگ الگ وصیت کی ہو۔

ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلامی دور میں سب سے پہلی وہ خاتون ہیں کہ جن کی نعش کو صفہ پر ڈھانپا گیا تھا' ان کے بعد حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا۔

وصالِ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۳ رمضان منگل کی شب ۱۱ھ کو وصال فرما گئی تھیں اور انہوں نے اپنے شوہر کو اشارہ کر دیا تھا کہ انہیں رات کی تاریکی میں دفن کریں۔

میں کہتا ہوں' شاید ان کا مقصد انتہائی پردہ داری تھا اور یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اطلاع نہیں دی گئی تھی اور اسی کے ساتھ ان کے بقیع میں دفن ہونے کی روایت کی تصدیق ہوتی ہے اور یہی وہ مقصد ہے جس کی بناء پر ابن زبالہ نے ایسی روایات اکٹھی کی ہیں جو یہ بات بتا سکیں۔

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے کچھ بیٹوں کی قبریں

علامہ مسعودی ''مروج الذھب'' میں لکھتے ہیں کہ ابو عبد اللہ جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وفات ۱۴۸ھ کو ہوئی اور بقیع میں وہ تنہا اپنے والد کے ساتھ دفن ہوئے۔ مسعودی کہتے ہیں کہ یہاں بقیع میں ان کی قبروں پر پتھر کی تختی لگی ہوئی تھی جس پر یہ لکھا تھا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم الحمد للّٰہ مبید الامم و محی الرمم ھذا قبر فاطمۃ بنت

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم سیّدۃ نساء العالمین و قبر الحسن بن علی و علی بن الحسین بن علی و قبر محمد بن علی و جعفر بن محمد علیہم السلام۔

انتہٰی۔ پھر ان کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ جب انہوں نے مزارات کی زیارت کی تو ۳۳۲ھ تھا۔

خلیفہ متوکل باللہ نے حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر مبارک کو گرانے کا حکم دیا

حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دیگر سلف صالحین کی قبروں کی معین جگہ سے لاعلمی کی اصل وجہ یہ رہی کہ وہ قبروں پر اینٹیں وغیرہ لگاتے تھے اور نہ ہی اس پر چونا سے پلستر کرتے تھے اور مزید یہ کہ اہلِ بیت کے ساتھ شروع سے آج تک امیر اور حکمران دشمنی رکھتے چلے آئے ہیں چنانچہ مسعودی نے لکھا ہے کہ خلیفہ متوکل نے ۲۳۶ھ میں زبرج کے نام سے مشہور شخص کو حکم دیا کہ حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف جائے' اسے گرائے اور زمین کھود کر اس کا نشان تک مٹا دے اور جو وہاں موجود ہو' اسے سزا دے اور جو یہ کام کریں' انہیں بہت سے تحفے دے لیکن سب سزائے الٰہی سے ڈر گئے اور اس کام سے رُک گئے۔ اس پر زبرج نے کدال لیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک قبر کا اوپر والا حصہ گرا دیا اور پھر یہ عادت بنا لی گئی' وہ قبر مبارک کی لحد تک گئے لیکن وہاں انہیں ہڈی وغیرہ تک بھی نظر نہ آئی۔ پھر یہ سلسلہ جاری رہا کہ اسی دوران خلیفہ مستنصر باللہ کا دور آ گیا۔ انتہٰی۔

اس پچھلے مضمون سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ قابلِ بھروسہ بات حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مبارک قبر کا بقیع میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ہونا ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ ان کے گھر میں ہے' اس کے پیش نظر دو باتیں سامنے آتی ہیں' ایک تو یہ کہ مسجد سے اس کی جگہ وہ ہے جو دارِ اسماء بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے ہے یعنی باب النساء کی شامی (شمالی) جانب اور یہ بات بہت بعید ہے اور دوسری وہ جسے عز بن جماعہ نے ذکر کیا اور کہا: سب سے ظاہر قول یہ ہے کہ قبر مبارک ان کے گھر میں ہے اور وہ لکڑی کے محراب کی جگہ تھی جو حجرۂ مقدسہ کی پچھلی طرف لوہے کی جالی (مقصورہ) کے اندر ہے چنانچہ میں نے حجرۂ مبارکہ پر مقرر خادموں کو دیکھا ہے کہ وہ محراب اور حجرۂ مبارکہ کے قابلِ زیارت تکونی حصے میں قدم رکھنے سے سخت پرہیز کرتے ہیں' ان کا گمان یہی ہے کہ یہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک ہے۔

پھر چوتھے باب کی انیسویں فصل میں گذر چکا ہے کہ جب انہوں نے بڑے گنبد کے ستونوں کی بنیاد رکھی تو وہاں ایک زائد ستون کی بھی بنیاد رکھی جو حجرۂ مبارکہ کی پچھلی طرف مثلث جیسے حصے کے مشرقی پہلو کے نزدیک بنایا گیا چنانچہ وہاں ایک قبر کی لحد دکھائی دی اور کچھ ہڈیاں بھی ملیں اور اس دن لوگوں نے ایک بھیانک وقت دیکھا جس کے بارے میں مجھے شیخ الخدام سیفی قائم وغیرہ نے اطلاع دی۔ علاوہ ازیں ابن جماعہ نے قبر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں دو اور قول بھی لکھے ہیں' ایک یہ کہ اس جگہ وہ صندوق ہے جو ریاض الجنہ میں امام کے مصلّے کے سامنے ہے' وہ

کہتے ہیں کہ یہ بات تو بعید از قیاس ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اُن کی اس بات کا اصل میں معلوم نہیں کر سکا تو شائد اس کے قائل کو اس محراب کا شبہ پڑ گیا ہے جو ان کے گھر کی جگہ ہے کیونکہ وہاں بھی حوض کی طرح کا ویسا ہی مصلّٰی ہے جیسے ریاض الجنہ میں ہے اور اس کے سامنے صندوق ہے اور وہی مذکور محراب ہے لیکن چوتھے باب کی تیسری فصل میں گذر چکا کہ جب انہوں نے جلے ہوئے صندوق کی جگہ اس ستون کی بنیاد رکھی جہاں مصلّائے نبوی کا محراب تھا اور وہ امام کا مصلّٰی تھا تو وہاں انہوں نے قبر دیکھی جس کی لحد اینٹوں سے بند کی گئی تھی' انہوں نے وہاں سے کچھ ہڈیاں نکالیں جبکہ پہلے لوگوں نے اس کے نزدیکی ستون کی بنیاد ختم کر دی تھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ بقیع میں موجود مسجد میں ہے جو آپ کے نام سے منسوب ہے یعنی جو حضرت عباس کے گنبد کے قریب ہے اور قبلہ کی طرف سے مشرق کی طرف مائل جگہ پر ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''زیارۃ البقیع'' کے بیان میں اس مسجد کا ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا: ''مستحب یہ ہے کہ روزانہ رسول اللہ ﷺ پر سلام پیش کر کے بقیع کی طرف جائے۔'' اور پھر قابلِ زیارت قبروں کا ذکر کیا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ: مسجد فاطمہ میں نفل پڑھے۔ان کے علاوہ اوروں نے بھی یہ بات لکھی ہے اور کہا ہے کہ: یہی جگہ ''بیت الحزن'' کہلاتی ہے کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والد گرامی کے غم میں یہاں کچھ دنوں تک ٹھہری تھیں۔تاہم انہوں نے سیّدہ کے یہاں دفن کے بارے میں کچھ نہیں لکھا حالانکہ ان کا یہ قول' ان کے بقیع میں دفن ہونے کے قول کی گویا ایک شاخ ہے لیکن پہلی روایتوں سے بعید ہے کیونکہ یہ جگہ دارِ عقیل اور قبر حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت دور ہے۔

حضرت محبّ طبری ''ذخائر العقبیٰ فی فضائل ذوی القربیٰ'' میں لکھتے ہیں کہ مجھے ایک دینی بھائی نے بتایا کہ حضرت شیخ ابو العباس رحمہ اللہ تعالیٰ جب بقیع کی زیارت کو جاتے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گنبد کے قبلہ میں سامنے کھڑے ہو کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر سلام پیش کرتے اور بتاتے کہ انہیں اس جگہ قبر مبارکہ سے کشف کا موقع ملا ہے۔

علامہ طبری کہتے ہیں کہ میرا یہی عقیدہ رہا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ میرے شیخ سچ کہتے ہیں' اسی دوران مجھے اس بات کا پتہ چل گیا جو ابن عبد البر نے کہی تھی کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب فوت ہوئے تو اپنی والدہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں دفن ہوئے تھے چنانچہ میرے یقین میں اضافہ ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قول سب اقوال سے اوّلیت رکھتا ہے۔واللہ اعلم۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان سے قریبی قبریں

یہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم اور سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کے بقیع کو لے جانے کا بیان ہوگا۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عبادل کے غلام فائد نے بتایا کہ انہیں عبیداللہ بن علی نے گذرے ہوئے گھر والوں کی خبر دی کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیٹ کی تکلیف ہوئی اور پورے طور پر اثر ہوگیا اور انہیں معلوم ہوگیا کہ وہ فوت ہو جائیں گے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیغام بھیجا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس دفن ہونے کی اجازت دیں' انہوں نے فرمایا' ٹھیک ہے' صرف ایک قبر ہی کی جگہ باقی ہے۔ جب بنو امیہ نے یہ بات سنی تو وہ اور بنو ہاشم زرہیں پہن کر جنگ کے لئے تیار ہو گئے' بنو امیہ نے کہا: بخدا یہاں کبھی بھی دفن نہ ہوسکیں گے۔

یہ بات حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچ گئی تو آپ نے اپنے اہلِ خانہ کو کہلا بھیجا کہ اگر ایسی صورت ہے تو مجھے یہاں دفن ہونے کی کوئی ضرورت نہیں' مجھے میری والدہ کے پاس ہی قبرستان میں دفن کر دینا چنانچہ انہیں ان کی والدہ کے پہلو ہی میں قبرستان کے اندر دفن کیا گیا۔

نوفل بن فرات کی روایت بھی یونہی ہے البتہ اس میں ہے کہ حضرت امام حسن نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا' شاید یہ لوگ یہاں دفن کرتے وقت تمہیں ویسے ہی روکیں گے جیسے ہم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہاں دفن ہونے سے روک دیا تھا' مروان بن حکم ان دنوں امیر مدینہ تھے' انہوں نے حضرت عثمان کو گھر دفن کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے روک دیا اور اگر وہ ایسا کریں تو جھگڑنے کی ضرورت نہیں' مجھے بقیع الغرقد میں دفن کر دینا پھر انہوں نے مروان کے منع کرنے کا ذکر کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جب یہ بات پہنچی تو انہوں ہتھیار لگا لئے اور مروان نے بھی ہتھیار لگا لئے' اسی دوران ایک شخص حضرت امام حسین کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوعبداللہ! کیا آپ اپنے بھائی کو دفن کرنے سے پہلے ان کی بے فرمانی کرو گے؟ کہتے ہیں کہ آپ نے ہتھیار اُتار دیئے اور انہیں بقیع الغرقد میں دفن کر دیا۔

ابن عبد البر کی ایک روایت یہ ہے کہ جب انہوں نے ہتھیار لگا لئے تو یہ بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچ گئی' انہوں نے کہا' بخدا یہ تو ظلم ہے کہ حضرت امام حسن کو ان کے بابا کے پاس دفن ہونے سے منع کیا گیا ہے' بخدا وہ تو رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ہیں' پھر آپ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے' ان سے بات کی' انہیں قسم دی اور کہا: کیا آپ کے بھائی نے نہیں کہا تھا کہ اگر آپ کو کوئی خوف ہو کہ قتل و غارت ہوگی تو مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا؟ سلسلہ چلتا رہا اور آخر انہوں نے وہی کچھ کر دیا۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دفن ہونے والوں کے نام

ابن نجار نے لکھا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کی قبر میں ان کے بھتیجے امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ابو جعفر الباقر محمد بن زین العابدین تھے اور حضرت جعفر الصادق بن باقر تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور غزالی نے بھی یہی لکھا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بقیع میں دفن ہونا

حضرت زبیر بن بکار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو روق کی روایت لی ہے، کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم اطہر اُٹھایا اور بقیع میں دفن کر دیا۔

میں کہتا ہوں، یہ اتفاق کی بات ہے کہ آٹھ سو ساٹھ سے کچھ اوپر سال تھے کہ حضرت حسن اور عباس کے مزارات کے قبلہ والی جانب سامنے قبر تیار کی گئی تو انہوں نے اس دوران ایک حوض سا دیکھا جس میں لکڑی کا تابوت تھا جسے کسی سرخ شے میں ڈھانپا گیا تھا اور اس میں کیل لگے تھے جو سفید اور چمکدار تھے، انہیں زنگ بھی نہیں لگا تھا، لوگوں نے تعجب کیا کہ انہیں زنگ بھی نہیں لگا تھا اور وہ پردہ بھی بوسیدہ نہیں ہوا تھا۔

مجھے بہت سے ایسے لوگوں نے بتایا جنہوں نے اس کا مشاہدہ کیا تھا اور یہ بھی دیکھا تھا کہ اس حوض میں داخل ہونے کی جگہ پر پرانے پتھر تھے۔ شاید اس تابوت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم ہو۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سر کا دفن کرنا

حضرت محمد بن سعید کہتے ہیں کہ یزید بن معاویہ نے حضرت امام حسین کا سر انور عمرو بن سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیجا، یہ اس وقت اس کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا چنانچہ اس نے اسے کفن دیا اور بقیع میں ان کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس دفن کر دیا لیکن ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر انور یزید کے خزانے میں دیکھا تو اسے کفن دے کر باب الفرادیس کے پاس دمشق میں دفن کر دیا، کچھ حضرات نے اور بھی لکھا ہے تاہم ان میں سے جہاں بھی جائے، سلام کرنے میں حرج نہیں۔

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر مبارک

ابن شبہ کے مطابق عبد العزیز کہتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبد المطلب کو حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کے پاس بنو ہاشم کی ان قبروں کی ابتداء ہی میں دفن کیا گیا جو دارِ عقیل میں تھیں۔ عبد العزیز کہتے ہیں، میں نے کسی سے سنا، کہ انہیں بقیع کے مقام پر قبرستان کے درمیان میں دفن کیا تھا۔

حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر

ابن شبہ کے مطابق حضرت صفیہ فوت ہوئیں تو انہیں اس گلی کے آخر میں دفن کیا گیا جو بقیع کی طرف جاتی تھی' انہیں دارِ مغیرہ بن شعبہ کے دروازے کے پاس دفن کیا گیا تھی جو انہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور جاگیر دیا تھا اور وہ اس دروازے سے متصل تھا۔ حضرت عبد العزیز کہتے ہیں: مجھے پتہ چلا کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں سے اس وقت گذرے جب وہ اپنا گھر تعمیر کر رہے تھے' انہوں نے کہا: اے مغیرہ! میری ماں کی قبر سے دھاگا (سُوتر) اُٹھا لو' چنانچہ انہوں نے وہاں سے اپنی دیوار اندر کی طرف کر لی اور وہ دیوار اب تک ان کے گھر کے دروازے اور اس جگہ کے درمیان سے مڑی ہوئی ہے۔

حضرت عبد العزیز کہتے ہیں' میں نے ایک شخص سے سنا' وہ کہہ رہا تھا کہ حضرت مغیرہ نے دھاگا اُٹھانے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ حضرت عثمان کے ہاں ان کی حیثیت تھی چنانچہ حضرت زبیر نے تلوار اُٹھا لی اور عمارت کے پاس کھڑے ہو گئے' یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچ گئی' انہوں نے حضرت مغیرہ کو پیغام بھیجا کہ وہی کچھ کریں جو حضرت زبیر کہہ رہے چنانچہ انہوں نے ان کی بات مان لی۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد بن موسیٰ بن ابی عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضرت صفیہ بنت حضرت مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر حضرت مغیرہ کے گھر کے کونے پر تھی اور جب انہوں نے اپنا گھر تعمیر کیا تو ارادہ کیا کہ دھاگا اس پر رکھ کر سیدھی کر لیں' اس پر حضرت زبیر نے کہا' یہ نہیں ہو سکتا' آپ میری ماں کی قبر پر عمارت نہیں بنا سکتے چنانچہ وہ اس کام سے رُک گئے۔

میں کہتا ہوں' مشہور یہ ہے کہ یہ وہی شہادت گاہ تھی جس کا ذکر بقیع کے دروازے کے باہر آ رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابو سفیان بن عبد المطلب کی قبر

یہاں ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب کی قبر کا ذکر ہے اور حضرت عقیل اور ان کے بھتیجے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبروں کے بارے میں بتایا جائے گا چنانچہ ابن شبہ کے مطابق عبد العزیز کہتے ہیں: مجھے پتہ چلا کہ حضرت عقیل بن ابو طالب نے ابو سفیان بن حارث کو قبروں میں پھرتے دیکھا تو کہا' اے چچا زاد بھائی! کیا بات ہے کہ میں یہاں آپ کو ایسے پھرتا دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ میں قبر کے لئے جگہ تلاش کرتا پھر رہا ہوں' انہوں نے انہیں اپنے گھر میں داخل کیا اور گھر کے صحن میں قبر کھودنے کو کہا' ابو سفیان کچھ دیر کے لئے قبر کے پاس بیٹھے اور پھر واپس چلے آئے۔ ابھی دو دن بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ فوت ہو گئے اور اسی قبر میں دفن کر دئے گئے۔

موفق بن قدامہ کہتے ہیں' حضرت ابو سفیان کے بارے میں کہا گیا کہ انہوں نے اپنی موت سے تین دن پہلے خود اپنے ہاتھ سے اپنے لئے قبر کھودی۔ کہتے ہیں' ان کی موت کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے حج کیا اور جب حجام نے

حجامت کی تو سر پر موجود مَسّہ (موہکا) کاٹ دیا' وہ زخم ختم نہ ہوا اور وہ ۲۰ھ میں حج سے واپسی پر فوت ہو گئے اور دارِ عقیل میں دفن ہو گئے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

میں کہتا ہوں' ظاہر یہ ہے کہ ان کی قبر اسی شہادت گاہ کی جگہ پر ہے جو آج کل عقیل کے نام سے مشہور ہے کیونکہ ابن زبالہ اور ابن شبہ نے حضرت عقیل کی قبر بقیع میں تسلیم نہیں کی اور یونہی امام غزالی نے بھی نہیں مانی کیونکہ انہوں نے ''الاحیاء'' میں جہاں بقیع کی زیارتوں کا ذکر کیا ہے' ان کا ذکر نہیں کیا بلکہ جیسے ابن قدامہ وغیرہ نے بتایا ہے' وہ شام میں فوت ہوئے تھے' تب دورِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا' شہادت گاہ کی شہرت اس بناء پر تھی کہ یہ اس جگہ رہتے تھے' ہاں یہ ایک بعید احتمال بھی ہے کہ وہ شام میں فوت ہوئے ہوں اور انہیں یہاں لایا گیا ہو۔ یہاں ان کی شہادت گاہ کا ذکر سب سے پہلے ابن النجار نے کیا تھا چنانچہ کہا: عقیل بن ابو طالب برادرِ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر بقیع کے شروع میں ایک گنبد کے نیچے ہے اور ان کے ساتھ ان کے بھتیجے عبد اللہ بن جعفر طیار بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر ہے جو جواد کے نام سے مشہور تھے۔

حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر

ابو الیقظان کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن جعفر جواد عرب کے ایک مشہور سخی تھے' وہ خاصی عمر کو پہنچ کر مدینہ میں فوت ہوئے لیکن دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ وہ فوت ہوئے تو ۹۰ھ کے اندر ''ابواء'' میں دفن ہوئے۔ کہتے ہیں' یہ دس سال کے تھے کہ نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مزارات

ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد بن عبید اللہ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مزارات خوخۂ نبیہ سے اس گلی تک بکھرے ہوئے ہیں جو سبزی منڈی کی طرف جاتی تھی۔ ابن شبہ نے حضرت سیّدہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار کا ذکر کیا اور حضرت زید بن سائب سے یہ روایت بتائی کہ میرے دادا نے مجھے بتایا کہ جب حضرت عقیل بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر میں کنواں کھودا تو ایک پتھر نکلا جس پر لکھا تھا: ''قبر ام حبیبہ بنت صخر بن حرب'' چنانچہ انہوں نے وہ کنواں اسی وقت بند کر دیا اور اس پر گھر بنا دیا۔ ابن السائب کہتے ہیں' میں اس گھر میں داخل ہوا تو وہ مزار دیکھا تھا۔

میں کہتا ہوں' یہ اور اس سے قبل کی روایت اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کے مزارات اس مشہد میں ہیں جو ان کے نام سے مشہور ہے اور حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور کے قبہ میں ہیں اور بظاہر خوخۂ نبیہ اس مشہد کے مغرب میں ہے اور یونہی وہ گلی بھی جو سبز منڈی کی طرف جاتی تھی اور یوں ان میں سے کچھ مزارات حضرت حسن اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزارات کے قریب ہیں' اسی بناء پر ابن شبہ کے مطابق حضرت محمد بن یحییٰ نے کہا' میں نے سنا کہ حضرت

اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار بقیع میں اس جگہ تھا جہاں محمد بن زید دفن ہیں اور یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قریب تھا' اسے کھودا گیا تو وہاں آٹھ ہاتھ گہرائی میں پتھر نکلا جو ٹوٹا ہوا تھا اور اس کے کچھ حصے پر یہ لکھا تھا"ام سلمة زوج النّبی علیہ السلام" چنانچہ اسی سے معلوم ہوا کہ یہ ان کا مزار تھا۔حضرت محمد بن زید نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا کہ انہیں عین اسی جگہ دفن کریں اور آٹھ ہاتھ گہری قبر کھودیں چنانچہ اسی قدر کھود کر انہیں وہیں دفن کیا گیا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابراہیم بن علی بن حسن رافعی کہتے ہیں کہ محمد بن علی کے غلام سالم بانگی کے لئے قبر کھودی گئی تو ایک لمبا پتھر نکلا جس پر یوں لکھا تھا:"هذا قبر ام سلمة زوج النّبی علیہ السلام" اور یہ مزار خوخۂ آل نبیہ بن وھب کے سامنے تھا۔کہتے ہیں کہ اس میں مٹی ڈال دی گئی اور حضرت سالم کے لئے کسی دوسری جگہ قبر تیار کی گئی۔

حضرت حسن بن علی بن عبید اللہ بن محمد بن عمر بن علی کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی منزل گرائی جو دارِ علی بن ابو طالب میں تھی تو وہاں سے ہم نے ایک پتھر نکالا جس پر یہ لکھا تھا:"هذا قبر رملة بنت صخر" وہ کہتے ہیں کہ ہم نے عبادل کے غلام فائد سے اس سلسلے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ حضرت حضرت اُمِ حبیبہ بنت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار تھا۔یہ بات اس کے مخالف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ان کی قبر دارِ عقیل میں تھی' شائد انہیں "علی" کے نام سے غلطی لگی۔

صحیح بخاری میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو وصیت کی تھی کہ مجھے نبی کریم علیہ السلام اور ان کے صحابہ کے پاس دفن نہ کرنا بلکہ میری ساتھی دوسری اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے پاس بقیع میں دفن کرنا۔

عبادل کے غلام فائد بتاتے ہیں: مجھے منقد حفار نے کہا: قبرستان میں دو قبریں ہیں جو پتھر سے ایک جیسی بنی ہوئی ہیں اور وہ حضرت حسن اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہیں لہٰذا ہم انہیں ہلا نہیں سکتے۔

میں کہتا ہوں کہ اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن سب کی سب مدینہ میں دفن ہیں' صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا "سرف" میں دفن ہیں۔

امیرِ المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک

ابن شبہ کے مطابق حضرت زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت اُمِ حبیبہ بنت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما آئیں اور مسجد کے دروازے پر کھڑی ہوئیں' فرمایا' انہیں یہاں سے لے جاؤ ورنہ مجھے زبان سے کچھ نکالنا ہو گا' انہوں نے وہاں سے اُٹھا لیا اور جب شام ہوئی تو جبیر بن مطعم' حکیم بن حزام' عبد اللہ بن زبیر' ابو الجہم بن حذیفہ اور عبد اللہ بن حسل رضی اللہ تعالیٰ عنہم آئے' انہوں نے جنازہ اُٹھایا اور بقیع میں لے گئے' وہاں انہیں ابن بحرہ نے دفن کرنے سے روکا' یہ بھی کہتے ہیں کہ ابن نحرہ ساعدی نے روکا تھا چنانچہ انہیں حش کوکب والے قبرستان میں لے جایا گیا' یہ مدینہ میں ایک

باغ تھا' حضرت جبیر نے ان کی نماز جنازہ پڑھی' انہیں دفن کیا اور واپس چلے آئے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ انہیں بقیع میں دفن کرنے سے اسلم بن اوس بن بجرہ ساعدی نے روکا تھا چنانچہ وہ انہیں حش کوکب کی طرف لے گئے' حکیم بن حزام نے جنازہ پڑھایا تھا۔ بنوامیہ نے حش کوکب کو بقیع میں شامل کرلیا۔

حضرت اُمِ حکیمہ کہتی ہیں کہ میں ان چار لوگوں کے ہمراہ تھی جنہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن کیا تھا' جبیر بن مطعم' حکیم بن حزام' ابوجہم بن حذیفہ اور نیار بن مکرم اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہم انہوں نے دروازے پر انہیں اُٹھایا اور میں ان کا سر دروازے پر لگنے کی آواز سن رہی تھی اور لے کر انہیں حش کوکب پہنچے جہاں دفن کر دیا۔

کہتے ہیں کہ ''حش کوکب'' باغ میں ایک جگہ تھی جو بقیع کی مشرقی جانب تھا' اسے خضراء ابان کہتے تھے۔ یہ ابان بن عثمان تھے۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے اس جانب کو آج کل ''حضاری'' کہا جاتا ہے۔

ابن سعد کے مطابق حضرت مالک بن ابو عامر کہتے ہیں کہ لوگ حش کوکب میں اپنے فوت شدہ لوگوں کو دفن کرنے سے گریز کرتے تھے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے: عنقریب ایک نیک شخص ہلاک ہوگا اور یہاں دفن ہوگا تو لوگوں کو یہاں دفن کرنے میں تسلی ملے گی۔ کہتے ہیں چنانچہ حضرت عثمان ہی وہ پہلے شخص تھے جو یہاں دفن ہوئے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عبد اللہ بن خروج کہتے ہیں' ہم طلحہ کے ساتھ تھے' مجھے اور اپنے بھتیجے عبد الرحمٰن بن عثمان بن عبید اللہ سے انہوں نے کہا جاؤ اور دیکھو کہ اس شخص (عثمان) کا کیا حال ہے۔ ہم اندر گئے تو دیکھا کہ ان پر سفید کپڑا پڑا تھا۔ ہم نے واپس آ کر انہیں صورتِ حال بتائی۔ انہوں نے کہا' اُٹھو اور انہیں دفن کر دو' ہم گئے تو شہید کی طرح ان پر وہی کپڑے لپیٹ دیئے پھر جنازہ کے لئے لے چلے' مصریوں نے کہا' ان کا جنازہ نہیں پڑھنے دیں گے اس پر ابوالجہم بن حذیفہ نے کہا: تم نہیں پڑھتے تو نہ پڑھو' اللہ ان پر رحمت فرما چکا۔ پھر انہوں نے آپ کو تلوار کی نوک لگائی تو میں سمجھا کہ انہیں قتل کر دیں گے پھر نبی کریم ﷺ کے پاس دفن کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ وہاں انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنی قبر کے لئے جگہ محفوظ کرا لی تھی' تاہم ان لوگوں نے دفن کرنے نہیں دیا چنانچہ ان کی خرید کردہ زمین میں انہیں دفن کر دیا گیا جسے بعد میں قبرستان کے اندر شامل کر لیا گیا چنانچہ سب سے پہلے وہاں آپ ہی دفن ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اس دن حضرت عمرو بن عثمان نے ان کا جنازہ پڑھایا تھا۔

ابن شہاب وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بقیع میں دفن ہونے سے روک دیا گیا تو انہیں حش کوکب میں دفن کیا گیا۔ بقیع میں سب سے پہلے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن ہوئے تھے اور حضور ﷺ نے ان کی قبر پر بطور علامت پتھر رکھ دیا تھا اور فرمایا: ہم تمہیں تقویٰ والوں کا امام بنا رہے ہیں اور جب حضرت

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان بن حکم کو مدینہ کی حکومت دی تو انہوں نے اس حش کوکب کو بقیع میں داخل کر دیا' اور وہ پتھر اُٹھا لیا اور اسے عثمان بن مظعون کی قبر پر رکھ دیا پھر کہا' وہ بھی عثمان' یہ بھی عثمان چنانچہ لوگ حضرت عثمان کے اردگرد دفنائے جانے لگے۔

حضرت سعد بن معاذ الاشہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک

حضرت عبدالعزیز کہتے ہیں کہ حضرت سعد' خندق کے دن زخمی ہو گئے' انہوں نے دُعا کی تو خون رُک گیا اور انہوں بنو قریظہ کا فیصلہ کیا پھر وہ سارا زخم پھٹ گیا چنانچہ بنو عبدالاشہل کے ہاں اپنے گھر میں فوت ہو گئے' رسول اللہ ﷺ نے ان کا جنازہ پڑھایا اور گلی کے اس پہلو میں انہیں دفن کر دیا جو دار مقداد بن اسود سے متصل تھی اور یہ وہی مقداد بن عمرو تھے' جنہیں اسود بن عبد یغوث زہری نے تو متبنّیٰ بنا رکھا تھا اور یہ وہی گھر تھا جسے دارِ ابن افلح کہتے تھے' یہ دور بقیع میں واقع تھا۔ انتہٰی اور یہ بات تو حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار پر سچی آتی ہے کیونکہ دور بقیع میں گلی کی ایک جانب یہی موجود ہے' اس کی مشرقی جانب بنو ظفر اور بنو عبدالاشہل رہتے تھے اور شاید یہی ان کی قبر تھی لیکن فاطمہ کے نام سے اشتباہ پڑ گیا جیسا کہ ہم ان کی قبر کے بیان میں لکھ چکے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک

حضرت عبدالرحمٰن بن ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے کہا: اے بیٹے! میں بوڑھا ہو چکا ہوں' میرے ساتھی چلے گئے' میرا وقت بھی قریب ہے' میرا ہاتھ پکڑو۔ میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور بقیع کے پاس لے آیا' میں بقیع میں وہاں دور لے پہنچا جہاں کسی کو دفن نہیں کیا جاتا تھا۔ انہوں نے کہا اے بیٹے! میں فوت ہو جاؤں تو میری قبر یہاں بنانا' کوئی بھی مجھ پر نہ روئے اور نہ ہی مجھ پر قبہ بنایا جائے میرے فوت ہونے کی کسی کو اطلاع نہ دینا' مجھے تنگ گلی سے گزارنا اور تیزی سے لے جانا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ پھر میرے سہارے بقیع میں وہاں آئے جہاں کوئی بھی دفن نہ کیا جاتا تھا اور کہا' میں فوت ہو جاؤں تو مجھے یہاں دفن کرنا۔ مجھے تنگ گلی سے گذارنا۔ مزید فرمایا: مجھ پر کوئی نہ روئے' تیزی سے لے جانا' کسی کو میری وجہ سے تکلیف نہ دینا۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں لوگ مجھ سے پوچھتے کہ انہیں کب لے چلیں گے تو میں بتانے سے گریز کرتا کیونکہ انہوں نے مجھے روک رکھا تھا چنانچہ دوپہر کو انہیں باہر نکالا لیکن جب بقیع میں پہنچے تو وہ لوگوں سے بھر چکا تھا۔

بقیع اور مدینہ میں آج کل مشہور مزارات

یاد رکھئے کہ جو صحابہ کرام حضور ﷺ کے دور اور بعد میں فوت ہوئے' ان میں بہت سے بقیع میں دفن ہوئے' یونہی اہلِ بیت نبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین سادات یہیں دفن ہوئے چنانچہ عیاض کی ''مدارک'' کے مطابق حضرت مالک بتاتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں تقریباً دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا وصال مبارک ہوا اور دوسرے حضرت

مختلف شہروں کی طرف چلے گئے۔

علامہ مجد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: اس میں شبہ نہیں کہ بقیع کا قبرستان سردار قسم کے امتیوں سے بھرا ہوا ہے تاہم چونکہ سلف صالحین قبروں کی ضرورت سے زائد تعظیم اور قبروں کو چونے سے بنانے سے گریز کرتے تھے اس لئے ان کے اکثر مزارات کے نشان ختم ہو گئے اور یہی وجہ ہے کہ چند کے سوا کسی معین قبر کا پتہ نہ چل سکتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہاں چند مزارات بنائے گئے جن میں سے ایک مزار تو وہاں موجود ہے جہاں آپ بقیع کے دروازے سے نکلیں تو حضرت عقیل بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب مزار سے پہلے آتا ہے' امہات المؤمنین کے مزارات بھی وہیں ہیں' وہیں حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارت ہیں اور وہ بھی ہیں جن کا ذکر ان کے ساتھ پہلے گذر چکا' ان پر بلند اور عظیم گنبد بنا ہوا ہے۔

چنانچہ ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ گنبد بہت بڑا ہے' یہ ایک قدیم عمارت ہے' اس کے دو دروازے ہیں جن میں سے روزانہ ایک کھولا جاتا ہے۔ ابن نجار نے اسے بنانے والے کا ذکر نہیں کیا لیکن حضرت مطری کہتے ہیں کہ اسے خلیفہ الناصر احمد بن مستضیئ نے بنایا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات قابل غور ہے کیونکہ یہ خلیفہ ناصر ابن نجار کا ہم عصر تھا کیونکہ وہ ۶۲۲ھ میں فوت ہوا تھا جبکہ ابن النجار کی وفات ۶۴۳ھ کو ہوئی تھی جبکہ ابن نجار کہتے ہیں: اس گنبد کی عمارت قدیم ہے اور پھر انہوں نے اس کی موجودہ حالت کا ذکر کیا پھر میں نے اس مزار کے محراب پر اونچائی میں لکھا دیکھا ہے کہ "**امر بعملہ المنصور المستنصر باللہ**" لیکن اس کا نام نہیں لکھا اور نہ ہی تعمیر کی تاریخ لکھی ہے تو شاید یہ وہ منصور تھا جو خلفاءِ بنو عباس میں سے دوسرا تھا لیکن اس کا لقب مستنصر باللہ نہیں تھا اور نہ ہی میں نے دیکھا کہ کسی نے یہ دونوں لقب جمع کئے ہوں اور پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور کے ایک گوشے میں لکھا ہے کہ: "**الامر بعملہ المسترشد باللہ سنة تسع عشرة و خمسمائة**" لیکن شاید اس گنبد کی تعمیر اس سے قبل ہوئی تھی۔ یہاں حضرت عباس اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں زمین سے قدرے بلند ہیں' وسیع ہیں جن پر تختیاں خوب ملا کر جوڑی گئی ہیں' چوڑے زرد پتھر کیلوں اور میخوں سے نہایت ہی خوبصورت طریقے پر لگائے گئے ہیں جو دیکھنے والوں کو بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ ان دونوں مزارات کی زیارت کرنے والوں کو چاہئے کہ ان کے اور حضرت فاطمہ و حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قریب ان مزارات پر بھی سلام کہے جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں مدینہ پر حکومت کرنے والوں کے بھی بہت سے مزارات ہیں اور ان کے رشتہ دار بھی یہیں دفن ہیں۔

اسی کے مغربی حصے میں حضرت ابن الھیجاء کی قبر ہے جو عبیدیوں کے وزیر تھے' اس پر عمارت کھڑی ہے نیز ایک اور قبر بھی ہے جو ابن ابی النصر کے نام سے مشہور ہے۔ اس پر بھی عمارت بنی ہوئی ہے۔ اسی مزار کے مشرق میں' اس سے ذرا دور دو چوکھنڈیاں ہیں جن میں سے ایک میں امیر جوبان کی قبر ہے جو مدرسہ جوبانیہ کے بانی تھے اور دوسری میں کچھ

اور اہم لوگ ہیں جو مدینہ میں آ گئے تھے۔ میں ان کے بارے میں اس لئے خبردار کر رہا ہوں کہ وقت کے ساتھ ساتھ کہیں یہ مل جل نہ جائیں۔

انہی میں سے ایک مشہد اور ہے جو حضرت عقیل سے منسوب مشہد کے بالکل متصل ہے چنانچہ حضرت مطری کہتے ہیں کہ اس میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مزارات ہیں۔

ابن نجار اپنے دور کی مشہور قبروں کے بارے میں لکھتے ہیں: یہاں چار ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی قبریں ہیں جو واضح دکھائی دیتی ہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان میں کون کون سی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن آرام فرما رہی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ مزارات کی اس چوکھنڈی میں زمین بالکل برابر ہے' کوئی قبر دکھائی نہیں دیتی' یہ چوکھنڈی پتھر سے بنائی گئی تھی جیسے مطری نے لکھا ہے اور پھر امیر بردبک معمار نے ۸۵۳ھ میں اس پر گنبد بنا دیا۔

ان مزارات میں سے حضرت عقیل بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار ہے جس کا ذکر ابن النجار نے کیا اور بعد کے مؤرخین ان کی پیروی میں چلے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ ان کے بھتیجے عبداللہ جواد بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر ہے جیسے ہم قبر ابو سفیان بن حارث میں بتا چکے ہیں اور وہاں یہ بھی بتایا تھا کہ یہ مزار دارِ عقیل سے ہے اور جن کا دفن یہاں کیا گیا تھا وہ ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب تھے' یہ بھی بتایا تھا کہ حضرت عقیل شام میں فوت ہوئے جس میں مطری کی مخالفت ثابت ہوتی ہے کہ ان کا مزار ان کے گھر میں بنا اور پھر ہم نے یہ بھی جائز مانا کہ آپ کو شام سے یہاں لایا گیا ہو لہٰذا ان تینوں مزارات پر سلام پیش کرنا لازم ہے اور پہلے یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ اس چوکھنڈی کے کونے پر دُعا قبول ہوتی ہے۔

انہی مزارات میں سے ایک مشہد عقیل کے پاس ایک روضہ بنا ہوا ہے' کہا یہ جاتا ہے کہ اس میں حضور ﷺ کی تین اولادیں ہیں۔ علامہ مجد نے یونہی بتایا ہے اور اپنے زمانے میں اسے بقیع کا حصہ بتایا ہے لیکن میں نے کہیں اور یہ بات نہیں دیکھی اور اگر علامہ مجد حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کے مزار کا ذکر نہ کرتے تو ہم ان کا مزار نہیں سمجھتے۔ حضرت عقیل کے مزار کے پاس ایک گرا ہوا گنبد ہے جو اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مزارات کی غربی جانب ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان میں کون دفن ہیں اور شاید مجد کی یہی مراد ہے یا وہ گنبد ہے جس کا ذکر حضرت امامِ مالک کے مزار کے بیان میں آ رہا ہے کہ وہ اس کے شمال مشرق میں ہے کیونکہ دونوں ہی کو حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے قریب کہنا درست ہے پھر واضح ہو گا کہ ان کی مراد وہ پہلی قبریں ہیں جو اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مزارات کے مغرب میں ہیں کیونکہ حضرت ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ کا ذکر کیا ہے پھر اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے روضہ کا ذکر کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ اس کے سامنے ایک چھوٹا سا روضہ ہے جس میں حضور ﷺ کی تین اولادیں دفن ہیں اور انہی کے ساتھ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما

کا روضہ ہے الخ تو یہ ہے علامہ مجد کا ماخذ جس سے لے کر انہوں نے یہ سب کچھ لکھا ہے۔

انہی میں سے ایک حضرت سیّدنا ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کا مزار ہے' ان کی قبر حضرت حسن اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسی ہے اور وہ قبلہ والی چوکھنڈی کی دیوار سے متصل ہے۔اس دیوار میں ایک شگاف ہے چنانچہ حضرت مجد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ: ان کی تربت شریف ''بیت الحزن'' کے نام سے مشہور ہے کیونکہ کہا یہ جاتا ہے کہ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے والد سیّد المرسلین ﷺ کے وصال کے بعد یہاں اظہارِ غم کرتے ہوئے ٹھکانا کیا تھا جبکہ مشہور بیت الحزن وہ ہے جو مسجد فاطمہ کے نام کے نام سے شہرت رکھتا ہے جو حضرت حسن اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزارات کے قبلہ میں ہے اور حضرت ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے: عباسی گنبد کے ساتھ ہی بیت فاطمہ بنت رسول ﷺ ہے جو ''بیت الحزن'' کے نام سے جانا جاتا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال مبارک کے غم میں آپ یہاں ٹھہری تھیں۔انتہی۔اور پھر ایک قول کے مطابق اسی میں آپ کی قبر مبارک بھی ہے جبکہ میرا خیال یہ ہے کہ وہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس گھر میں دفن ہیں جو انہوں نے بقیع میں بنایا تھا اور اس میں قبروں کے نشان معلوم ہوتے ہیں اور پھر سیّدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی شامی جانب اسی چوکھنڈی میں دو نئی قبریں دکھائی دیتی ہیں' ابن نجار نے ان کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ان کے بعد والوں نے کچھ بتایا ہے۔انہوں نے وہی کچھ ذکر کیا ہے جو ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ قبر مبارک حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں ہے اور پھر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ وصیت کی تھی کہ انہیں وہاں دفن کیا جائے لہٰذا ان کے ساتھ ان کی زیارت بھی کرنی چاہیے۔

میں کہتا ہوں کہ یونہی ان کی زیارت بھی کرنی چاہیے جن کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ یہاں دفن ہیں۔پھر انہی میں سے حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار پاک ہے جو حضور ﷺ کی پھوپھی تھیں' یہ اس مقام پر ہے کہ آپ بقیع کے دروازے سے نکلیں تو آپ کی داہنی طرف ہے۔یہ پتھر سے بنی عمارت ہے جس پر گنبد نہیں چنانچہ علامہ مطری کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس پر چھوٹا سا گنبد بنانے کا ارادہ کیا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

انہی مزارات میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار انور بھی ہے جس پر عظیم گنبد بنا ہوا ہے جسے سلطان سعید صلاح الدین یوسف بن ایوب کے ایک امیر اسامہ بن سنان صالحی نے ۶۰۱ھ میں تعمیر کیا تھا۔یہ تو مطری نے لکھا ہے لیکن زین مراغی نے لکھا ہے: ابو شامہ نے نقل کیا کہ اسے عز الدین سلمہ نے بنایا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ابن النجار نے اس گنبد کا ذکر نہیں کیا حالانکہ حضرت حسن' حضرت عباس اور حضرت سیّدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر کیا ہے جو ان کے دور میں موجود تھے حالانکہ جس تاریخ کا ذکر مطری نے کیا ہے' اس میں یہ موجود تھے بلکہ اس کے بعد بھی بڑا عرصہ زندہ رہے۔پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چوکھنڈی کی پچھلی طرف ایک قبر ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اس عمارت کے متولی کی قبر ہے۔اور ہمارے اس زمانے میں انہی کی قبر مبارک کے

مغرب میں ایک چوکور نئی عمارت نظر آتی ہے جس میں ایک عورت کی قبر ہے جو بنو جیعان میں سے کسی کی اُمِ ولد تھی اور مدینہ منورہ میں فوت ہو گئی تھی' اس کے ایک جانب ایک احاطہ ہے جس میں کسی ترک کی عورت دفن ہے پھر اس عمارت اور مشہد کے درمیان ایک اور احاطہ ہے جس میں ہمارے ساتھی حرمین کے قاضی علامہ محی الدین حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہمشیرہ دفن ہیں۔

پھر انہی میں سے ایک حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار بھی ہے جو بقیع میں دور دکھائی دیتا ہے' مناسب یہ ہے کہ سلام پیش کرتے وقت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی سلام پیش کریں۔

حضرت مالک بن انس اصحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار

ان میں سے ایک مزار حضرت امام دار الہجرت ابو عبد اللہ مالک بن انس اصحی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے' جب آپ بقیع کے دروازے سے نکلتے ہیں تو یہ آپ کے سامنے آتا ہے' اس پر چھوٹا سا گنبد ہے پھر اس کے پہلو میں شمال مشرقی جانب بھی ایک ہلکا سا قبہ ہے' امام مطری اور ان کے بعد کے مؤرخین نے اس کا ذکر نہیں کیا' ہو سکتا ہے کہ یہ نیا ہو اور کہتے ہیں کہ اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے غلام نافع دفن ہیں۔

ابن جبیر نے جہاں اپنے زمانے کے مشہور مزارات کا ذکر کیا ہے' اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مشہد مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک تربت موجود ہے جو مشہد ابراہیم کی داہنی طرف ہے' یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تربت شریف ہے' انہیں عبد الرحمٰن اوسط کہتے تھے' وہ کہتے ہیں کہ یہ ابوشحمہ کے نام سے معروف ہیں' انہی کو ان کے والد نے حد (کوڑے) لگائی تھی چنانچہ وہ بیمار ہوئے اور فوت ہو گئے۔ انہوں نے جو کچھ ذکر کیا ہے' وہ اسی گنبد پر سچا آتا ہے۔

حضرت اسماعیل بن جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار

انہی میں سے ایک مشہد اسماعیل بن جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے' یہ کافی بڑا ہے اور مشہد عباس کے سامنے مغربی جانب واقع ہے اور آج کل یہ حفاظتی دیوار کا قبلہ سے مشرق تک حصہ ہے' یہ حفاظتی دیوار سے پہلے کا بنا ہوا ہے چنانچہ فصیل (حفاظتی دیوار) اس کے ساتھ آ ملی تھی اور اس کا دروازہ مدینہ کے اندر داخلہ کے لئے ہو گیا۔ حضرت مطری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اسے شاہانِ مصر میں سے عبیدی شاہ نے بنایا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ درمیانی قبر کے دروازے پر' جس کے سامنے صحن ہے اور جس میں متبرک کنواں بھی ہے' ایک پتھر رکھا ہے' اس میں ہے کہ اسے حسین بن ابو الھیجاء نے ۵۴۶ھ میں بنایا تھا اور شاید مطری نے اسی کو کسی عبیدی بادشاہ کی طرف منسوب کر دیا ہے کیونکہ ابو الھیجاء ان کے پیچھے تھے چنانچہ مطری کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ اس مشہد کا کھلا حصہ اور شمال سے دروازے تک کا حصہ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا اور مشہد غربی کی جانب ایک چھوٹی سی

ویران مسجد ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مسجد زین العابدین ہے۔
میں کہتا ہوں کہ مشہد کی طرف داخل ہونے والے کی داہنی طرف درمیانے دروازے اور آخری دروازے کے درمیان ایک پتھر ہے جس پر لکھا ہے کہ وہ باغ جو مشہد کی مغرب میں ہے' مشہد پر وقف ہے جسے ابو الہیجاء نے وقف کیا اور اس باغ کی نسبت امام زین العابدین کی طرف کی جاتی ہے جو باغ کے پہلو میں مشہد کی جانب میں واقع ہے' اس مشہد کا کھلا حصہ ان کا گھر ہے اور وہاں کے پانی کو دواء کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ کے بیٹے جعفر باقر چھوٹی عمر میں اس کے اندر گر گئے تھے' چونکہ اس وقت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ رہے تھے' اس لئے نماز نہیں توڑی تھی۔
ابن شبہ کی کلام سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ کھلا میدان حضرت امام زین العابدین کا تھا کیونکہ ابن شبہ نے ایسے گھر کا ذکر کیا ہے جس میں یہ صفت موجود ہے اور اسے ان کے لڑکے کی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں:
حضرت صفیہ بنت حیی نے حضرت زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا گھر لیا' وہ دو گھر تھے چنانچہ ایک ہو گئے' حضرت زید بن علی نے اس کے مشرقی پہلو میں جو بقیع سے ملتا تھا' گھر بنا لیا اور آلِ ابو سوید ثقفی نے اس کے مغربی پہلو میں گھر بنا لیا جو حضرت زید بن ثابت کے غلام سائب کے گھر سے ملتا تھا تو احتمال یہ ہے کہ اس گھر کی آپ کے بیٹے کی طرف نسبت اس وجہ سے تھی کہ ا[illegible] سے بنایا تھا حالانکہ یہ ان کے والد علی بن حسین کا تھا۔
پھر یہ بھی کہا: حضرت ج[illegible] بو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے غلام ابو رافع کے بقیع والے گھر اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے درمیان' گھر بنایا جو دارِ ابو رافع کی شامی جانب حضرت محمد بن زید بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جھونپڑی کی نچلی طرف تھا اور پھر ابن شبہ نے واضح کیا کہ دارِ ابو رافع کے ساتھ حضرت سعد بن ابو وقاص نے تبادلہ کیا اور انہیں اپنا وہ گھر دے دیا جو سبزی فروش کے پاس تھا' اور اس راستہ کا ذکر تو ہو ہی چکا جو سبزی فروش کی طرف جاتا تھا اور اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی قبروں میں سے گذرتا تھا اور یہ راستہ مشہد کے مغرب میں اُمہات المؤمنین کے نام سے منسوب ہے کیونکہ اس کا ذکر سبزی فروش کے بیان میں آ رہا ہے۔
مسجد زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۸۸۰ھ میں نئے سرے سے بنایا گیا۔

بقیع کے علاوہ مدینہ منورہ میں تین مشہور مزارات

مدینہ منورہ میں یہ مزارات تین مشہور ہیں:

مشہد حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان تین میں سے ایک مشہد حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جو سیّد الشہداء ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں۔ ان کا ذکر اگلی فصل میں شہدائے اُحد کے ساتھ آ رہا ہے' اس کے اوپر خوبصورت بلند اور مضبوط گنبد موجود ہے'

اس کا دروازہ لوہے سے بنا ہوا ہے۔ حضرت حمزہ کی بیٹی خلیفہ ناصر دین اللہ ابو العباس احمد بن المستضیئی کی والدہ تھیں جیسے ابن نجار نے بتایا۔ یہ ۵۹۰ھ کی بات ہے۔ قبر شریف پر ساج کی لکڑی سے بنا چوکھٹا ہے جس کے اردگرد کنکر بچھے ہوئے ہیں۔ اس شہادت گاہ کا دروازہ لوہے کا ہے جو ہر جمعرات کو کھولا جاتا ہے۔ اس کے قریب ہی ایک مسجد ہے جس کے بارے میں آتا ہے کہ وہ آپ کی جائے قتل تھی۔ انتہٰی۔

بعد کے مؤرخین نے ابن نجار کی پیروی کی ہے۔ انہوں نے قبر کی وضاحت میں کہا ہے کہ اس پر لکڑی کا چوکھٹا ہے یعنی یہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک جیسا ہے کیونکہ ان کی قبر کے بارے میں بھی انہوں نے یہی کچھ کہا ہے اور ان کی قبر آج بھی اسی صورت میں موجود ہے' یونہی حضرت حسن اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں ہیں' رہی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک قبر تو آج کل وہ چونے سے بنی دکھائی دیتی ہے جس پر لکڑی موجود نہیں۔ قبر مبارک کے سرہانے کی طرف اوپر ایک پتھر ہے جس پر بسم اللہ شریف کے بعد یہ الفاظ آیت لکھے ہوئے ہیں:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ هٰذَا مَصْرَعُ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَلَيْهِ السَّلَامِ وَمُصَلَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَرَهُ الْعَبْدُ الْفَقِيْرُ اِلٰى رَحْمَةِ رَبِّهٖ حُسَيْنُ بْنُ الْهَيْجَاءِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَلِوَالِدَيْهِ سَنَةَ ثَمَانِيْنَ وَخَمْسِمِائَةٍ۝ انتہٰی۔

یہ بات اُمِ ناصر کی تعمیر سے دس سال پہلے کی ہے اور ابن نجار اس کے بعد مدینہ منورہ میں آئے کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب یہاں قیام کے دوران لکھی جبکہ ان کی پیدائش ۵۷۸ھ کو ہوئی جس کا حاصل یہ بنتا ہے کہ انہوں نے یہ قبر مبارک اسی طرح تحریر والی دیکھی ہوگی لیکن اس کے خلاف لکھ رہے ہیں اور پھر یہ بات بھی ہے کہ آپ کے مقامِ شہادت کو اس لکھائی کے ذریعے بتانا اور اوپر آیت لکھنا اس پتھر کے غلط لگنے کی دلیل ہے اور درست یہ ہے کہ وہ پتھر اس مسجد میں لگا ہوا تھا جو آپ کی شہادت سے منسوب ہے' لگتا ہے کہ جب یہ مسجد گر گئی تو پتھر قریب ہونے کی وجہ سے مزار پر لایا گیا اور پھر جب وہ لکڑی ٹوٹ گئی جس کا ابن نجار نے ذکر کیا ہے کہ وہ قبر پر لگی تھی تو انہوں نے قبر مبارک کو آج کل کی شکل دیدی اور انہوں نے گمان کیا کہ چونکہ یہ پتھر قبر مبارک پر لگا ہوا ہے تو اسی سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ قبر پر رہنے دیا۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اسی تاریخ میں خلیفہ کی ماں کی طرف گنبد بنانے نسبت کوفی خط میں لکھی ہوئی' قبر مبارک کی چونے سے بنی دیوار میں آج بھی دکھائی دیتی ہے اور پھر شجاعی شاہین نے (جو شیخ الحرم تھے) اس پتھر کو یہاں سے اکھاڑا اور پھر آپ کی شہادت گاہ پر لگا دیا اور جو کچھ ابن نجار اور بعد والوں نے لکھا' اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ خلیفہ الناصر لدین اللہ کی ماں وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزار کو بنایا تھا اور پھر اس سے اگلی فصل میں قبر سیدنا حمزہ کے ذکر میں بحوالہ عبد العزیز بن عمران آ رہا ہے کہ قدیم دور میں حضرت حمزہ کے مزار پر مسجد موجود تھی اور یہ دوسری صدی کی بات ہے' خلیفہ کی والدہ نے اسے وسیع کیا اور موجودہ صورت میں بنا دیا اور پھر ہمارے دور کے سلطان الاشرف قائیتبائی نے مغربی جانب میں اضافہ کیا اور اس میں وہ کنواں بھی شامل کر لیا جو مغربی

جانب باہر تھا اور پھر طہارت کرنے والوں کے لئے طہارت خانے بنائے جن میں سے کچھ اوپر تھے جو بہت فائدہ مند ثابت ہوئے پھر اس کے باہر ایک کنواں بھی کھودا تھا کہ گذرنے والے پانی پی سکیں۔ یہ کام شجاعی شاہین جمالی' شیخ الحرم کے ہاتھوں جمادی الاولیٰ ۸۹۰ھ کو انجام پایا۔

یاد رہے کہ وہ قبر جو حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک قدموں کی جانب ہے وہ ایک ترکی شخص کی ہے جس کا نام "مستقر" تھا' اسی نے یہ مزار شریف بنایا تھا اور جو مسجد کے صحن میں قبر ہے وہ اشراف میں سے ایک امیر مدینہ کی ہے لہٰذا یہ خیال نہ کیا جائے کہ وہ دونوں قبریں شہیدوں کی ہیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کے بارے میں آگے آ رہا ہے کہ ان پر سلام پیش کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر بھی سلام پیش کرنا چاہئے۔

حضرت مالک بن سنان خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک

دوسری قبر مبارک حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد تھے' یہ مزار مدینہ منورہ کے مغرب میں حفاظتی دیوار کے ساتھ تھا' آئندہ فصل میں اس کا بیان آئے گا' اس پر قدیم گنبد ہے جس میں محراب موجود ہے۔ اس کی دائیں طرف چھوٹے خزانے کا دروازہ ہے جن میں چھوٹی سی عمارت ہے جیسے قبریں ہوتی ہیں' لوگ خیال کرتے ہیں کہ شاید یہ اسی قبر کی جگہ ہے اور ظاہر ہے کہ قبر تو مذکور گنبد میں ہے کیونکہ آگے ان لوگوں کے ذکر میں آ رہا ہے جن کے بارے میں آیا ہے کہ اُحد سے یہاں لائے گئے تھے کہ وہ قبر اس مسجد میں ہے جو عباء والوں کے پاس اور حناطین (خوشبو بیچنے والے) کے پہلو میں ہے لیکن ابن زبالہ کی روایت میں ہے کہ وہ چونے بیچنے والوں کی مسجد کے پاس ہے اور وہ جگہ مدینہ کے قدیم بازار کی ہے۔

مشہد نفس زکیہ

تیسری قبر وہ ہے جو "نفس زکیہ" کے نام سے مشہور ہے اور اس سے مراد سیّد شریف ہیں جن کا لقب مہدی محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا' یہ ابو جعفر منصور کے عہد میں قتل ہوئے تھے' یہ قبر سلع پہاڑ کی مشرقی جانب ہے' اس پر سیاہ پتھروں کی بڑی عمارت تعمیر ہوئی' ان کا ارادہ تھا کہ اس پر گنبد تعمیر کریں لیکن ایسا نہ ہو سکا' یہ بڑی اور ویران مسجد میں داخل ہے اور مسجد کی قبلہ والی جانب ایک گھاٹ ہے جو ارزق چشمے کا ہے جس کی مشرقی و غربی جانب سے سیڑھیاں اُترتی ہیں اور یہ چشمہ اس کے اندر بہتا ہے اور مدینہ کے بازار کے بیان میں گذر چکا کہ ابن زبالہ نے اسے برکۃ السوق کا نام دیا اور شاید یہی مسجد حضرت اعرج کی طرف منسوب ہے اور وہ جو ہم نے ذکر کیا کہ کہ نفس زکیہ اس قبر میں ہے تو اسے مطری اور ان کے پیروکاروں نے ذکر کیا ہے اور یہی بات اہل مدینہ میں مشہور ہے لیکن یہ ابن جوزی کے نواسے کے اس بیان کے خلاف ہے جو انہوں نے "ریاض الافہام" میں ذکر کیا ہے کیونکہ انہوں

نے المنصور کے خلاف اس وقت اعلانِ جنگ کیا جب اس نے ان کے باپ اور رشتہ داروں کو قید کر لیا تھا چنانچہ بہت لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ وہ کہتے ہیں' انہوں نے المنصور عیسیٰ بن موسےٰ (المنصور کے چچا) کو چار ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا چنانچہ وہ آئے' سلع پہاڑ پر ٹھہر گئے اور کہا' اے محمد! امان آپ کے لئے ہے چنانچہ وہ چلائے کہ بخدا تم کامیاب نہیں ہو گے' عزت کی موت مر جانا ذلت کی موت سے بہت بہتر ہے چنانچہ خود انہوں نے اور ان کے باقی ساتھیوں نے غسل کیا' خوشبو لگائی' یہ لوگ تین سو دس سے کچھ زیادہ تھے اور پھر عیسیٰ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور تین لوگوں کو بھگا دیا' پھر مل کر حملہ کیا اور پھر ان لوگوں نے بھرپور حملہ اور عیسیٰ بن موسےٰ کے پاس حضرت محمد کا سر لے آئے' ان کی بہن زینب اور بیٹی فاطمہ نے ان کا جسم بقیع میں دفن کر دیا۔ انہیں "احجارِ زیت" کے پاس قتل کیا گیا' ان کے ہاتھ میں سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ذوالفقار تھی' عیسیٰ بن موسےٰ وہ تلوار لے کر رشید کے پاس لے گیا۔ حضرت اصمعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے وہ تلوار دیکھی تھی جس میں اٹھارہ فقار (ایک طرح کے منکے)۔

حضرت محمد یعنی نفس زکیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سے لڑائی کے دن عبد اللہ بن عامر سلمی سے کہا کہ ہمیں ایک بادل ڈھانپ لے گا' اگر وہ برس پڑا تو ہم کامیاب ہوں گے اور اگر آگے گزر گیا تو میرا خون احجارِ زیت کے پاس تلاش کرنا۔ عبد اللہ کہتے ہیں کہ بخدا' ہمیں ایک بادل نے ڈھانپ لیا لیکن برسا نہیں بلکہ عیسےٰ بن موسےٰ اور اس کے ساتھیوں تک جا پہنچا چنانچہ وہ کامیاب ہو گئے اور انہوں نے حضرت محمد کو قتل کر دیا اور میں نے دیکھا تو ان کا خون احجارِ زیت کے پاس پڑا تھا اور انہی محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے عیسےٰ بن موسےٰ نے حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ کو مارا تھا۔ (مقریزی)۔

فصل نمبر۷

اُحد پہاڑ کی فضیلت اور وہاں کے شہداء

اُحد کی فضیلت میں احادیث مبارکہ

صحیحین کے علاوہ اور حدیثیں بھی ملتی ہیں جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہیں' فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اُحد کو دیکھ کر فرمایا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہمیں بھی اس سے محبت ہے اور بخاری شریف میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ واقعہ اس دن پیش آیا جب آپ فتح خیبر کے بعد واپس تشریف لا رہے تھے۔ ابن شبہ کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ میں خیبر سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا' جب اُحد پہاڑ دکھائی دیا تو آپ نے فرمایا' الحدیث۔

بخاری شریف ہی میں حضرت سوید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ

خیبر سے واپس آئے تو اُحد دکھائی دینے پر آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہمیں بھی اس سے محبت ہے۔

فضائلِ مدینہ میں حضرت جندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ اُحد پر چڑھ گئے اور فرمایا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہمیں بھی اس سے محبت ہے۔ایک روایت میں ہے کہ ''اُحد ہمیں دکھائی دیا'' بخاری ہی کی ایک اور روایت ہے کہ یہ واقعہ آپ کے حج سے واپس آتے وقت پیش آیا تھا۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ تبوک سے واپس آئے' جب مدینہ دکھائی دیا تو فرمایا کہ یہ ''طابہ ہے اور یہ اُحد' جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہمیں بھی اس سے پیار ہے۔''

آپ ہی ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ گھر سے چلے تو ہم بھی ہمراہ تھے' غرابات میں پہنچے تو اُحد کو دیکھ کر اللہ اکبر فرماتے ہوئے ارشاد ہوا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہمیں بھی اس سے محبت ہے' یہ چلتا پھرتا ہے' زمینی پہاڑوں جیسا نہیں۔

آپ ہی کے مطابق حضرت ابو قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے اور اُحد دکھائی دیتا تو فرماتے: یہ وہ پہاڑ ہے کہ جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں اور پھر فرمایا: اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ۔

انہی کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ فتح خیبر سے واپس آئے تو اُحد دکھائی دیا' دیکھتے ہی آپ نے فرمایا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں' یہ پہاڑ ایسا ہے کہ جنت کے دروازے پر موجود ہے۔

طبرانی کے مطابق ابوعبس بن جبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اُحد کے بارے میں فرمایا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے' ہمیں بھی اس سے محبت ہے' یہ جنت کے دروازے پر موجود ہے' یہ وہ نہیں جو ہم سے بغض کرے اور ہم بھی اسے سے بغض رکھیں اور جو دوزخ کے دروازے پر ہو۔

اوسط کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مرفوع میں ہے: اُحد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں' اس کے قریب سے گذر ہو تو اردگرد کے درختوں سے کچھ کھاؤ خواہ کانٹے دار ہی کیوں نہ ہوں اور ابن شبہ نے لکھا کہ اُحد جنت کے دروازے پر موجود ہے اور جب تمہارا یہاں سے گذر ہو تو اس کے گردا گرد درخت سے کچھ نہ کچھ کھا لیا کرو خواہ کانٹے دار ہی کیوں نہ ہو۔

اسی میں یہ روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت زینب بنت عبیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچیوں کو بھیجتیں اور کہتیں کہ اُحد کے پاس جاؤ اور وہاں سے کوئی بوٹی لے آؤ اور اگر کانٹے دار درخت کے علاوہ کچھ اور نہ مل سکے تو اسی سے کچھ لے آنا کیونکہ میں نے حضرت انس بن مالک سے سن رکھا ہے' کہ نبی کریم ﷺ نے

فرمایا تھا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر زینب نے فرمایا کہ اس کے جڑی بوٹی کھاؤ' اگر کانٹے دار درخت کے علاوہ کچھ اور نہ مل سکے تو اسی سے کچھ لے آنا کیونکہ میں نے حضرت اُنس بن مالک سے سن رکھا ہے' کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر زینب نے فرمایا کہ اس کے جڑی بوٹی کھاؤ خواہ کانٹے درخت ہی کی کیوں نہ ہو۔ حضرت انس بتاتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی تھوڑی تھوڑی شے دیدیتیں تو ہم اسے چبا کر کھاتے۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھار کے علاوہ روزانہ اس سے بوٹی لینے سے منع فرمایا۔

حضرت داؤد بن حصین سے مرفوع حدیث ہے کہ اُحد جنت کے پایوں میں سے ایک پائے پر ہے جبکہ عیر پہاڑ دوزخ کے ایک پائے پر ہے۔

حضرت اسحاق بن یحییٰ کہتے ہیں کہ اُحد' ورقان' قدس اور رضویٰ' جنت کے پہاڑوں میں سے ہیں۔ ابو یعلیٰ اور طبرانی بھی کبیر میں بتاتے ہیں کہ حضرت سعد بن سہل نے کہا: اُحد جنت کا ایک پایہ یا حصہ ہے۔

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار پہاڑ جنت کے ہیں اور چار نہریں بھی جنت کی ہیں اور چار گھمسان کی جنگوں کا تعلق بھی جنت ہی سے ہے۔ پوچھا گیا کہ وہ پہاڑ کون کون سے ہیں؟ تو فرمایا: اُحد ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہمیں اس سے محبت ہے' یہ جنت کا ایک پہاڑ ہے' ورقان جنت کا پہاڑ ہے' طور بھی جنت کا اور لبنان بھی جنت ہی کا پہاڑ ہے' چار نہریں یہ ہیں: نیل' فرات' سیحان اور جیحان اور جنگیں: بدر' اُحد' خندق اور حنین ہیں پھر ابن شبہ کے مطابق آپ جنگوں کے بارے میں سوال پر خاموش ہو گئے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ سب سے بہتر پہاڑ اُحد' اشعر اور ورقان ہیں۔

خانہ کعبہ میں لگے پتھروں میں اختلاف روایات کہ کس کس پہاڑ سے لئے گئے؟

حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑوں کے بارے میں' جن سے خانہ کعبہ بنا' مختلف روایات لکھی ہیں' کچھ روایات میں ہے کہ یہ چھ پہاڑوں کے پتھروں سے بنایا گیا: ابوقبیس' طور' قدس' ورقان' رضویٰ اور اُحد۔

تجلی طور کے موقع پر چھ پہاڑ اُڑ گئے

ابن شبہ کے مطابق حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے طور پر تجلی فرمائی تو اس کی عظمت کی بنا پر اس میں سے چھ پہاڑ اڑے' تین تو مدینہ میں آ پڑے جو اُحد' ورقان اور رضویٰ تھے' تین ہی مکہ میں جا پڑے جو حراء' ثبیر اور ثور تھے۔

مدینہ منورہ میں اُحد کے گرنے کی جگہ

حضرت ابوغسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رہا اُحد تو یہ مدینہ کی ایک جانب شام کی طرف مدینہ سے تین میل (ساڑھے چار کلومیٹر) کے فاصلے پر موجود ہے اور ورقان تو مدینہ سے تقریباً اڑتالیس میل کے فاصلے پر روحاء میں واقع ہے اور پھر رضویٰ تو یہ مدینہ سے چار راتوں کی مسافت پر ینبع میں موجود ہے اور رہا خراء تو یہ بئر میمون کے سامنے ہے' ثور' مکہ کی نشیبی یعنی نچلی جگہ پر واقع ہے اور یہ وہی ہے جس کی غار میں رسول اللہ ﷺ جا چھپے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ ابوغسان نے ''ثبیر'' کا ذکر نہیں کیا اور جو مسافت انہوں نے لکھی ہے' وہ تقریباً وہی ہے جو ہم نے بتائی ہے کیونکہ میں نے مسجد نبوی کے دروازے کی چوکھٹ سے (جسے بابِ جبریل کہتے ہیں) لے کر جبلِ اُحد کے متصل مسجد الفتح نامی مسجد تک پیمائش کی تو تین میل سے پینتیس ہاتھ زیادہ تھی لیکن باب البقیع اور جبلِ اُحد کے ابتدائی حصے تک دو میل اور میل کے سات حصوں میں سے چار حصوں سے قدرے زیادہ مسافت تھی اور پھر باب البقیع سے حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار تک دو میل' میل کا ۵/۷ اور میل کے ساتویں حصہ کا ۵/۷ نیز چند ہاتھ کا فاصلہ تھا۔اسی سے علامہ نووی کے اپنی ''تہذیب'' میں بیان کی گئی مسافت کی غلطی کا پتہ چلتا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ: اُحدٗ مدینہ کے ایک پہلو میں دو میل کے فاصلے پر ہے اور یونہی مطری اور ان کے پیروکاروں کے قول کی کوتاہی معلوم ہوتی ہے' یہ کہتے ہیں: حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور اور مدینہ کے درمیان تقریباً ساڑھے تین میل اور کا فاصلہ ہے اور جبلِ اُحد کی طرف چار میل کا فاصلہ ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ فرسخ (ساڑھے تین میل) کے قریب ہوتا ہے۔انتھٰی۔

اُحد نام رکھنے کی وجہ اور اس کی محبت کا بیان

حضرت سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اسے اُحد کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہاں کے پہاڑوں سے الگ تھلگ ہے یا اس لئے کہ اس کے اہل (اہل مدینہ) نے توحید کی مدد کی۔

علماءِ کرام نے ''یحبّنا و نحبّہ'' فرمان کے معنٰی میں چار اقوال ذکر کئے ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ یہاں حذفِ مضاف ہے یعنی اہل اُحد مراد ہے اور وہ انصارِ مدینہ ہیں کیونکہ وہ اس پہاڑ کے ہمسائے ہیں۔

۲۔ دوسرے یہ کہ زبانِ حال سے خوشی کا اظہار کرتا ہے کیونکہ جب آپ اہل مدینہ کے قریب آتے تو یہ گویا اظہارِ خوشی کرتا تھا اور ایک محبّ کا یہی کام ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ حقیقی محبت دونوں طرف سے ہوتی ہے اور اس میں بھی محبت پیدا کی گئی ہے جیسے ان پہاڑوں میں رکھی گئی جو حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور جیسے ان پتھروں میں خوف رکھا گیا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۝ (سورۂ بقرہ: ۷۴)

''اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔''

اور خصوصاً ملاحظہ کیجئے کہ کچھ پہاڑ اللہ کی تجلی کی وجہ اُڑ گئے تھے جیسے بیان ہو چکا۔اس تیسرے قول کو علامہ نووی نے صحیح قرار دیا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ وصف اس بناء پر تھی کہ یہ جنت کے پہاڑوں میں سے ہے جیسے حدیث ابوعبسی بن جبر میں ہے: ''جبل اُحد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے اور یہ جنت کا پہاڑ ہے۔'' اور پہاڑ کے اندر محبت پیدا ہو جانے میں کوئی روکاوٹ نہیں کیونکہ یہ تسبیح بھی تو کرتے ہیں اور پھر یہ کہ آپ نے اس سے یوں بات کی جسے عقل والوں سے کی جاتی ہے چنانچہ جب ہلنے لگا تو فرمایا: ''اُحد! سکون کرو۔'' الحدیث۔

حافظ منذری لکھتے ہیں' بغوی نے کہا: بہتر یہ ہوتا ہے کہ حدیث کا ظاہری معنٰی مراد لیا جائے اور کوئی بھی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ جمادات کو انبیاء علیہم السلام اور عبادت گذاروں سے محبت ہوتی ہے جیسے حضور علیہ السلام کی جدائی پر کھجور کا ستون رویا تو سب لوگوں نے اس کی آواز سنی تھی اور پھر حدیث میں آتا ہے کہ وحی اُترنے سے قبل کے دور میں ایک پتھر آپ پر سلام بھیجا کرتا تھا لہٰذا اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُحد اور مدینہ کی ہر شے آپ سے محبت کرتی اور ملاقات کا شوق رکھتی ہے۔علامہ منذری نے اس پر لکھا کہ یہ بہترین دلیل ہے۔

میں کہتا ہوں حضور علیہ السلام کا قول بھی اسی کی تائید کرتا ہے' فرمایا: ''جب تم اس کے پاس آؤ تو اس کے درختوں سے کچھ کھاؤ۔'' کیونکہ عیر پہاڑ کے پڑوس میں اہل قباء رہتے تھے اور یہ مکہ سے آنے والوں کے سامنے اُحد سے پہلے آتا ہے' یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' جسے چاہے عطا فرما دے۔

حضرت سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام اچھی فال کو پسند فرماتے اور اچھا نام سراہتے تھے اور پھر کوئی نام اس نام سے اچھا نہیں جو اللہ کی احدیت سے بنا ہو اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس پر پیش کی حرکتیں ہیں' جن سے پتہ چلتا ہے کہ دین الٰہ بلند مرتبہ ہے' یہی وجہ ہے کہ اس سے لفظی اور معنوی طور پر حضور علیہ السلام کی محبت کا تعلق تھا لہٰذا محبت میں اسے خاص حیثیت حاصل ہے اور پھر اس میں یہ بھی اضافہ کر لیں کہ جب محبت کا تعلق دونوں طرف سے ہو تو آدمی اسی شے کے ساتھ ہوتا ہے' جس سے محبت ہو تو یہ پہاڑ بھی جنت میں حضور علیہ السلام کے ساتھ ہوگا جبکہ دوسرے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔

مزید برآں جب اہلِ مدینہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے' ایک تو اللہ سے محبت کرنے والے اور اسے ایک ماننے والے' یہ مومن تھے اور دوسرا طبقہ منافق اور بغض رکھنے والے جو جاہل اور انکار کرنے والے تھے جیسے ابو عامر راھب وغیرہ منافقین لوگ اور یہ اُحد کے دن لوگوں میں دو تہائی تھے جو ابن ابی کے ہمراہ واپس چلے گئے اور جنگ اُحد میں شریک نہ ہوئے تو مدینہ کی زمین بھی یونہی تقسیم ہوگئی چنانچہ اللہ نے اس پہاڑ کو ویسے ہی حبیب اور محبوب بنا دیا جیسے صحابہ کرام تھے

اور اسے جنت میں حضور ﷺ کا ساتھی بنا دیا پھر اسے یہ نام دے دیا جبکہ "دعیر" کو اپنا ناپسندیدہ قرار دیا بشرطیکہ اس کے بارے میں حدیث غضب صحیح ثابت ہو جائے اور پھر اسے مسجد ضرار والے منافقوں کی طرف جگہ دی چنانچہ وہ ان منافقوں کے ساتھ جہنم میں ہو گا اور خصوصی طور پر اس کا نام عیر رکھا جس کا معنیٰ گدھا ہوتا ہے جو اپنی عادتوں اور جاہل ہونے کی وجہ سے ذلیل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر ابن شبہ کے مطابق' جیسے کہ یہودِ مدینہ کے گھروں میں بیان ہوا' حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرفوع حدیث میں بتایا کہ حضرت موسےٰ و ہارون علیہما السلام حج یا عمرہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور جب مدینہ پہنچے تو یہودیوں سے ڈر گئے اور اُحد پر جا ٹھہرے' ان دنوں حضرت ہارون بیمار تھے' حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ان کے لئے اُحد ہی میں قبر کھود دی اور ان سے کہا: اے بھائی! اس میں داخل ہو جاؤ کیونکہ تم فوت ہو رہے ہو' وہ اس میں داخل ہو گئے اور جب وہاں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جان قبض کر لی چنانچہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ان پر مٹی ڈال دی۔

لوگوں کا یہ خیال کہ حضرت ہارون علیہ السلام اُحد میں دفن ہیں

میں کہتا ہوں' اُحد میں ایک گھاٹی ہے جسے ہارون علیہ السلام کی گھاٹی کہتے ہیں' ان کا خیال ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر اس کے اُوپر ہے حالانکہ یہ بات نہ تو محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا کوئی معنیٰ و مقصد ہے کیونکہ وہاں کوئی ایسی جگہ نہیں جسے کھودا جا سکے اور نہ ہی مٹے نکالنے کی کوئی صورت ہے۔ ہاں اوپر ایک عمارت ہے جسے قریب ہی کسی فقیر نے بنا دیا ہے' لوگ چڑھ کر اس کی طرف جاتے رہتے ہیں۔ اور ابن شبہ نے اس جگہ کی نشاندہی نہیں کی جہاں اُحد پر حضور ﷺ چڑھے تھے ہاں پہاڑ کے ساتھ والی مسجد میں آپ کے نماز پڑھنے کا ذکر آتا ہے' اسے مسجد الفتح کہتے ہیں جیسے مسجدوں کے ذکر میں گذر چکا۔

اُحد کے وہ مقام جن کے بارے میں غیر یقینی باتیں مشہور ہیں

ابن نجار کہتے ہیں' جبلِ اُحد میں ایک غار ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس میں چھپے تھے' ایک مسجد ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ حضور ﷺ اس میں ٹھہرے تھے' پھر پہاڑی میں ایسی جگہ ہے جہاں ایک پتھر میں انسانی سر کی مقدار جگہ کھودی گئی ہے جس کے متعلق کہتے ہیں کہ آپ اس کے نیچے والے پتھر پر بیٹھے تھے اور اس جگہ اپنا سر مبارک ڈالا تھا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن کا کوئی حوالہ نہیں ملتا تو ان پر بھروسہ کیوں کیا جائے؟

میں کہتا ہوں' رہی وہ مسجد تو اس کا حوالہ ملتا ہے جسے ابن شبہ نقل کر چکے ہیں لیکن ابن نجار کے علم میں نہیں ہے۔

رہی غار تو اس کے بارے میں علامہ مطری لکھتے ہیں کہ وہ اس مسجد کے شمال میں ہے اور کھدائی والی جگہ نیز نچلا پتھر مسجد کے قریب ہی ہیں۔ ابن شبہ کے مطابق حضرت مطلب بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ

اُحد پہاڑ پر کسی غار میں داخل نہیں ہوئے تھے اور پھر لفظ مہراس کی وضاحت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان آ رہا ہے کہ: جہاں لوگ غار کا ذکر کرتے ہیں' وہاں حضور ﷺ پہنچے ہی نہیں تھے' وہ جگہ مہراس (گڑھا جس میں پانی جمع ہو) کے نیچے تھی جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ غار مہراس کے بعد آتی ہے اور اُحد کی گھاٹی کے بیان میں آگے آ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ اُحد کے دن گھاٹی کے دہانے تک پہنچے تھے اور وہاں سہارا لگایا تھا۔

ابن ہشام کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ گھاٹی میں بنی سیڑھی تک نہیں پہنچے تھے۔ انتہٰی تو لگتا یہ ہے کہ جس نے اسے بنایا تھا' اس کا خیال تھا کہ وہ پتھر جس طرف حضور ﷺ اُٹھے تھے کہ اوپر ہو جائیں اور اس مقصد کے لئے حضرت طلحہ بن عبید اللہ نیچے بیٹھے تھے' وہ وہیں تھا اور یہی وجہ ہے کہ ابن ہشام نے اسے ذکر کرتے وقت اسے بیان کیا ہے۔

شہداءِ اُحد کے لئے حضور ﷺ کی گواہی

حضرت یحییٰ کہتے ہیں کہ جب اُحد کے دن لوگ ادھر اُدھر ہو گئے تو حضور ﷺ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں کھڑے ہوئے اور فرمایا: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ (الیٰ) وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا اس کے بعد یہ دُعا فرمائی: الٰہی! تیرا بندہ اور نبی گواہی دے رہا ہے کہ یہ لوگ شہید ہیں لہٰذا تم لوگ ان کے پاس آ کر سلام کیا کرنا کیونکہ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں' جو بھی ان پر سلام پڑھے گا' یہ اسے جواب دیں گے۔

اس کے بعد آپ ایک اور جگہ جا ٹھہرے اور فرمایا: یہ میرے وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں میں قیامت کے دن گواہی دوں گا۔ اس حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی' تو کیا ہم آپ کے صحابی نہیں ہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں لیکن تمہارے بارے میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے بعد کیسے ہو جاؤ گے البتہ یہ لوگ دُنیا سے پاک ہو کر چلے گئے۔

اسے ثعلبی نے بھی ذکر فرمایا البتہ یہ کہا: جب رسول اللہ ﷺ اُحد سے واپس ہوئے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں سے گذرے' وہاں ٹھہرے اور ان کے لئے دُعا کی' پھر آیت پڑھی اور اس کا ذکر کیا اور باقی بات بتائی۔

ابو داؤد اور حاکم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث روایت کی: جب اُحد میں تمہارے بھائی قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ڈال دیں جو جنت کی نہروں پر آتی اور جنت کے پھل کھاتی ہیں اور پھر ان سونے کی قندیلوں کی طرف آتی ہیں جو عرش کے سائے تلے لٹکی ہوئی ہیں اور جب وہ وہاں کا اچھا کھانا' پینا اور سونا دیکھتی اور بھتی ہیں تو کہتی ہیں: اب ہمارے بھائیوں تک یہ بات کون پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ اور کھاتے پیتے ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ان تک یہ بات پہنچا دیتا ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۝ (سورۂ آل عمران: ۱۶۹)

صحیح بخاری شریف میں ایک حدیث ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ شہدائے اُحد کے مقبروں پر آٹھ سال کے بعد یوں تشریف لے گئے جیسے زندہ یا فوت شدہ کے لئے دُعائے خیر کرتے ہیں اور پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے سرمایہ ہوں گا اور تم پر گواہی دوں گا اور پھر حوض پر تم سے ملاقات کروں گا۔“

ابن شبہ اور ابو داوٗد کے مطابق حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چلے‘ ارادہ شہداء کی قبروں پر جانے کا تھا اور جب حرۂ واقم پر پہنچے اور نچلی طرف چلے تو ”محنیہ“ کی قبریں تھیں‘ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں‘ فرمایا: ہمارے ساتھیوں کی قبریں ہیں اور جب ہم شہداء کی قبروں پر آئے تو فرمایا کہ یہ ہیں ہمارے بھائیوں کی قبریں۔

حضور ﷺ اور آپ کے خلفاء ہر سال ان شہداء کی قبروں کی زیارت کے لئے جاتے

ابن شبہ کے مطابق حضرت عباد بن ابو صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال ان شہداء کی قبروں کے پاس تشریف لاتے اور یوں فرماتے:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝

”تمہارے صبر کی وجہ سے تم پر سلام ہو‘ آخرت کا گھر کتنا اچھا ہے۔“

حضرت عباد کہتے ہیں کہ یونہی حضرت ابوبکر‘ حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سالانہ آتے رہے اور جب حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کے لئے پہنچے تو وہ بھی ان کی قبروں پر پہنچے۔ وہ بتاتے ہیں کہ جب آپ گھاٹی کے سامنے تشریف لاتے تو فرماتے:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ ۝

حضرت ابوجعفر کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک قبر کی زیارت کو تشریف لے جاتیں‘ اس کی مرمت فرماتیں اور اس کی اصلاح کرتیں اس پر پتھر کا نشان رکھا ہوا تھا۔

حضرت یحییٰ کے مطابق حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کچھ اور زیادہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں: ”وہاں نفل پڑھتیں‘ دُعائیں کرتیں اور روتی رہتیں‘ وصال مبارک تک یہی طریقہ رہا۔“

حاکم کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کے چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارتِ قبر کے لئے ہر جمعہ کو جاتیں‘ وہاں نفل بھی پڑھتیں اور روتیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ قیامت تک جو بھی شخص ان شہداءِ اُحد کی قبروں پر جا کر انہیں سلام پیش کرے گا‘ وہ انہیں سلام کا جواب دیتے رہیں گے۔

یحییٰ کے مطابق حضرت عطاف بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میری خالہ (جو عبادت گذار تھیں) کہتی ہیں کہ میں ایک دن سوار ہو کر چلی‘ غلام ساتھ تھا‘ میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر پہنچی‘ جتنا ممکن ہوا‘ نوافل

پڑھے' وادی میں نہ تو کوئی آواز دینے والا تھا اور نہ ہی جواب دینے والا' غلام میری سواری کی لگام تھامے کھڑا تھا' میں نماز سے فارغ ہوئی تو میں نے ان سے السلام علیکم کہا اور ہاتھ کا اشارہ بھی کیا' چنانچہ زمین کے نیچے سے اپنے سلام کا جواب سنا' میں یہ سلام ایسے ہی پہچان رہی تھی جیسے یہ جانتی ہوں کہ اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے' میرا رووٗاں رووٗاں کھڑا ہو گیا' میں نے غلام کو آواز دی کہ سواری لاؤ پھر میں سواری پر سوار ہو گئی۔

بیہقی نے یہی روایت حضرت عبد اللہ بن فروہ سے بیان کی کہ نبی کریم ﷺ نے اُحد میں شہداء کی زیارت فرمائی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے اللہ! تیرا بندہ اور نبی ﷺ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں اور قیامت تک جو ان کی زیارت کو آئے گا' یہ ان کا جواب دیا کریں گے۔

عطاف کہتے ہیں' میری خالہ نے بتایا کہ انہوں نے شہداء کی زیارت کی اور انہیں سلام عرض کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور یہ بھی کہا کہ ہم تمہیں یونہی پہچانتے ہیں جیسے ہم ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ وہ کہتی تھیں کہ اس پر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

حضرت واقدی کہتے ہیں' حضرت فاطمہ خزاعیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا' میری بہن میرے ہمراہ تھی' ہم شہداءِ اُحد کی قبروں کے پاس تھے' میں نے اپنی بہن سے کہا' آؤ ہم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر سلام عرض کریں چنانچہ مزار پر جا ٹھہریں اور کہا: السلام علیکم اے رسول اللہ ﷺ کے چچا! چنانچہ ہم نے ان کا جواب سنا: **وعلیکم السّلام و رحمة الله**۔ وہ کہتی ہیں کہ اس وقت کوئی شخص قریب نہ تھا۔

ہاشم بن محمد عمری کہتے ہیں کہ مدینہ میں میرے والد نے جمعہ کے دن نماز فجر اور سورج نکلنے کے درمیانی وقت میں مجھے شہداء کی قبریں دکھانے کے لئے اپنے ہمراہ لیا' میں ان کے پیچھے چلا جا رہا تھا' وہ جب مزارات کے قریب پہنچے تو بلند آواز سے کہا **سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبى الدار** ' وہ کہتے ہیں: جواب آیا: **و علیك السّلام یا ابا عبد الله**۔ میرے والد نے میری طرف دیکھا اور کہا' یہ جواب تم نے دیا ہے؟ میں نے کہا' نہیں۔ انہوں نے مجھے اپنی داہنی طرف کھڑا کر لیا اور دوبارہ سلام عرض کیا اور پھر جیسے جیسے سلام عرض کرتے گئے' جواب آتا گیا' ایسا تین مرتبہ ہوا چنانچہ شکر الٰہی بجا لانے کے لئے وہ سجدے میں گر گئے۔

شہدائے اُحد کے مبارک نام

غزوۂ اُحد کے بیان میں گذر چکا ہے کہ شہادت کا مرتبہ پانے والے حضرات کل ستر تھے' کچھ زیادہ بھی بتاتے ہیں اور کچھ اس سے کم' ابن نجار نے ان کے نام گنائے ہیں چنانچہ میں نے انہی سے لئے ہیں کہ انہیں سلام پیش کرنے والے نام لے کر پیش کر سکیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

۱۔ حضرت حمزہ بن عبد المطلب

۲۔ حضرت عبداللہ بن جحش

۳۔ حضرت مصعب بن عمیر

۴۔ حضرت شماس بن عثمان

یہ چاروں حضرات مہاجرین میں سے تھے اور انصار میں سے یہ حضرات تھے:

۵۔ حضرت عمرو بن معاذ بن نعمان

۶۔ حضرت حارث بن انس بن رافع

۷۔ حضرت عمارہ بن زیاد بن سکن

۸۔ حضرت سلمہ بن ثابت بن وقش

۹۔ حضرت عمرو بن ثابت بن وقش

۱۰۔ حضرت ثابت بن وقش

۱۱۔ حضرت رفاعہ بن وقش

۱۲۔ حضرت حسیل بن جابر' یہی یمان ابوحنیفہ تھے

۱۳۔ حضرت صیفی بن قیظی بن عمرو

۱۴۔ حضرت حباب بن قیظی

۱۵۔ حضرت عباد بن سہل

۱۶۔ حضرت حارث بن اوس بن معاذ

۱۷۔ حضرت ایاس بن اوس بن عتیک

۱۸۔ حضرت عبید بن تیہان اور عتیک بھی کہتے ہیں

۱۹۔ حضرت حبیب بن زید بن تیم

۲۰۔ حضرت یزید بن حاطب بن امیہ بن رافع

۲۱۔ حضرت ابوسفیان بن حارث بن قیس بن زید

۲۲۔ حضرت انیس بن قتادہ

۲۳۔ حضرت حنظلہ غسیل بن ابو عامر

۲۴۔ حضرت ابوحبہ بن عمرو بن ثابت' حضرت سعد بن خیثمہ کے ماں کی طرف سے بھائی

۲۵۔ حضرت عبداللہ بن سلمہ

۲۶۔ حضرت عبیداللہ بن جبیر بن نعمان

۲۷۔ حضرت خیثمہ ابو سعد بن خیثمہ
۲۸۔ حضرت عبد اللہ بن مسلمہ
۲۹۔ حضرت سبیع بن حاطب بن حارث
۳۰۔ حضرت عمرو بن قیس بن زید
۳۱۔ ان کے بیٹے حضرت قیس بن عمرو
۳۲۔ حضرت ثابت بن عمرو بن زید
۳۳۔ حضرت عامر بن مخلد
۳۴۔ حضرت ابو ھبیرہ بن حارث بن علقمہ
۳۵۔ حضرت عمرو بن مطرف بن علقمہ
۳۶۔ حضرت اوس بن ثابت بن منذر' حضرت حسان کے بھائی تھے
۳۷۔ حضرت انس بن نضر
۳۸۔ حضرت قیس بن مخلد
۳۹۔ بنو نجار کے غلام حضرت کیسان
۴۰۔ حضرت سلیم بن حارث
۴۱۔ حضرت نعمان بن عبد عمرو
۴۲۔ حضرت خارجہ بن زید
۴۳۔ حضرت سعد بن ربیع
۴۴۔ حضرت اوس بن الارقم بن زید
۴۵۔ حضرت مالک بن سنان' یہ حضرت ابو سعید خدری کے والد تھے
۴۶۔ حضرت سعد بن سوید بن قیس
۴۷۔ حضرت علبہ بن ربیع بن رافع
۴۸۔ حضرت ثعلبہ بن سعد بن مالک
۴۹۔ حضرت نقیب بن فروہ بن بدن
۵۰۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن وھب
۵۱۔ حضرت ضمرہ جہنی' یہ بنو طریف کے حلیف تھے
۵۲۔ حضرت نوفل بن عبد اللہ

۵۳۔ حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ
۵۴۔ حضرت نعمان بن مالک بن ثعلبہ
۵۵۔ حضرت محذر بن زیاد
۵۶۔ حضرت عبادہ بن حسحاس
۵۷۔ حضرت رفاعہ بن عمرو
۵۸۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام
۵۹۔ حضرت عمرو بن جموح
۶۰۔ حضرت خلّاد
۶۱۔ ان کے غلام حضرت ابوایمن
۶۲۔ حضرت عبیدہ بن عمرو بن حدیدہ
۶۳۔ ان کے غلام حضرت عنترہ
۶۴۔ حضرت سہل بن قیس بن ابی کعب
۶۵۔ حضرت ذکوان بن عبد قیس
۶۶۔ حضرت عبید بن معلّٰی بن لوذان
۶۷۔ حضرت مالک بن نمیلہ
۶۸۔ حضرت حارث بن عدی بن خرشہ
۶۹۔ حضرت مالک بن ایاس
۷۰۔ حضرت ایاس بن عدی
۷۱۔ حضرت عمرو بن ایاس

یہ وہ نیک بخت شہید تھے جنہوں نے صدقِ دل سے حضور ﷺ کے سامنے جہاد کیا، لڑے اور قتل کیے گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اب ہم ان کے ان مزارات کا ذکر کرتے ہیں جن کے بارے میں پتہ چل سکا اور ان کی معین جگہ معلوم ہو سکی۔

حضرت سیّد الشہداء سیّدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار جو حضور ﷺ کے چچا تھے اور ان کے ساتھ دیگر مزارات۔

بخاری شریف میں آتا ہے: ایک وحشی بتاتا ہے کہ لوگ جب عینین (اُحد کے قریب ایک پہاڑ اس کے اور اُحد

کے درمیان وادی ہے۔) کی طرف نکلے تو میں بھی جنگ کے لئے ان کے ہمراہ نکل کھڑا ہوا' جب انہوں نے صفیں درست کر لیں تو سباع سامنے آیا اور کہا: کوئی ہے جو مقابلے پہ آئے؟ اس پر حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے آئے اور فرمایا: اے سباع! اے فتنہ کرنے والی اُم انمار کے بیٹے! کیا تم اللہ و رسول اللہ ﷺ سے دشمنی رکھتے ہو؟ پھر اس پر شدید وار کیا اور اس کے ٹکڑے کر دئے۔ وہ وحشی کہتا ہے کہ میں ان کے لئے ایک پتھر کے نیچے چھپا ہوا تھا' وہ جب میرے پاس آئے تو میں نے اُن کے سینے میں برچھا مارا اور سرین تک پار کر دیا' یہ ان کا آخری موقع تھا۔

پھر بخاری نے بتایا کہ جب وہ وحشی مسلمان ہو گئے تو انہوں نے حضور ﷺ کے پاس حاضری دی اور حضور ﷺ کا یہ فرمان بتایا کہ آپ نے پوچھا تھا: کیا تمہی ہو جس نے سیّدنا حمزہ کو قتل کیا تھا؟ اس نے عرض کی' ہاں' جو آپ کے ہاں پہنچی ہے وہ بات یونہی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا: کیا یہ ممکن ہے کہ تم مجھ سے اپنا چہرہ چھپائے رکھو؟

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے تو انہیں مثلہ بنایا جا چکا تھا' آپ کا ناک اور کان کاٹے گئے تھے اور جگر تک پیٹ چیر دیا گیا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا: اگر صفیہ (بنت عبد المطلب) کی ناراضگی اور رواج پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں وہیں چھوڑ دیتا' درندوں کے پیٹ اور پرندوں کے سینوں میں سے ان کا حشر ہوتا' آج کے بعد تم جیسی تکلیف مجھے کوئی نہیں پہنچا سکے گا' اس سے زیادہ ناراضگی کا مقام میرے لئے اور کوئی نہیں ہے۔''

پھر فرمایا: جبریل میرے پاس آئے اور بتایا کہ حضرت حمزہ کو ساتوں آسمانوں کی یوں لکھا گیا ہے: ''حمزہ بن عبد المطلب' اللہ اور اس کے رسول کے شیر ہیں'' پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تو آپ کو چادر میں ڈھانپ دیا گیا پھر نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور آپ نے ستر تکبیر پڑھیں اور انہیں دفن کر دیا۔

شہداءِ اُحد کی نمازِ جنازہ کے بارے میں احادیث کا اختلاف بہت مشہور بات ہے چنانچہ صحیح بخاری کے مطابق حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اُحد میں ہونے والے شہیدوں کو دو دو کر کے ایک ہی چادر میں لپیٹ کر دفن کرتے وقت یہ دیکھتے کہ قرآن کا زیادہ علم رکھنے والا کون ہے؟ اور جب کسی ایک کی طرف اشارہ کر دیا جاتا تو پہلے لحد میں اسی کو اتارتے' پھر حکم فرمایا کہ انہی لتھڑے کپڑوں میں انہیں دفن کر دو' نہ ہی ان پر نماز جنازہ پڑھی اور نہ ہی انہیں غسل دیا گیا۔

شہداءِ اُحد کے دفن کی تفصیل

حضرت اعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل کر دیئے گئے تو جبلِ رماۃ کے نیچے انہیں رکھا' یہ ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا جو وادیٔ احمر میں تھا' پھر حکم فرمایا کہ انہیں اُٹھا کر وادی میں اونچی جگہ لے چلو جہاں آپ آج کل دفن ہیں' ایک چادر میں انہیں کفن دیا گیا اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوسری چادر

میں لپیٹ کر دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا لیکن حضرت عبد العزیز کہتے ہیں' میں نے کسی سے سنا کہ حضرت عبد اللہ بن جحش بن رئاب ان دونوں کے ہمراہ قتل ہوئے اور یہ بھی انہی کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن ہوئے تھے' یہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ امیمہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لڑکے تھے' آپ یہ بھی بتاتے ہیں' ہمارا غالب خیال یہ ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس مسجد کے نیچے دفن ہوئے جو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر بنائی گئی تھی لیکن حضرت حمزہ کے ساتھ ان کی قبر میں اور کوئی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں' بہتر یہی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہی ان دونوں پر بھی سلام پیش کرے کیونکہ اگرچہ وہ ان کے ساتھ نہیں ہیں لیکن قریب تو ہیں ہی۔ آج کل مزارات کی جگہ اس مسجد سے وسیع کر دی گئی ہے اور مسجدوں کے ذکر میں اس مسجد کا ذکر گذر چکا ہے جو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت گاہ میں بنی اور اس مسجد کا ذکر بھی گذر چکا جو اس کے قبلہ کی جانب جبل رماۃ کے پہلو میں بنی پھر وہ بیان بھی گذرا جو ان دونوں کے بارے میں ہے۔

حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما

یہاں حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام (حضرت جابر بن عبد اللہ کے والد) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کا ذکر ہے اور ان کے ساتھ کچھ اور ذکر بھی ہے۔

حضرت مالک بن انس کے مطابق حضرت عبد الرحمٰن بن عبد اللہ کہتے ہیں' انہیں پتہ چلا کہ حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام (دونوں انصاری اور پھر بنو سلم میں سے تھے) دونوں ایک قبر میں تھے اور دونوں ہی اُحد میں شہید ہوئے' ان کی قبر سیلابی جگہ پر تھی' وہاں سے جگہ بدلنے کے لئے قبر کھو دی گئی تو دونوں کی رنگت تبدیل نہ ہوئی' لگتا تھا کہ جیسے کل ہی فوت ہوئے ہیں' ان میں سے ایک کے زخم لگا تھا جس پر انہوں نے ہاتھ رکھا تھا اور وہ ویسے ہی دفن کر دئے گئے تھے' زخم سے ان کا ہاتھ ہٹایا گیا اور پھر چھوڑنے پر وہیں چلا گیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اُحد کے دن اور قبر بنانے کے درمیان چھیالیس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔

حضرت مالک کہتے ہیں' حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایک ہی کفن میں اور ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا' اسے ابن شبہ نے روایت کیا پھر حضرت مالک کہتے ہیں' حضرت جابر نے بتایا کہ اُحد کے دن میرے والد کے ہمراہ ایک اور صحابی کو دفنایا گیا' مجھے اطمینان نہیں ہوا تو میں نے انہیں الگ کر کے اپنے والد کو علیحدہ دفنایا۔

میں کہتا ہوں' احتمال یہ ہے کہ سیلاب کی وجہ سے انہیں نکالا ہوگا اور اس وقت حضرت جابر کو یہ خیال آ گیا ہوگا لہٰذا یہ واقعہ ایک ہی ہوا لیکن بخاری شریف میں یہ طویل قصہ مذکور ہے' اس میں لکھا ہے کہ میں نے انہیں ایک اور شخص کے ساتھ دفن کیا لیکن مجھے اطمینان نہ ہوا کہ میں اپنے والد کے ساتھ ایک اور کو رہنے دوں لہٰذا چھ ماہ بعد میں نے انہیں

وہاں سے نکال لیا' دیکھا تو وہ ایسے ہی تھے جیسے والدہ نے انہیں آج ہی جنا ہو' صرف کان کے پاس معمولی خراش تھی۔

اس میں ان کے قول: ''چھ ماہ بعد'' سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سیلاب والا قصہ نہیں کیونکہ چھیالیس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی بتاتے ہیں کہ شہدائے اُحد کے بارے میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے نہر نکال رہے تھے تو اعلان سنا کہ اپنے دفن شدہ لوگوں کو نکال لو تو ہم وہاں پہنچے' انہیں نکالا تو جسم تر بہ تر اور آپس میں لپٹے ہوئے تھے' ایک راوی سعید کہتے ہیں کہ دونوں وقتوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔

ابنِ اسحاق کے مطابق بنوسلمہ کے کچھ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے (جب عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما اُحد کے دن شہید ہو گئے) فرمایا کہ ان دونوں کو اکٹھے دفن کر دو کیونکہ دنیا میں یہ دونوں ایک ہی صف میں کھڑے تھے۔ میرے والد نے کہا' مجھے انصار کے کئی بزرگوں نے بتایا کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہداء کی قبروں پر سے گذرنے والی نالی بنائی تو ہمیں بلایا گیا' وہ نالی ان دونوں کی جگہ سے گذرنا تھی لہٰذا ہم آئے اور ان کو نکالا تو دیکھا کہ دونوں پر چادریں تھیں اور ان کے چہرے ڈھانپے ہوئے تھے اور قدموں کی جانب زمین پر جڑی بوٹیاں اُگی ہوئی تھیں' ہم نے دونوں کو نکالا تو وہ لپٹے ہوئے تھے اور لگتا تھا کہ ابھی کل ہی دفنائے گئے ہیں۔

(دلائل النبوہ)۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے' فرماتے ہیں' میں دیکھ رہا تھا کہ میری والدہ اور خالہ میرے والد کو لا رہی تھیں' وہ لے کر مدینہ پہنچیں کہ انہیں ہمارے قبرستان میں دفن کر دیں کہ اسی دوران ایک آدمی نے آواز دی کہ ان شہیدوں کو واپس لے جاؤ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ انہیں وہیں لے جا کر دفن کرو جہاں یہ شہید ہوئے ہیں چنانچہ ہم واپس سے مڑے اور وہیں دفن کیا جہاں وہ شہید ہوئے تھے اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا تو ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ حضرت معاویہ کے مقرر کردہ لوگ تمہارے والد کو باہر نکال رہے ہیں' میں وہاں پہنچا تو انہیں یونہی دیکھا جیسے انہیں دفن کیا تھا' صرف کچھ تبدیلی آئی تھی جو شہید ہونے والے میں آ جایا کرتی ہے چنانچہ میں نے انہیں دفن کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قصہ تیسرا ہے' اس سارے معاملے سے سمجھ یہ آتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد کی قبر تین مرتبہ کھولی تھی۔

۱۔ ایک تو اس لئے کہ آپ کو یہ پسند نہیں تھا کہ ان کے والد کسی اور کے ساتھ دفن ہوں' شاید اس سلسلے میں انہوں نے حضور ﷺ سے اجازت لے لی تھی کہ آپ نے اس لئے اجازت دے دی تھی تا کہ لوگوں کو پتہ چل سکے کہ شہید زندہ ہوتے ہیں اور ان کے بدن سلامت رہتے ہیں جبکہ اس وقت انہیں ضرورت کی بناء پر اکٹھے دفنایا گیا تھا' وقت کم تھا اور شائد انہوں نے جب وہاں سے نکال لیا تھا تو انہیں ان کے ساتھی اور داماد کے سامنے دفنا دیا

تاکہ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق اس جگہ کے قریب ہی دفن کرسکیں جہاں شہید ہوئے تھے۔

۲۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چشمہ جاری کیا (ایک نہر سی کھودی) (اس میں بھی حیات شہداء کے معجزہ کا اظہار تھا) تو ابن جوزی نے اپنی ''مشکل'' میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی' انہوں نے بتایا: اُحد کے دن ہمارے قتل شدہ لوگوں کے بارے میں ہمارے لئے اعلان کرایا گیا' یہ اعلان حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چشمہ جاری کرتے وقت کرایا تھا۔چنانچہ چالیس سال بعد ہم نے انہیں نکالا تو ان کے جسم نرم تھے۔ایک اور سند سے انہوں نے لکھا کہ: ''یوں لگتا تھا جیسے سوئے ہوئے ہیں اور پھر حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں میں کدال لگا تو وہاں سے خون رس آیا۔''

۳۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ آپ سیلاب والی جگہ سے اپنے والد اور ساتھی کو دور لے جانا چاہتے تھے چنانچہ حضرت واقدی لکھتے ہیں کہ ان کی قبر مبارک سیلابی نالے کے اوپر تھی' وہ قبروں میں دکھائی دئے تو ان پر دو چادریں تھیں' حضرت عبد اللہ کے ہاتھ میں زخم لگا تھا' اس پر آپ نے ہاتھ رکھا تھا اور جب وہاں سے ہاتھ اُٹھایا گیا تو وہاں سے خون رسنے لگا' ہاتھ دوبارہ وہیں رکھا تو خون بند ہو گیا۔حضرت جابر کہتے ہیں' میں نے اپنے والد کو دیکھا تو یوں لگتے تھے جیسے سوئے ہوئے ہیں حالانکہ اس واقعہ کو چھیالیس سال گذر چکے تھے۔

واقدی بتاتے ہیں: کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب زمین کے اندر والی نالی کو رواں کرنے کا ارادہ کیا تو ان کی طرف سے منادی نے مدینہ میں اعلان کیا: اُحد میں جن جن کے مقتول دفن ہیں وہ وہاں پہنچ جائیں' لوگ اپنے اپنے مقتولوں کی طرف نکلے تو دیکھا کہ وہ آپس میں لپٹے اور تروتازہ تھے' ایک شخص کو کدال لگ گیا تھا تو پاؤں سے خون رس آیا۔حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس کا انکار کوئی نہیں کرسکتا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک ہی قبر میں تھے' انہیں وہاں سے نکال لیا گیا کیونکہ وہ بنائی جانے والی نالی ان کے اوپر سے گذرنا تھی۔وہ مٹی ہٹا رہے تھے کہ کستوری جیسی خوشبو مہک اُٹھی۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں اس روایت کی مخالفت ہے جو بخاری میں بیان ہوئی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی قبر میں تھے کہ اسی دوران نالی جاری کر دی گئی۔اس سارے روایات سے معجزہ ظاہر ہو رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بار بار ان کی قبر مبارک کھودی گئی۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی' یا رسول اللہ! ایک بات تو بتایئے کہ بھلا اگر میں راہِ خدا میں لڑ کر قتل ہو جاؤں تو کیا جنت کو میں اپنے پاؤں سے جا سکوں گا؟ (آپ لنگڑے تھے) آپ نے فرمایا: ہاں! چنانچہ آپ اور آپ کے بھتیجے دونوں شہید ہو گئے' حضور ﷺ وہاں سے گذرے تو فرمایا: میں گویا دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے صحیح سالم پاؤں سے چل کر جنت میں چل پھر رہے ہو۔حضور ﷺ نے انہیں اور دونوں کے غلاموں کو ایک قبر میں ڈال دیا۔حضرت واقدی کہتے ہیں کہ قبر میں

حضرت عمرو کے ساتھ حضرت خارجہ بن زید' سعد بن ربیع' نعمان بن مالک اور عبد اللہ بن حسحاس رضی اللہ تعالیٰ عنہم دفن تھے۔ رہی وہ قبریں جو آج کل دکھائی دیتی ہیں تو وہ حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک' جو پہاڑ کے دامن میں وادی کے اندر ہے' حضرت جابر کے والد عبد اللہ بن حرام اور ان کے ساتھ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں ہیں جو اسی مقام پر ہیں پھر حضرت سہل بن قیس بن ابی کعب بن قین بن کعب بن سواد کی قبر شریف ہے جو بنو سلمہ سے تھے۔ یہ قبر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک اور پہاڑ کے درمیان شامی جانب واقع ہے۔

وہ کہتے ہیں' رہی وہ قبریں جو حضرت حمزہ اور پہاڑ کے درمیان پتھروں سے بنی ہیں تو وہ عرب کے دیہاتی تھے جو حضرت خالد کے حاکمِ مدینہ ہونے کے دور میں یہاں آئے اور یہیں فوت ہو گئے ہیں آپ نے انہیں دفن کرا دیا۔

حضرت واقدی کہتے ہیں کہ وہ لوگ ''عام الرمادہ'' کو یہاں فوت ہوئے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ ''الرمادہ'' والا سال مشہور قحط کا تھا اور یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور تھا اور ''زمانۂ خالد'' کا مطلب خالد بن عبد الملک بن حارث سے ہے' یہ ہشام بن عبد الملک کا مقرر کردہ گورنر تھا' اس کے دور میں سات سال تک بارش نہ ہو سکی چنانچہ حجاز کے جنگی لوگ شام کی طرف جلا وطن ہو گئے تھے۔

آج کل صرف حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اطہر دکھائی دیتی ہے جیسے نجار کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: رہی باقی شہداء کی قبریں تو وہاں پتھر جوڑے گئے ہیں' کہتے ہیں کہ یہاں ان کی قبریں ہیں۔

میں کہتا ہوں' مناسب یہی ہے کہ حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کھڑے ہو کر باقی دائیں بائیں شہداء کو بھی سلام عرض کرے جیسے پہلے گذرا۔

علامہ مطری اور ان کے پیروکار کہتے ہیں کہ حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی شمالی جانب کچھ پتھر گڑے دکھائی دیتے ہیں' کہتے ہیں کہ یہ شہیدوں کی قبریں ہیں لیکن یہ بات کہیں ثابت نہیں ہوتی البتہ مغازی کی کتابوں میں آتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی قبریں ہیں جو قحط سالی کے دنوں میں فوت ہوئے تھے اور اس میں شک نہیں کہ باقی شہداء کی قبریں حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اردگرد ہی ہیں اور ایسی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی کہ انہیں آپ سے دور رکھا جاتا۔ انتہٰی۔

میں کہتا ہوں' پہلے گذر چکا ہے کہ ان میں سے کچھ کی قبریں پانچ سو ہاتھ کے فاصلے پر مغرب میں موجود ہیں اور اصل وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ آپ سے دور اسی جگہ پر شہید ہوئے تھے اور وہ قبریں جن کے بارے میں آتا ہے کہ وہ شہداء کی نہیں تو وہ وہی قبریں ہیں جن کے گرد پہاڑ کے نزدیک پتھروں سے چھوٹی سی دیوار بنی ہے۔

شہداءِ اُحد میں سے کون سے حضرات مدینہ میں دفن ہوئے

ان شہداءِ اُحد کا بیان جنہیں اُحد سے لا کر اپنی قبروں میں دفن کیا گیا۔

حضرت ابن اسحاق کہتے ہیں، مسلمانوں میں سے کچھ لوگ وہ تھے جنہوں نے اپنے قتل شدہ لوگوں کو مدینہ میں لا کر دفن کرنا چاہا تو حضور ﷺ نے منع فرمایا اور حکم دیا کہ انہیں وہیں دفن کرو جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔ پھر بنو سلمہ کے قبرستان کے بیان میں گذر چکا کہ شہداءِ اُحد میں سے کچھ لوگ وہاں دفن کئے گئے جن میں سے حضرت ابو عمرو بن سکن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے نیز یہ بھی آ چکا کہ حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیٹ سے فوت ہوئے تو وہ مدینہ میں فوت ہوئے اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دفنائے گئے پھر حضرت عبد الرحمٰن کے والد عمران کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبد اللہ بن سلمہ اور مجذر بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُحد سے اُٹھا کر قباء میں دفن کیا۔ پھر حضرت عبد العزیز کہتے ہیں کہ حضرت رافع بن مالک زرقی اُحد میں قتل ہوئے اور بنو زریق میں دفن کئے گئے۔ وہ کہتے ہیں، لوگ بتاتے ہیں کہ ان کی قبر آل نوفل بن مساحق کے گھر میں بنی تھی جو بنو زریق میں تھا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے شہداءِ اُحد کو مدینہ میں جہاں جگہ ملے، لا کر دفن کرنے کا حکم دیا تھا چنانچہ میرے والد مالک بن سنان کو اصحاب عباء کے پاس جگہ ملی تو وہ وہاں دفن کئے گئے۔ پھر ابن ابی فدیک کہتے ہیں کہ ان کی قبر اس مسجد میں ہے جو اصحاب عباء کے نزدیک تھی جو حناطین کی ایک جانب میں تھی۔ ایسی ہی روایت ابن زبالہ نے لکھی البتہ یہ کہا کہ انہیں بازار میں لے گئے چنانچہ وہ اصحاب العباء کے پاس دفن ہوئے۔

میں کہتا ہوں، ہم ان کی قبر کا بیان پچھلی بیان کردہ قبروں میں کر چکے ہیں لیکن حضرت ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بتائی، انہوں نے کہا: ہم نے اُحد کے دن اپنے شہداء کو اُٹھایا تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان کرنے والے نے آواز دی کہ انہیں وہیں دفن کرو جہاں شہید ہوئے ہیں لہٰذا ہم پیچھے لے گئے۔ واللہ اعلم۔



چھٹا باب

مدینہ کے مبارک کنوئیں' چشمے' درخت اور زمین کے وہ قطعے جو حضورﷺ کی طرف منسوب تھے' پھر وہ مسجدیں جو آپ کی طرف منسوب تھیں اور پھر ان مقامات کا ذکر جہاں سفر اور غزوات کے دوران حضورﷺ نے نمازیں پڑھیں۔اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔

فصل نمبر۱

مدینہ پاک کے مبارک کنوئیں

ان کنوؤں کا ذکر کرتے وقت میں نے اُن ناموں کا ترتیب وار لحاظ رکھا ہے جن کی طرف یہ کنوئیں منسوب تھے اور پھر آخر میں اس تتمہ کا ذکر کرتے ہوئے اس چشمے کا بیان کیا ہے جو حضورﷺ کی طرف منسوب تھا پھر موجود کنوؤں کا بھی ذکر کیا ہے۔

بیر اَرِیس

یہ کنواں ایک یہودی کے نام منسوب تھا جسے اریس کہتے تھے۔شامی لغات میں اریس' کسان کو کہتے ہیں۔
صحیح مسلم شریف میں ہمیں حضرت ابوموسےٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ روایت ملتی ہے' فرماتے ہیں کہ انہوں نے گھر میں وضو کیا اور یہ کہتے ہوئے گھر سے نکلے کہ میں حضورﷺ کی خدمت میں رہوں گا چنانچہ مسجد پہنچے اور آپ کے بارے میں پوچھا۔انہیں بتایا گیا کہ ادھر باہر تشریف لے گئے ہیں' میں پوچھتے پچھاتے آپ کی تلاش میں نکل پڑا' دیکھا تو آپ بیر اریس پر تشریف فرما تھے۔میں دروازے پر بیٹھ گیا جو کھجور سے بنا تھا' آپ نے ضروری حاجت سے فارغ ہو کر وضو فرمایا تو میں اُٹھ کر خدمت اقدس میں چلا' دیکھا تو آپ کنوئیں کی منڈیر پر تشریف فرما تھے' مبارک پنڈلیاں دکھائی دے رہی تھیں جو کنوئیں میں لٹکی تھیں۔میں نے سلام عرض کیا اور واپس آ کر دروازے کے قریب بیٹھ گیا اور سوچا کہ آج میں آپ کی دربانی کروں گا۔

اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور دستک دی۔میں نے پوچھا: کون ہیں؟ انہوں نے کہا: ابوبکر' میں نے کہا' ذرا ٹھہریئے' میں حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! ابوبکر آئے ہیں اور داخلے کی اجازت مانگتے ہیں۔آپ نے فرمایا' آنے دو' ہاں انہیں کہہ دینا کہ تم جنتی ہو! میں نے حضرت ابوبکر سے آ کر کہا' اندر آ جایئے' رسول اللہﷺ فرماتے ہیں کہ آپ جنتی ہیں چنانچہ وہ اندر آئے اور منڈیر پر آپ کی بائیں جانب پنڈلیاں ننگی کئے یوں پاؤں لٹکائے جیسے حضورﷺ نے لٹکائے تھے۔

میں پھر واپس جا بیٹھا' میں اپنے بھائی کو وضو کرتے چھوڑ آیا تھا کہ میرے پاس آ جائیں گے اور میں چاہتا تھا

کہ وہ کسی طرح آ جائیں۔اتنے میں دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی' میں نے پوچھا' کون ہیں؟ انہوں نے کہا: عمر بن خطاب! میں نے کہا ٹھہریئے' پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور سلام عرض کر کے عرض کی' عمر اجازت چاہتے ہیں۔آپ نے فرمایا انہیں آنے دو اور کہہ دو کہ وہ جنتی ہیں۔میں نے حضرت عمر سے کہا' رسول اللہ ﷺ آپ کو جنت کی بشارت دیتے ہیں۔وہ آئے اور کنوئیں کی منڈیر پر پنڈلیاں ننگی کئے' پاؤں لٹکا کر آپ کی بائیں طرف بیٹھ گئے۔میں نے کہا۔خدا بھلا کرے' میرے بھائی آ جاتے تو کتنا اچھا ہوتا۔

اتنے میں پھر دروازہ کھٹکا تو میں نے پوچھا' کون ہو؟ انہوں نے کہا: عثمان بن عفان ہوں' میں نے کہا ذرا ٹھہریئے' پھر میں نے آقا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی' عثمان حاضری کی درخواست کرتے ہیں۔فرمایا: انہیں آنے دو اور کہہ دو تمہیں آزمائش سے گذرنا ہوگا تاہم جنت ملے گی۔میں نے حضرت عثمان سے آ کر کہا' آیئے! رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ آپ جنتی ہیں' تاہم تکلیف پہنچے گی۔وہ اندر آئے تو دیکھا کہ منڈیر پر بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی چنانچہ وہ سامنے والی جانب جا بیٹھے۔

حضرت شریک کہتے ہیں' میں نے ان کے یوں بیٹھنے سے یہ سمجھا کہ ان کی قبریں یونہی بنیں گی۔

میں کہتا ہوں کہ آئندہ بازاروں کے ذکر میں ایسا ہی واقعہ اور آ رہا ہے جس میں دربان حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتائے گئے ہیں چنانچہ احمد وطبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمرو کا روایت کردہ ایسا ہی واقعہ آ رہا ہے جس میں وہی دربان تھے اور یہ واقعہ مدینہ کے ایک باغ کا تھا۔

حضرت رزین نے بیر اریس اور وہ کنواں جدا جدا بتائے ہیں جس کی منڈیر پر آپ تشریف فرما تھے چنانچہ انہوں نے مدینہ منورہ کے مشہور کنوؤں کے ذکر میں کہا: بیر اریس وہ تھا جس میں حضور ﷺ کی انگوٹھی مبارک گری تھی اور بیر قف وہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاؤں لٹکا کر بیٹھے تھے اور پھر باقی کنوئیں ذکر کئے۔

بخاری شریف میں ہمیں ایک حدیث ملتی ہے' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ کی انگوٹھی آپ کے ہاتھ میں رہی پھر حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں اور پھر ان کے بعد حضرت عمر کے ہاتھ میں رہی پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا تو آپ بیر اریس پر بیٹھے اسے ہلا جلا رہے تھے کہ وہ اس میں گر گئی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عثمان کے ساتھ آتے رہے' کنوئیں کا سارا پانی بھی نکال کر دیکھا لیکن وہ نہ مل سکی۔مسند حمیدی میں ہے کہ اس وقت معیقیب بھی ساتھ تھے چنانچہ ابن زبالہ نے شک میں بتایا ہے' کہتے ہیں: یہ وہی انگوٹھی تھی جو حضرت عثمان یا حضرت معیقیب کے ہاتھ سے گری تھی۔

حضرتِ نسائی نے حضور ﷺ کے چاندی کی انگوٹھی بنانے اور اس میں "محمد رسول اللہ" نقش کرانے اور پھر حضرتِ عثمان کے دورِ خلافت میں کئی سال تک ان کے ہاتھ میں پہننے رہنے کا ذکر کیا ہے' پھر اس میں ذکر کیا کہ جب

آپ کی طرف بہت سے خطوط آئے تو انہوں نے ایک انصاری کو پکڑا دی جنہوں نے ہاتھ میں پہنے رکھی' وہ حضرت عثمان کے ایک کنوئیں کی طرف گئے تو وہ اس میں گر گئی' ڈھونڈا گیا لیکن نہ مل سکی چنانچہ چاندی کی ایک اور انگوٹھی بنوانے کا حکم دیا اور اس میں محمد رسول اللہ کندہ کرایا۔

یہ معیقیب قبیلۂ اوس سے تھے اور ان میں شامل تھے جنہوں نے دو ہجرتیں کیں لیکن عمومی طور پر انہیں انصار میں سے مہاجری کہا جاتا تھا۔

یہ انگوٹھی آپ کے دورِ خلافت کے آٹھویں سال میں گم ہوئی تھی اور اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کی طرح ایک راز کی بات تھی کیونکہ جب وہ گم ہوئی تو ان کی سلطنت ختم ہوگئی تھی اور جب حضرت عثمان نے گم کی تو ان کا معاملہ بگڑ گیا' لوگ ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ قیامت تک جانے والے فتنے کی ابتداء تھی۔

حضرت ابن کعب قرظی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگوٹھی اس بیر خریف میں گری جو بیر اریس میں تھا۔ اسے نکالنے کی بہتیری کوشش کی گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انگوٹھی اسی بیر اریس میں نہیں گری تھی۔ اسی لئے ابن شبہ نے ابن غسان سے انگوٹھی گرنے کی روایت پر کہا: وہ کہتے ہیں میں نے سنا کہ وہ ایک عام لوگوں کے استعمال کے اس کنوئیں میں گری تھی جسے بیر خریف کہتے تھے یعنی بیر اریس نامی کنوئیں کی سر زمین میں سے ایک کنوئیں میں گری تھی کیونکہ ابن شبہ ہی کے مطابق ابو عثمان نے کہا' حضرت عثمان نے بیر اریس خریدا' اس میں جو مال تھا' اسے دومہ کہتے تھے' آپ نے اسے انصار کے ایک قبیلہ سے خریدا تھا' اسی میں آپ کا وہ حصہ تھا جو حضور ﷺ نے انہیں دیا تھا' وہ بنو نضیر کا مال تھا' اس میں کیدمہ تھا جو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کا مال تھا۔

پھر ابن کعب نے کہا کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان سے یہ کیدمہ چالیس ہزار درہم میں خریدا اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابو سرح کو حکم دیا تو انہوں نے دے دیا' انہوں نے اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن وغیرہ کے لئے چھوڑ دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن نے اُمہات المومنین کے لئے کیدمہ کی وصیت کر رکھی تھی جنہوں نے حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابو سرح کے ہاتھ بیچ دیا۔

پھر کہا' ابو غسان نے کہا: رہا وہ اریس جس کی طرف وہ زمین منسوب تھی تو عبد العزیز نے مجھے عنبس عقبی سے روایت کی کہ یہ اریس ایک یہودی تھا جو بنو محم سے تعلق رکھتا تھا' یہ مال (جائیداد) اسی کا تھا' حضرت عثمان نے یہ ساری جائیداد ایک جگہ اکٹھی کر دی' یہ سات حصوں میں تھی' اسے صدقہ کر دیا۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن کے دادا نے بتایا کہ حضرت عثمان بیر اریس کی زمین میں ہمارے پاس آئے تو ہم نے کچھ کھجور کے درخت اس کے ساتھ ملا دیں' انہوں نے پوچھا' یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا' اے امیر المومنین! یہ ہم آپ کو دیتے ہیں' انہوں نے کہا کہ میں رشتہ داروں' فقیروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لئے رہنے دیتا ہوں حتیٰ کہ پرندے اور درندے بھی اسی سے کھاتے رہیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے اس مال کا ذکر ایک پتھر پر لکھا تھا جو بیر اریس کے ایک دروازے پر رکھا گیا تھا جسے کسی امیر مدینہ نے ان کنوؤں میں سے ایک کنوئیں میں شامل کر دیا تھا۔انتھی۔

عنقریب کیدمہ کی وضاحت میں آ رہا ہے کہ یہ بنونضیر میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا حصہ تھا اور مشہور جگہ "حسینات" کے قریب ایک جگہ تھی جو "کیادم" کے نام سے مشہور تھی اور دومہ کو آج کل "عالیہ" کہتے ہیں جو بنوقریظہ کے پاس تھی اور پھر اس کے قریب ہی ایک اور جگہ ہے، اسے بھی "دویمہ" کہتے تھے لیکن جو آج کل مشہور ہے وہ اس پر اعتراض بنتا ہے، اسی کی تصریح ابن نجار نے کی ہے جیسے غزالی نے لکھا اور بعد والوں نے ان کی پیروی کی اور وہ یہ کہ بیر اریس ہی مغربی جانب مسجد قباء کے مقابلے میں تھا پھر اس اشکال میں اس وجہ سے اور قوت آ جاتی ہے کہ بنونضیر اور بنوجحم قباء میں نہیں ہوتے تھے بلکہ اسی دومہ نامی جگہ پر تھے یا اس کے اردگرد تھے۔

میں نے اس کا جواب یہ دیا ہے: ہوسکتا ہے کہ ان کی کچھ جائیداد قباء میں ہو جس کے کچھ حصے کو اس طرف دومہ اور کیدمہ کہتے ہوں اور بعد میں یہ نام بھلا دئے گئے ہوں۔

بیر اریس کی فضیلت

حضرت مجد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ان چیزوں میں سے جنہیں ہم نے حضرت زید بن حارثہ سے روایت کیا اور ان سے اریس کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے، یہ بھی ہے کہ اس سے اس کنوئیں کی فضیلت دکھائی دیتی ہے، انہوں نے حضرت نعمان بن بشیر سے خبر دیتے ہوئے کہا کہ جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا، انہوں نے کہا: السلام علیکم! حضرت نعمان کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، میں نے کہا سبحان اللہ! حضرت زید نے کہا: چپ رہو چپ رہو: محمد اللہ کے رسول ہیں، یہ پہلی کتاب (تورات) میں لکھا ہے یہ سچ ہے، سچ ہے، سچ ہے، ابوبکر صدیق جسمانی طور پر کمزور لیکن اللہ کے معاملے میں سخت ہیں، یہ بھی پہلی کتاب میں لکھا ہے اور یہ سچ ہے، سچ ہے، سچ ہے، عمر بن خطاب اللہ کے معاملے میں سخت ہیں، یہ بھی پہلی کتاب میں لکھا ہے اور یہ بات سچی ہے، سچی ہے، سچی ہے، عثمان کے دو گذر گئے، چار باقی ہیں اور انہیں حلال جانا گیا صرف بیر اریس کی چراگاہ اور اس کا پانی چھوڑ دیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قصہ حضرت ابن شبہ سے بیان کیا البتہ آخر میں انہوں نے کہا، بیر اریس پر اختلاف ہوا، لوگوں نے کہا: اپنے خلیفہ کی طرف چلو کیونکہ آج وہ مظلوم ہیں۔

بیہقی نے دلائل النبوہ میں یہ واقعہ کئی طرح سے بیان کیا، ایک روایت میں دو سے مراد انہوں نے یہ مراد لی کہ یہ واقعہ حضرت عثمان کے دورِ خلاف کے دو سال گذرنے پر واقع ہوا اور چار سال باقی تھے اور بیر اریس میں حضور ﷺ کی انگوٹھی گرنے کا واقعہ ان کی خلافت کے چھ سال گذرنے پر پیش آیا، اس وقت آپ کی خلافت میں گڑبڑ ہوئی اور فتنے کے اسباب ظاہر ہوئے۔انتھی۔

حضرت مجد کہتے ہیں' الاحیاء میں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بیر اریس میں تھوک مبارک پھینکی تھی لیکن کسی اور کے ہاں سے یہ ثبوت نہیں ملا پھر مجد نے قباء کے بیان میں دوبارہ بیر اریس کا ذکر کیا اور کہا: یہ وہی کنواں تھا جس میں حضور ﷺ نے تھوکا تھا اور یہ کڑوا ہونے کے باوجود میٹھا ہو گیا لیکن یہاں انہوں نے اسے امام غزالی کی طرف منسوب نہیں کیا' غزالی نے اسے حضرت ابن جبیر کے سفرنامے سے لیا ہے۔

حافظ عراقی نے الاحیاء کی حدیثوں کے حوالے سے بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ بیر اریس میں حضور ﷺ کی تھوک مبارک والی حدیث سے واقف نہیں ہو سکے۔

میں کہتا ہوں کہ ابنِ جماعہ کا قول اس بارے میں عجیب و غریب ہے کہ انہوں نے مناسک کبریٰ کے باب الفضائل میں بیر اریس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھا کہ: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ سیّدنا رسول اللہ ﷺ نے اس کنوئیں میں تھوکا تھا اور اس میں آپ کی انگوٹھی گر گئی تھی۔ انتہٰی۔

حضرت یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک قباء میں ان کے پاس بیر اریس کا پتہ کرنے آئے تو میں نے انہیں بتایا' وہ کہنے لگے یہ کنواں یہیں تھا' آدمی اپنے گدھوں کے لئے یہاں سے پانی لیتے' رسول اللہ ﷺ یہاں تشریف لائے' ڈول منگوایا اور پانی پیا پھر اس سے وضو کیا یا فرمایا کہ اس میں تھوکا تھا اور پھر حکم دیا اور وہ پانی کنوئیں میں ڈال دیا گیا' اس کے بعد میں نے نہیں نکالا' میں نے حضور ﷺ کو دیکھا' آپ نے استنجاء کیا پھر وضو کر کے جرابوں پر مسح فرمایا اور نماز پڑھی لیکن عنقریب بیر غرس کے بارے میں آ رہا ہے کہ اس سے یہی کنواں مراد ہے' ابن شبہ اور ابنِ زبالہ ان کنوؤں میں بیر اریس کا دوبارہ ذکر نہیں کیا جہاں سے حضور ﷺ نے پانی پیا تھا البتہ ابن شبہ نے اسے حضرت عثمان کی جائیداد میں ذکر کیا اور اس میں انگوٹھی گرنے کا بیان کیا۔

قباء کے مقام پر مشہور اس کنوئیں کا پانی مدینہ کے سب پانیوں سے میٹھا ہے۔

بیر اریس کی پیمائش

ابن نجار نے کنوئیں کی گہرائی بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ چودہ ہاتھ ایک بالشت تھی جن میں سے اڑھائی ہاتھ پانی تھا جبکہ اس کی چوڑائی پانچ ہاتھ تھی جبکہ وہ چبوترہ جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ بیٹھے تھے' تین ہاتھ سے زیادہ بلند تھا' یہ ایک بلند قلعے کے نیچے تھا' قبلہ کی طرف سے خراب تھا اور اس کی بالائی جانب ایک رہائش گاہ تھی۔ علامہ مطری کے مطابق اس جگہ میں باغ کی نگرانی کرنے والا اور مسجد کا خدمت گذار رہتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ ہمارے ساتھی شیخ برھان الدین قطان کے قبضے میں ہے' اسی کی وجہ سے فخر عینی اور ان کے درمیان جھگڑا پیدا ہوا کیونکہ فخر کے پاس اس قلعہ کی نچلی طرف ایک ٹکڑا تھا اور پھر مسجد کے مقابلہ میں ایک اور قطعہ تھا جسے ان کے ایک رشتہ دار نے لے رکھا تھا' اس کے بعد اسی کنوئیں میں سے مل کر پانی پینے پر صلح ہو گئی اور یہ

کنواں برھان کے ہاتھ میں رہا' پھر انہوں نے منڈیر کو اس سے تین ہاتھ اونچا کر دیا جو ہم نے دیکھ رکھی تھی اور یہ اس وقت کیا گیا جب متولی نے سبیل اور پانی پینے کی جگہ بنائی جو مسجد قباء کے سامنے تھے اور مقصد یہ تھا کہ اس پانی پینے کی جگہ پر پانی پہنچ سکے' آج کل میری پیمائش کے مطابق گہرائی ساڑھے انیس ہاتھ ہے جن میں سے چار ہاتھ تک پانی موجود ہے۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ اس کے پانی تک پہنچنے کے لئے سیڑھی موجود ہے' وہ کہتے ہیں کہ: شیخ صفی الدین ابوبکر بن احمد سلامی نے زیارت کرنے والوں کے پینے اور وضو کرنے کے لئے سیڑھیاں بنائیں کہ اس میں اُتر سکیں' یہ ۷۱۴ھ کا واقعہ ہے۔ انتہیٰ اور یہ بات بدر بن فرحون کے قول کے مخالف ہے جو انہوں نے نجم الدین یوسف رومی کے تعارف میں لکھا ہے۔ یہ امیر طفیل کے وزیر تھے' یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے بیر اریس میں موجود سیڑھیاں بنائیں جو قباء میں ہے' یہ واقعہ ۷۱۴ھ کا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ خرازوں (فقیروں) کی ایک جماعت نے اسے بنانے کا ارادہ کیا' وجہ یہ تھی کہ جب وہ مسجد قباء کی طرف آتے تو وہاں وضو کے لئے پانی نہ ملتا' صرف جعفر یہ باغ سے ملا کرتا۔

علامہ مجد نے دونوں روایتوں کو جمع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: نجم الدین نے یہ سیڑھی بنائی اور جب وہ ٹوٹ پھوٹ گئی تو صفی الدین نے اسے ازسرِ نو بنا دیا۔

میں کہتا ہوں کہ تاریخ اس بات کا ردّ کرتی ہے اور ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ فقیروں کی جماعت (جیسا کہ بدر فرحون نے لکھا ہے) مسجدوں وغیرہ کی تعمیری کوششیں کرتے تھے' یہ لوگ فقیر تھے' خادم ان کی مدد کرتے' اور مالدار نیک لوگ تعاون کرتے۔ صفی الدین کے پاس دنیوی مال بہت تھا تو۔ گویا سیڑھیاں بنانے میں یہی ان فقراء کی مدد کرتے۔ مطری سب کے ساتھ تھے تو ظاہر یہی ہے کہ انہیں اس کی اطلاع تھی اور پھر نجم الدین نے ان سیڑھیوں کو مکمل کیا۔ واللہ اعلم۔

بیر الاعواف' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفاہی کاموں میں سے ایک

ابن شبہ کے مطابق حضرت محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا' اس وقت آپ بیر اعواف کے کنارے پر بیٹھے تھے' اس میں پانی بہہ نکلا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی برکت سے وہاں شادابی آ گئی اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

حضرت ابن زبالہ کے مطابق حضرت عثمان بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چور کو پکڑنا چاہا تو وہ بھاگ گیا' آپ نے اس کی طرف پتھر پھینکا تو وہ گر گیا۔ آپ نے اسے پکڑ لیا اور پتھر کو چھو کر بابرکت فرما دیا اور اس کے لئے دُعا فرمائی چنانچہ وہ وہی پتھر ہے جو اعواف اور شظبیہ کے درمیان ہے لوگ اسے ہاتھ لگاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ "اعواف" آج کل ایک بہت کھلا ریتلا میدان ہے جو مربوع کے قبلہ میں ہے جس کی شامی جانب خنافہ ہے اور اس میں بہت سے کنوئیں موجود ہیں جن میں سے اس کنوئیں کی پہچان نہیں رہی اور نہ ہی اس پتھر کا

پتہ چل سکتا ہے کیونکہ شطبیہ کے بارے میں آج کل کوئی نہیں جانتا' شاید وہ جگہ ہو جسے آج کل ''عقبی'' کہتے ہیں کیونکہ ابن زبالہ نے پچھلی روایت میں لکھا ہے: ابن عتبہ کی اراضی اور عقبہ' اعواف کی مشرقی جانب ہے اور اگر یہی شطبیہ ہے تو بیر اعواف وہ کنواں ہوگا جو خنافہ سے ملتا ہے جو اعواف کے میدان میں ہے' یہ کنواں آج کل بیکار ہے' اس میں پانی موجود نہیں اور پھر ابن زبالہ کی یہ بات بھی اسی سے تعلق رکھتی ہے کہ ''اعواف'' کا مالک خنافہ یہودی تھا جو ریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دادا تھا۔

علامہ مطری۔اور ان کے پیروکاروں نے اس کنوئیں کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی آنے والے ''غلالہ'' کا کیونکہ ابن النجار اس سلسلے میں خاموش ہیں۔

بئر اُنا

یہ لفظ ھُنَا کی طرح ہے اَنِّیِ یا اَنَّا ہے حتیٰ کے وزن پر' نہایہ میں سے اَبًّا لکھا ہے حتیٰ کے وزن پر۔

ابن زبالہ کے مطابق عبد الحمید بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو اپنا خیمہ بئرانا پر لگایا تھا اور وہیں موجود مسجد میں نماز پڑھی' اسی کنوئیں سے پانی پیا اور اس بیری کے ساتھ اپنی سواری باندھی جو مریم بنت عثمان کی زمین میں تھی۔

اس بارے میں ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بنو قریظہ یہودیوں کی طرف تشریف لے گئے تو وہاں کے ایک کنوئیں کے پاس ٹھہرے' لوگ آپ کے پاس پہنچنے لگے' یہ ''بیرانا'' تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل اس کنوئیں کا کوئی علم نہیں۔

بئر انس بن مالک بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ ان کے باپ کی طرف بھی منسوب ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی مانگا تو بئر انس میں سے آپ کے لئے ڈول بھر کر نکالا گیا' اور پھر حضور ﷺ کو پیش کیا گیا تو آپ نے اسے پی لیا' اس وقت حضرت عمر سامنے' ابوبکر بائیں طرف اور ایک دیہاتی دائیں طرف تھا' الحدیث۔

یہی روایت بخاری شریف میں حضرت انس کی روایت کردہ ہے: رسول اللہ ﷺ ہمارے اسی گھر میں تشریف لائے اور پانی مانگا' ہم نے بکری دوہی اور اپنے اس کنوئیں کا پانی ملا کر آپ کو پیش کیا' الحدیث پھر ابن شبہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے بتایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت انس کے گھر میں موجود کنوئیں سے پانی پیا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے گھر میں موجود کنوئیں کے اندر تھوک ڈالی تھی چنانچہ پورے مدینہ میں اس سے زیادہ کوئی کنواں میٹھا نہ تھا اور جب لوگ محاصرے میں ہوتے تو انہیں

یہی میٹھا پانی پینا ہوتا' دورِ جاہلیت میں اسے ''بروذ'' کہتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل اس کے بارے میں معلوم نہیں کہ کہاں تھا لیکن ابن شبہ سے بلاط میں گذرا کہ اس کی ایک سرنگ سی تھی جو دارِ انس سے بنو جدیلہ کی طرف جاتی تھی پھر اس مقام پر گذر چکا جہاں سے مسجد نبوی کے لئے اینٹیں بنوائی گئیں کہ آج کل کا معروف کنواں جسے ''رباطیہ'' کہتے ہیں' یہ رباط یمنہ کا وقف کردہ تھا جو مشہور باغ کی شامی جانب تھا جو رومیہ کے نام سے مشہور تھا اور جو دارِ نخل کے قریب تھا جس سے فقراء تبرک حاصل کرتے تھے جیسے زین مراغی نے کہا ہے اور پھر کہا کہ اسے بئر ایوب کہتے ہیں اور یونہی باولی والا کنواں جو اس کی مشرقی جانب' اولادِ صفی کے نام سے مشہور باغ میں موجود تھا' اسے بھی بئر ایوب کہتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل جو کنواں بئر ایوب کے نام سے مشہور ہے' وہ دوسرا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بئر ابوایوب انصاری ہے' رہا پہلا تو ظاہر یہ ہے کہ وہ بئر انس ہے کیونکہ وہ اس زمینی نالی کی طرف ہے جسے ابن شبہ نے بنو جدیلہ کے گھروں کے قریب ذکر کیا ہے' لوگ قدیم سے اسے متبرک جانتے ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ میٹھا پانی تھا جسے اس وقت لوگ پیتے جب گرمیوں میں سفر پر جانا ہوتا اور عنقریب ''بئر سقیا'' میں آ رہا ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کو بئر مالک بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میٹھا لگتا تھا۔

ابن شبہ حضرت انس سے ان کے کنوئیں کے ذکر میں بتاتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میرے گھر میں ایک کنواں تھا جسے دورِ جاہلیت میں ''بروذ'' کہتے تھے' جب لوگ اس کے گرد ہوتے تو وہیں سے پانی پیتے۔

حضرت انس کے مطابق اہلِ سیرت نے لکھا ہے کہ جب نبی کریم علیہ السلام چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ آپ کے ننھیال دکھانے آپ کو طیبہ کی طرف لے گئیں' آپ فرماتے ہیں کہ میں ان کے کنوئیں میں تیرا تھا۔

بئرا ھاب

ابن زبالہ کے ایک نسخے میں ''بئر ھاب'' لکھا ہے لیکن پہلا نام درست ہے' حضرت مجد نے اسی پر بھروسہ کیا ہے چنانچہ حضرت محمد بن عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام حرہ کے مقام پر بئر اھاب پر تشریف لائے جو ان دنوں سعد بن عثمان کے قبضے میں تھا' آپ نے حضرت سعد کے بیٹے کو کنگھی کرتے دیکھا' آپ واپس تشریف لے آئے اور فوری طور پر حضرت سعد آئے اور اپنے بیٹے سے کہا: کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا' انہوں نے کہا' ہاں اور پھر آپ کی نشانیاں بتائیں۔ حضرت سعد نے کہا کہ وہ تو رسول اللہ علیہ السلام تھے چنانچہ انہوں نے اسے کھول دیا۔ حضرت عبادہ آپ کے پاس حاضر ہوئے' آپ نے ان کے سر کو چھوا اور برکت کی دُعا فرمائی چنانچہ وہ اسی سال کی عمر میں فوت ہوئے تو کوئی بال سفید نہ تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ان کے کنوئیں میں مبارک تھوک ڈالی۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن عثمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اگر مجھے علم ہو جائے کہ تم اسے پہچانے نہیں تو میں

اس میں قبر بناتا' اس میں سے نصف حصہ اسماعیل بن ولید بن ہشام بن اسماعیل نے خرید لیا اور اس پر وہ محل بنایا جو حرہ میں ابن ہشام کے حوض کے سامنے تھا اور دوسرا حصہ اسماعیل بن ایوب بن سلمہ نے خریدا۔

میں کہتا ہوں' یہی وہ کنواں ہے جو گذشتہ حدیث احمد میں مذکور ہے جو مدینہ کی موجودہ اور آئندہ حالت بتاتی ہے کیونکہ اس میں آپ کا ارشاد ہے: ''آپ باہر نکلے اور بئر اہاب پر پہنچے اور فرمایا: بہت جلد تعمیرات کا سلسلہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔''

حدیث عبادہ زرقی میں ہے کہ وہ قطا جانور کا شکار کرتے اور بئر اہاب پر چڑھتے کیونکہ یہ انہی کا تھا الحدیث اور یہ حرۂ غربیہ میں ایک کنواں تھا لیکن آج اس کا نام یہ نہیں البتہ ابن ہشام کا حوض جو اس کے مقابلہ میں تھا وہ حضرت فاطمہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تھا اور جس کے بارے میں مطری نے واضح طور پر لکھا کہ آج کل اسے زمزم کہتے ہیں جیسے حضرت فاطمہ کے کنوئیں کے ذکر میں بھی آ رہا ہے اور جب ان کی وفات کے بعد حضرت ابراہیم بن ہشام نے حرہ میں اپنا گھر بنایا اور بازار کو وہاں منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے حوض کے گڑھے میں وہ کچھ کیا جو حضرت فاطمہ نے کیا تھا چنانچہ اُسے فروخت کر دیا۔ وہ جبل سے ملے تو انہوں نے کہا کہ انہیں دارِ فاطمہ فروخت کر دیں' انہوں نے بیچ دیا یعنی اس کنوئیں کی وجہ سے جسے فاطمہ نے اپنے گھر میں کھدوایا تھا۔

حضرت مطری کہتے ہیں کہ ابن زبالہ نے ایسے بہت سے کنوؤں کا ذکر کیا ہے جن پر حضور علیہ السلام تشریف لائے' ان سے پانی پیا اور وضو فرمایا لیکن آج ان کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کہاں تھے' وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک کنواں حرۂ غربیہ کے مقام پر نقاء منزل کے آخر میں تھا اور پھر ان کا بھی ذکر کیا جو بئر سقیا کے بیان میں آ رہے ہیں اور یہ الفاظ لکھے: ان کنوؤں میں سے ایک وہ تھا کہ جب تم بئر سقیا پر کھڑے ہو کر بائیں طرف دیکھو تو وہ نظر آتا تھا لیکن وہ راستے سے تھوڑا سا ہٹا ہوا تھا اور اس کے گرد چونے سے بنی دیوار تھی اور پھر اس کے کنارے پر پتھر کا حوض تھا جو ٹوٹ چکا۔ اہلِ مدینہ شروع سے آج تک اسے متبرک سمجھتے چلے آئے ہیں' اس سے پانی پیتے رہتے ہیں' یہ پانی لوگ مختلف علاقوں کو لے جاتے رہے جیسے آبِ زمزم لے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے اسے زمزم کہتے ہیں کہ بابرکت ہے۔

پھر کہتے ہیں' میں نے آج تک ان کے بارے میں کوئی قابلِ بھروسہ بات لکھی نہیں دیکھی' اللہ ہی بہتر جانے کہ ان دونوں میں سے کون سا بئر سقیا تھا' کیا پہلا تھا کہ وہ راستہ کے قریب تھا یا پھر یہ تھا کہ مسلسل لوگ اسے متبرک جانتے آئے ہیں یا شائد وہ کنواں تھا جسے سیّدہ فاطمہ بنت حسین نے اس وقت گھر میں کھدوایا تھا جب وہ اپنی بڑی دادی سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے آ گئی تھیں اور پھر آنے والا قصہ بیان کیا جس میں ان کے گھر میں کنواں کھدوانے کا ذکر ہے' پھر کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہی بئر فاطمہ تھا جبکہ پہلا کنواں سقیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ''پہلا کنواں سقیا تھا'' والا یہ قول درست ہے جیسے آگے آئے گا اور ان کا یہ کہنا کہ یہ دوسرا کنواں بئر فاطمہ تھا' عجیب لگتا ہے کیونکہ ان کے قول ''اور اُن میں سے یہ ہے کہ یہ ان کنوؤں میں سے ہے جن کا ذکر ابن زبالہ

نے کیا ہے۔'' کا مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کے پاس پہنچے اور اس سے پانی پیا اور حضرت فاطمہ بنت حسین کا کنواں تو وہی تھا جو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے بعد کھدوایا تھا' ابنِ زبالہ نے اسے مسجد کی تعمیر کی خبروں میں ذکر کیا ہے اور حضور ﷺ کے کنوؤں کے ذکر میں وہ بیان کیا ہے جو ہم بیر اھاب میں بیان کر چکے ہیں اور پھر وہیں ہم نے بئر سقیا اور دوسرے کنوؤں کا ذکر کیا پھر ان دونوں کا الگ الگ ذکر حرۂ غربیہ کے بیان میں کیا ہے اور پھر مطری نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ مذکور کنواں شروع سے متبرک چلا آیا ہے اور اس کا پانی مختلف علاقوں کی طرف لے جایا جاتا تھا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ کنواں بنت حسین کی طرف منسوب ہو جبکہ وہاں ایک اور کنواں موجود تھا جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب تھا اور جس کے بارے میں آیا کہ آپ وہاں تشریف لے گئے اور اس میں تھوک مبارک ڈالی تھی؟ تو میرے نزدیک واضح بات یہ ہے کہ جو کنواں زمزم کے نام سے مشہور تھا' وہ بئر اھاب تھا اور پھر میں نے اس کے پاس اس دیوار کی جانب جس کے پہلو میں باغ کے گرد دیوار ہے' محل کے قدیم آثار دیکھے ہیں جن پر اسے تعمیر کیا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ اسماعیل بن ولید کا محل ہے جسے اس نے اس پر تعمیر کیا تھا' پھر اس کی شامی جانب اسی باغ میں ایک اور کنواں تھا' احتمال یہ ہے کہ حضرت بنت الحسین کی طرف یہی منسوب ہے اور یہ بھی لگتا ہے کہ ابن ھشام کا حوض اسی جگہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

بئر بُصَّہ

اس کی باء پر پیش' صاد پر زبر اور شد اور آخر میں ھاء ہے' شاید یہ لفظ بَصَّ الْمَاءَ سے ہے یعنی اس نے پانی چھڑکا' مسجد نے یونہی کہا اور اگر بغیر شد کے پڑھیں (بِصَہ) تو وَبَصَ یَبِصُ وَبْصًا و بِصَةً سے ہوگا جیسے وَعَدَ یَعِدُ وَعْدًا و عِدَةً جس کا معنیٰ پہنچنا ہوتا ہے اور وَبَصَ لِیْ مِنَ الْمَالِ سے ہوگا یعنی اس نے مجھے عطا کیا۔

میں کہتا ہوں کہ اہلِ مدینہ کے ہاں یہ شد کے بغیر بولا جاتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شہداء اور ان کے بیٹوں کے پاس تشریف لے جاتے اور گھر والوں کی خبر گیری فرماتے۔ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوسعید خدری کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا آپ کے پاس سدر (بیری کے پتے) ہیں؟ میں اپنا سر دھونا چاہتا ہوں کیونکہ آج جمعہ ہے انہوں نے عرض کی' ہاں چنانچہ وہ نکال لائے اور حضور ﷺ کے ہمراہ ''بِصَہ'' کی طرف چلے' آپ نے سرِ انور دھویا اور پھر سر سے بچا پانی بصہ میں ڈال دیا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ کنواں قباء کی طرف جانے والے کے راستے میں بقیع کے قریب تھا اور باغ میں موجود تھا' اسے سیلاب نے ڈھا دیا اور نام ونشان مٹا دیا' اس میں سبز سا پانی تھا' میں اس کی منڈیر پر کھڑا ہوا اور اس کی گہرائی ماپی تو گیارہ ہاتھ تھی جن میں سے دو ہاتھ پانی تھا اور چوڑائی سات ہاتھ تھی' پتھر سے بنا تھا اور پانی جب باہر نکالا جاتا تو سفید ہوتا اور ذائقہ میٹھا' مجھے ایک قابلِ بھروسہ شخص نے بتایا لوگ سیلابی نقصان سے پہلے اس کا پانی پیا کرتے تھے پھر بعد

ازاں اسے درست کر دیا گیا چنانچہ اسی وجہ سے حضرت مطری نے کہا کہ: یہ کنواں ایک بڑے باغ میں تھا جس کے گرد دیوار موجود تھی اور اس کے نزدیک ہی وہاں اس سے چھوٹا سا کنواں تھا' لوگوں کا اختلاف رہا کہ شاید یہی دونوں بئر بصہ ہیں البتہ ابن نجار نے کہا کہ بڑا کنواں بئر بصہ ہے اور پھر انہوں نے قبل ازیں اس کی گہرائی اور چوڑائی بھی بتائی اور پھر کہا: چھوٹے کی چوڑائی چھ ہاتھ تھی اور یہ وہی تھا جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت مالک بن سنان کے قلعہ کے ساتھ تھا چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ کے اکابر خدام سے سنا' وہ کہتے تھے کہ یہ بڑا کنواں ہے جو قبلہ کی طرف تھا' فقیہ صالح حضرت ابو العباس احمد بن موسےٰ بن عجیل رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ یمنی حضرات جب بصہ نامی کنواں سے جب برکت لینے آتے تو اسی قبلہ والے بڑے کنوئیں پر آیا کرتے۔

میں کہتا ہوں' یہ سب کچھ اس بناء پر کہا گیا ہے جو ابن نجار نے بصہ کے بارے میں لکھا ہے لیکن بصہ ہونے کی اوّلیت اسی کو حاصل ہے جو قلعہ کی طرف چھوٹا ہے' اس کے بارے میں ابن زبالہ نے کہا ہے جیسے گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے کہ: اسی کو ''اجرد'' کہتے ہیں اور اسی کے کنوئیں کو ''بصہ'' کہتے ہیں' یہی کنواں مالک بن سنان کے پاس ہوا کرتا تھا جبکہ بڑا کنواں اس قلعے سے دور تھا۔ قاضی مدینہ زکی الدین بن ابو الفتح بن صالح رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی قلعے کی جگہ خوبصورت بلڈنگ بنائی اور چھوٹے کنوئیں میں اُترنے کے لئے وہاں سیڑھیاں بنائیں اور پھر اپنے لڑکے کے لئے اسے اجرت پر لے کر بنایا چنانچہ یہ فقراء کے لئے وقف کردہ چیزوں میں شامل ہو گیا تھا' اسے شیخ الخدام عزیز الدولہ ریحان بدری شہامی نے زیارت کی خاطر آنے جانے والے لوگوں کے لئے وقف کیا تھا جیسے مطری نے کہا کہ یہ معاملہ ان کی وفات کے دو تین سال بعد ہوا تھا' ان کی وفات ۶۹۷ھ میں ہوئی تھی۔

پھر چھوٹے کنوئیں کی غربی جانب' باہر کی طرف سے باغ کی جانب چوپائیوں کے لئے سبیل ہے جو اسی کنوئیں سے بھری جاتی ہے جس کے لئے رکبداریہ نامی باغ وقف کیا گیا جو دیوارِ مدینہ کی شمالی جانب تھا۔

بئر بضاعہ

یہ لفظ بضاعہ بضاعہ (صاد کے ساتھ بھی ہے یعنی بصاعہ) ہے' یہ کنواں برحاء کی غربی جانب شمال میں تھا چنانچہ سنن ابو داؤد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہمیں ایک حدیث ملتی ہے' کہتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا (آپ سے کہا گیا کہ اس سے آپ کے لئے پانی لایا جاتا ہے جبکہ اس میں کتوں کا گوشت اور مرد و زن کی پلید چیزیں پھینکی جاتی ہیں) آپ نے فرمایا کہ پانی پاک ہوتا ہے' اسے ایسی کوئی چیز پلید نہیں کیا کرتی۔

حضرت ابوسعید نسائی میں بتاتے ہیں' میں حضور ﷺ کے ہاں سے اس وقت گذرا جب آپ بئر بضاعہ سے وضو فرما رہے تھے' میں نے عرض کی' آپ تو اس سے وضو فرما رہے ہیں جبکہ اس میں سے تو بدبو آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی کو کوئی شے پلید نہیں کرتی۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بئر بضاعہ میں تھوک مبارک ڈالی تھی پھر انہی سے یہ روایت بھی ملتی ہے کہ میں نے اسی کنوئیں سے اپنے ہاتھوں حضور ﷺ کو پانی پلایا تھا۔

حضرت محمد بن یحییٰ کی والدہ کہتی ہیں کہ ہم سہل بن سعد کے ہاں پہنچے' عورتیں بھی بیٹھی تھیں' انہوں نے کہا اگر میں تمہیں بئر بضاعہ سے پانی پلاؤں تو جھجک محسوس کروں گا حالانکہ بخدا میں نے اس سے حضور ﷺ کو خود اپنے ہاتھوں پانی پلایا تھا۔

کبیر طبرانی میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بضاعہ میں برکت ڈالی تھی۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابو اسید کا مدینہ منورہ میں ایک کنواں تھا جسے بئر بضاعہ کہتے تھے' نبی کریم ﷺ نے اس میں تھوکا تھا' لوگ اس کا پانی چہروں پر ملتے اور برکت حاصل کرتے تھے۔

ابن زبالہ بتاتے ہیں کہ جب ابو اسید نے اپنے باغ کا پھل اُتارا تو اسے بالا خانے میں رکھ دیا' جنات کی قسم کی کوئی چیز آئی جس نے وہ پھل چوری کیا اور برباد کر دیا' انہوں نے حضور ﷺ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا: اے اسید! یہ تو جنات ہیں' کان رکھو اور جب ان کا ہجوم آتا سنو تو کہو:

بِسمِ اللّٰہِ اَجِیبِی یَا رَسُولَ اللّٰہِ ۝

اس غول پھلاوہ نے کہا' اے ابو اسید! مجھے معاف کر دو' مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جانے کی تکلیف نہ دو' میں تم سے پکا عہد کرتا ہوں کہ آئندہ تمہارے گھر میں نہیں آؤں گا اور نہ ہی تمہارا پھل اُٹھا لے جاؤں گا' میں تمہیں ایک آیت بتا دیتا ہوں' پڑھ لیا کرو گے تو تمہارے گھر میں کوئی نہیں آئے گا' برتن پر پڑھو گے تو اسے ننگا کوئی نہیں کرے گا چنانچہ اس نے انہیں ایسا پکا وعدہ دے دیا جس سے یہ راضی ہو گئے پھر اس نے کہا کہ جو آیت میں تمہیں بتا رہا ہوں' وہ آیۃ الکرسی ہے۔

حضرت ابو اسید حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بتایا تو آپ نے فرمایا کہ جھوٹا ہونے کے باوجود اس نے بات سچی کی ہے۔

حضرت مجد کہتے ہیں' ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ بئر بضاعہ پر آئے' ڈول سے وضو فرمایا اور باقی پانی کنوئیں میں ڈال دیا اور پھر اس میں تھوک مبارک ڈالی اور پانی بھی پیا اور جب آپ کے دور میں کوئی بیمار ہو جاتا تو کہتا کہ مجھے بئر بضاعہ کے پانی سے غسل دیدو' وہ نہاتا تو شفایاب ہو جاتا۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتی ہیں کہ ہم بیماروں کو تین دن تک بیر بضاعہ سے نہلاتے تو وہ تندرست ہو جاتے۔

ابو داؤد اپنی سنن میں کہتے ہیں کہ میں نے قتیبہ بن سعید سے سنا' کہتے تھے کہ میں نے بیر بضاعہ پر نگران سے اس کی گہرائی کا پوچھا کہ اس کا زیادہ سے زیادہ پانی کتنا ہوتا ہے؟ اس نے کہا قد آدم تک' میں نے پوچھا کہ گھٹ جائے تو

پھر کتنا ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا شرمگاہ سے نیچے تک۔ ابو داؤد نے اس کے بعد لکھا کہ میں نے اپنی چادر سے کنوئیں کے پیائش کی' میں نے چادر اوپر بچھا کر پیائش کی تو اس کا عرض چھ ہاتھ تھا اور میں نے اس شخص سے پوچھا جس نے باغ کا دروازہ کھولا اور مجھے اندر داخل ہونے دیا کیا اس کی وہی شکل ہے جو پہلے تھی؟ انہوں نے کہا' نہیں حالانکہ میں نے پانی دیکھا تو وہ رنگ بدل چکا تھا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ کنواں ایک باغ میں تھا جس کا پانی میٹھا اور ستھرا تھا' رنگ اصلی تھا اور خوشبودار تھا' لوگ وہاں سے پانی پیتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اسے ماپا تو اس کی گہرائی گیارہ ہاتھ اور ایک بالشت تھی جن میں سے دو ہاتھ سے زائد پانی تھا اور باقی تعمیر شدہ تھا جبکہ اس کی چوڑائی چھ ہاتھ تھی جیسے ابو داؤد نے بتایا۔

میں کہتا ہوں کہ اسے میں نے بھی ماپا تھا تو پیائش اتنی ہی تھی' اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی البتہ اس کی منڈیر اصل زمین سے ڈیڑھ ہاتھ اور قدرے زیادہ تھی' یہ مطری کے مطابق باغ کے پہلو میں شامی جانب قریب ہی تھا اور یہ باغ کنوئیں کے قبلہ میں تھا' کنوئیں کی شامی جانب والے باغ میں رہنے والے بھی اسی کنوئیں سے پانی پیتے تھے' یہ دونوں باغوں کے درمیان تھا اور اس کا پانی میٹھا اور ستھرا تھا حالانکہ یہ بے کار پڑا تھا اور اس کی منڈیر خراب ہو چکی تھی اور یہی وہ کنواں ہے جو صحیح بخاری میں موجود حضرت سہل بن سعد کی روایت کردہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ: ہم جمعہ کے دن بہت خوش ہوتے کہ ایک بڑھیا ہمارے لئے کھانا لایا کرتی۔ ایک روایت میں ہے کہ ''بضاعہ کی طرف بھیجا کرتی''۔

اسماعیلی کہتے ہیں' اس سے پتہ چلا کہ یہ کنواں باغ میں تھا' معلوم ہوتا ہے حائضہ عورتیں وہاں کچھ پھینک دیتیں' بارش آتی تو اسے بہا کر کنوئیں میں ڈال دیتی۔

میں کہتا ہوں' جس نے بضاعہ کو دیکھا ہے اسے معلوم ہے کہ یہ کنواں پست زمین میں تھا' اس کے اردگرد کی جگہ اونچی تھی' خصوصاً شامی جانب والی اور جب وہاں پلید چیزیں ڈالی جاتی ہیں تو بارش انہیں بہا کر لے جاتی ہے اور ہوا بھی گندگی اُٹھا کر اسی میں ڈالتی ہے۔ علامہ طحاوی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس جگہ پر پانی بہتا تھا' واقدی نے بھی یہی کہا ہے اور اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اس کے گرد والی زمین پر پانی چلتا تھا جو پلیدی کھینچ کر اس کنوئیں میں ڈال دیتا تھا کیونکہ مدینہ کے مؤرخین نے اس کا نام کنواں رکھا تھا' ایسے نہیں جیسے کچھ حنفی حضرات کہتے ہیں کہ یہ ایک چشمہ تھا جس کا پانی تمام باغوں کی طرف جاتا تھا کیونکہ موقع دیکھنے پر یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے۔

بئر جاسوم

اسے بئر جاسم بھی کہا جاتا تھا' ابن نجار نے اسے اور اس کے بعد والے کا ذکر نہیں کیا اور مسجد راتج کے بیان میں بتایا جا چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد راتج میں نماز پڑھی تھی اور جاسوم کا پانی پیا تھا' یہ ایک کنواں تھا۔

ابن نجار اور پھر ابن زبالہ کے مطابق بھی حضرت خالد بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے ابو الہیثم بن تیہان کے کنوئیں جاسوم سے پانی پیا تھا چنانچہ حضرت زید بن سعد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہمراہ لئے ابو الہیثم بن تیہان کے پاس جاسوم کنوئیں پر تشریف لائے اور اس سے پانی پیا تھا' یہ کنواں انہی کا تھا اور پھر ہموار زمین پر نماز پڑھی۔

پھر واقدی کے مطابق حضرت ہیثم بن نصر اسلمی کہتے ہیں' میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازے پر بیٹھ گیا' میں جاسم نامی کنوئیں سے آپ کے لئے پانی لاتا۔ یہ کنواں ابو الہیثم بن تیہان کا تھا اور اس کا پانی بہت اچھا تھا۔ ایک دن حضرت ابوبکر کو ساتھ لئے ابو الہیثم کے پاس تشریف لے گئے اور ٹھنڈا پانی مانگا تو وہ چمڑے کا ڈول پانی بھرا لے آئے' دیکھا تو پانی بہت ٹھنڈا تھا جیسے برف ہوتی ہے' انہوں نے بکری کے دودھ میں ملا کر پلایا اور عرض کی کہ ہمارے ہاں ٹھنڈا جھونپڑا ہے لہٰذا یا رسول اللہ! آپ یہیں قیلولہ فرمالیں چنانچہ آپ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں داخل ہو گئے' اتنے میں ابو الہیثم کئی رنگ کی کھجوریں لے آئے' الحدیث۔

پھر حافظ ابن حجر کہتے ہیں' اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ قصہ وہی ہے جو صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک انصاری کے پاس تشریف لے گئے' آپ کا ساتھی بھی وہاں موجود تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا اگر تمہارے پاس چمڑے کے ڈول میں رات کا رکھا پانی موجود ہے تو لاؤ ورنہ ہم یہاں منہ لگا کر پی لیں گے۔ وہ آدمی باغ کو پانی دے رہا تھا' اس نے عرض کی یا رسول اللہ! رات کا رکھا پانی ہمارے پاس موجود ہے' آپ جھونپڑے میں تشریف لے چلیں' وہ آپ دونوں کو وہاں لے گیا' پانی ایک پیالے میں ڈالا اور پھر گھریلو بکری کا دودھ اس میں دوہا جسے رسول اللہ ﷺ نے پی لیا اور پھر اس شخص نے پیا جو ساتھ آیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ کنواں آج کل مشہور نہیں البتہ مسجد راتج کے بیان میں اس کی جگہ کی جہت بتائی گئی ہے۔

بئر جمل

''جمل'' کا معنی یہاں اونٹ ہی ہے۔ حضرت ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابن عبد اللہ بن رواحہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضور ﷺ بئر جمل کی طرف تشریف لے گئے' ہم بھی ہمراہ گئے' آپ وہاں داخل ہوئے تو حضرت بلال بھی چلے گئے۔ اس پر ہم نے کہا' ہم اس وقت تک وضو نہیں کریں گے جب تک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں بتا نہیں دیتے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیسے فرمایا' وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ حضور ﷺ نے موزوں اور خمار پر مسح فرمایا۔ پھر صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ بئر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے تو راستے میں ایک شخص ملا اور سلام عرض کیا۔ الحدیث۔

دارقطنی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قضاءِ حاجت سے واپس آئے تو بئر جمل کے پاس آپ سے ایک شخص نے ملاقات کی۔ انہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قضاء حاجت کے لئے بئر جمل کی طرف تشریف لے گئے'

آگے سے ایک آدمی ملا اور سلام عرض کیا۔نسائی کی روایت میں ہے کہ بئر جمل کی طرف سے تشریف لائے۔ یہ وادیٔ عقیق میں تھا۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ جرف کی طرف عقیق کے آخر میں ایک مشہور کنواں تھا۔وہاں اہل مدینہ کی اراضی تھی۔

نسائی کہتے ہیں، بئر جمل نام رکھنے کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہاں ایک اونٹ مر گیا تھا یا اس آدمی کا نام جمل تھا جس نے اسے کھودا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ کنواں آج کل مشہور نہیں اور علامہ مجد سے پہلے کسی نے نہیں لکھا کہ یہ کنواں جرف میں تھا، صرف یاقوت حموی نے لکھا ہے۔

یہ جو انہوں نے لکھا ہے کہ ''یہ عقیق سے تعلق رکھتا تھا'' میں نے اسے نسائی کی سنن صغریٰ میں نہیں دیکھا اور پھر پہلی روایات بھی اس معنٰی کو بعید جانتی ہیں کیونکہ انہوں نے لکھا ہے: ''آپ قضاءِ حاجت کے لئے بئر جمل کی طرف تشریف لے گئے اور دوسری جگہ ہے کہ آدمی راستہ میں چھپ گیا اور قضاءِ حاجت کی معروف جگہ بقیع الجبہ کی طرف تھی اور وہ بئر ابوایوب کی جانب تھی، وہاں ایک مشہور جگہ ''مناصع'' تھی اور پھر شامی جانب مسجد کے مشرق میں مناصع کی گلی کا ذکر گزر چکا ہے اور تیسرے باب کی گیارہویں فصل میں آ چکا ہے کہ حضور ﷺ کی اونٹنی مبارک بنونجار کے عین درمیان جا بیٹھی تھی یعنی مسجد نبوی کی مشرقی جانب، پھر وہاں سے اُٹھی اور حبشی کی گلی تک پہنچی جو بئر جمل پر تھی اور وہاں بیٹھ گئی۔الحدیث اور یہ روایت ہماری بیان کردہ روایت کی تائید کرتی ہے، علاوہ ازیں مسجد کے آخر میں ایک گلی تھی جسے آج کل ''حزق جمل'' کہتے ہیں اور چھوٹے بازار کے راستے کے قریب ایک چھوٹا سا کنواں ہے جو ضیق کی گلی میں ہے، وہاں کے لوگ اسے یہی کنواں سمجھتے ہیں لیکن میں اسے غلط جانتا ہوں۔

حضرت مطری ان چند کنوؤں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں جن کا ابن نجار نے ذکر کر رکھا ہے کہ وہ چھ تھے جبکہ ساتویں کا آج کل کوئی علم نہیں ہاں عام لوگ یہی کہتے ہیں کہ وہ بئر جمل تھا لیکن یہ معلوم نہیں کہ کہاں تھا۔ہاں بخاری اور ہم نے اس کا ذکر کیا ہے۔پھر کہتے ہیں کہ انہوں نے سات مشہور کنوؤں میں بئر جمل کا ذکر نہیں کیا اور شاید انہیں ابن زبالہ کے ذکر کردہ کا پتہ نہیں چل سکا کیونکہ انہوں نے کنوؤں میں اس کا ذکر کیا ہے۔

بئر حاء

صحیح بخاری میں ہمیں یہ روایت ملتی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مدینہ کے انصار میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھجور کے باغ کی بناء پر سب سے امیر تھے، بیر حاء ان کا سب سے بہتر مال تھا، یہ مسجد کے سامنے تھا، رسول اللہ ﷺ اس میں داخل ہوئے اور اس سے پانی پیا تھا جو بہت عمدہ تھا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لن تنالوا البر

الآیۃ اور مجھے سب سے پیارا بیر حاء ہے' میں اسے راہِ خدا میں دیتا ہوں' اس کا اجر اللہ کے ہاں سے لوں گا لہٰذا یا رسول اللہ! آپ اسے جیسے چاہیں' استعمال میں لا سکتے ہیں۔اس پر آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ یہ بہت مفید رہے گا' جو تم نے کہا' میں نے سن لیا ہے' میں چاہتا ہوں کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں کے استعمال میں کر دو۔حضرت ابوطلحہ نے عرض کی' یا رسول اللہ! ایسے ہی کرونگا چنانچہ انہوں نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔ایک روایت میں ہے کہ ابی اور حسان میں تقسیم کیا' وہ مجھ سے زیادہ آپ کے قریبی تھے۔

پھر ایک روایت میں ''میرے سارے مال میں سے مجھے بئر حاء زیادہ پسند ہے'' کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ یہ باغ تھا' حضور ﷺ اس میں داخل ہوتے اور سایہ میں بیٹھتے' پھر اس سے پانی پیتے تو یہ اللہ اور رسول کے لئے تھا' میں آخرت میں اس کے اجر کی اُمید رکھتا ہوں لہٰذا یا رسول اللہ! آپ اسے جیسے چاہیں استعمال فرمائیں' حضور ﷺ نے فرمایا' ابوطلحہ مبارک ہو' یہ بہت مفید مال ہے' ہم اسے تم سے قبول کرتے ہیں اور پھر تمہارے ہی قبضے میں دیتے ہیں' اسے اپنے قریبی لوگوں میں استعمال کرو چنانچہ انہوں نے اسے قریبی رشتہ داروں کے استعمال میں دیا۔کہتے ہیں کہ انہی میں ابی اور حسان بھی شامل تھے۔کہتے ہیں کہ حضرت حسان نے اس میں سے اپنا حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیچ دیا۔اس پر انہیں کہا گیا: تم ابوطلحہ کا صدقہ بیچ رہے ہو؟ انہوں نے کہا کیا میں صاع بھر کھجور صاع بھر درہموں کے بدلے نہ بیچوں؟ یہ باغ بنو جدیلہ کے محل کی اس جگہ تھا جسے حضرت معاویہ نے بنایا تھا۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں (اس میں ابن عبد البر نے اور اضافہ کیا) کہ دار ابوجعفر اور وہ گھر جو اس کے ساتھ ساتھ بنو جدیلہ کے محل تک جاتا تھا' یہ ابوطلحہ کی جائیداد تھا' اسے بئر حاء کہا جاتا تھا۔ابن حجر کہتے ہیں' ابوجعفر کے گھر سے ان کی مراد وہ گھر تھا جو ان کا ہو گیا تھا اور انہی کے نام سے جانا جاتا تھا اور وہ ابوجعفر منصور عباسی خلیفہ تھا اور بنو جدیلہ کا محل حضرت حسان کا حصہ تھا جس میں حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ محل بنایا تھا۔

علامہ کرمانی نے یہاں عجیب بات کہی ہے اور وہ یہ کہ جس معاویہ نے یہ محل بنایا تھا وہ معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار تھے جو ابوطلحہ کے داداؤں میں سے تھے۔

میں کہتا ہوں' حضرت کرمانی کے وہم کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے محل کو بنو جدیلہ کی طرف منسوب کر دیا۔جدیلہ' مذکور معاویہ کا لقب تھا اور یہ وہم ناقابلِ قبول ہے بلکہ محل کی ان کی طرف نسبت اس وجہ سے تھی کہ یہ ان کے گھروں میں تھا۔

ابن شبہ کہتے ہیں' رہا بنو جدیلہ کا محل تو اسے حضرت معاویہ بن سفیان نے بنایا تھا تا کہ وہ قلعہ کا کام دے' اس کے دو دروازے تھے' ایک دروازہ تو بنو جدیلہ کے مکانوں کی لائن میں کھلتا تھا جبکہ دوسرا جنوب مشرقی کونے میں دار محمد بن طلحہ تیمی کے پاس تھا' آج کل یہ دروازہ عبد اللہ بن مالک خزاعی کے حصہ میں ہے' حضرت معاویہ کے لئے یہ محل طفیل بن ابی کعب انصاری نے بنایا تھا' اسی کے درمیان میں بئر حاء تھا۔

اس روایت کے بعد انہوں نے عطاف بن خالد کی روایت لکھی' وہ کہتے ہیں کہ حسان مجمع میں بیٹھتے' ان کے ساتھی پاس بیٹھتا' ان کے لئے چٹائی بچھاتے' ایک دن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاں بہت سے عربوں کو سلام کے لئے آتے دیکھ کر کہا:

"میں چادریں دیکھ رہا ہوں اوڑھنے والے عزت دار اور کثرت میں ہیں اور ابن عریضہ شہر کا سب سے بڑا شخص بن چکا ہے۔"

یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو فرمایا کہ چٹائی پر بیٹھنے والوں کے خلاف کون میرا ساتھی ہے؟ حضرت صفوان بن معطل بولے: یا رسول اللہ! میں آپ کے لئے حاضر ہوں چنانچہ وہ تلوار سونتے ان کی طرف روانہ ہوئے' جب انہوں نے انہیں سامنے سے آتے دیکھا تو ناراضگی کے آثار دیکھ کر فوراً بکھر گئے' حسان کو دیکھا تو اس کے گھر چلے گئے چنانچہ انہیں مارا۔ مجھے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے عوض انہیں باغ دیا جسے انہوں نے حضرت معاویہ بن ابوسفیان کے ہاتھ فروخت کر دیا اور بہت مال لیا' چنانچہ انہوں نے ایک محل تیار کر دیا۔

پھر قصہ افک میں محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی کے حوالے سے وہ قصہ لکھا جس میں صفوان نے حسان کو مارا تھا اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا' اے حسان! اس تکلیف کو برا محسوس نہ کرو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کنواں آپ کا ہوا چنانچہ آپ نے انہیں اس کے بدلے میں بئر حاء دیدیا' آج کل یہ مدینہ میں بنو جدیلہ کا محل ہے' یہ حضرت ابو طلحہ کے قبضے میں تھے' انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا' آپ نے حضرت حسان کو اس ضرب کے بدلے میں شیریں نامی قبطی لونڈی دیدی تھی۔

ابن زبالہ کے مطابق ابوبکر بن حزم کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ نے اپنا یہ مال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا' آپ نے ان کا یہ مال ابی بن کعب' حسان بن ثابت' شبیط بن جابر' شداد بن اوس یا ان کے والد اوس بن ثابت (حضرت حسان کے بھائی) جیسے ان کے قریبی رشتہ داروں کو دیدیا' انہوں نے اس کی قیمت لگائی تو حسان بن ثابت نے لے لیا اور پھر حضرت معاویہ بن ابوسفیان کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں بیچ دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت حسان کا اپنا حصہ حضرت معاویہ کے ہاتھ فروخت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوطلحہ نے انہیں اس باغ کا مالک بنا دیا تھا' ان کے لئے وقف نہیں کیا تھا اور یہ احتمال بھی ہے کہ ان پر وقف کر دیا ہو اور پھر شرط لگا دی ہو کہ جو اپنا حصہ بیچنا چاہے' بیچ سکتا ہے جیسے حضرت علی وغیرہ اس کے جائز ہونے کے قائل تھے۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ آج کل "بئر حاء" بالکل ہی چھوٹے سے باغیچہ میں ہے' اس میں کچھ کھجور کے درخت ہیں اور ان کے اردگرد زراعت ہوتی ہے اور پھر وہاں اونچی جگہ پر ایک گھر بنا ہوا ہے اور یہ مدینہ کی حفاظتی دیوار کے قریب ہے اور کسی اہل مدینہ کے قبضے میں ہے۔ اس کا پانی بہت میٹھا ہے۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کی حفاظتی دیوار کی شمالی جانب ہے' درمیان میں راستہ ہے' آج کل اسے نوریہ کہتے ہیں' اسے کچھ نوری عورتوں نے خریدا تھا اور فقراء و مساکین کے لئے وقف کر دیا تھا چنانچہ انہی کے نام منسوب ہو گیا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ میں نے اس کی پیائش کی تو اس کا طول (گہرائی) بیس ہاتھ تھی جس میں سے گیارہ ہاتھ پانی تھا اور باقی حصہ دیوار تھی جبکہ چوڑائی تین ہاتھ اور ایک بالشت تھی۔

میں کہتا ہوں کہ آج وہ اسی صورت میں موجود ہے' اس کے قبلہ کی طرف ایک مسجد ہے جو قدیم لوگوں کی بنی ہوئی نہیں' اس کا ذکر نہ تو ابن نجار نے کیا اور نہ ہی مطری نے' لگتا ہے کہ یہ ان دونوں کے بعد بنی ہو گی تاہم مجد نے اس کا ذکر کیا ہے' وہ کہتے ہیں: بئر حاء میں ایک کنواں ہے جس میں چھوٹی سی رسّی ڈالی ہے' تنگ سی نالی ہے اور پانی ستھرا ہے اور پھر قبلہ کی جانب اس کے سامنے باغ کے اندر ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔

میں کہتا ہوں' ان کے قول کہ "مسجد کے مقابلہ میں تھا" کا معنٰی یہ ہے کہ مسجد اس کنوئیں کے قبلہ کی جانب تھی لہٰذا اس کا اس سے بعید ہونا موجود پیائش کے منافی نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ اس کا کچھ حصہ مدینہ کی دیوار میں شامل تھا کیونکہ اس کی تقسیم بتائی جا چکی اور بتایا جا چکا کہ اس کے کچھ حصے میں محل بن گیا ہے البتہ وہاں فقیروں کا کوئی اثر نہیں دیکھا۔

پہلے گذر چکا ہے کہ ابوطلحہ کے درختوں کا جھنڈ جو مسجد کی شامی جانب تھا' ابوطلحہ کی طرف منسوب تھا کیونکہ انہی کا تھا' ان کی اراضی یہاں تک پھیلی ہوئی تھی' رہا محمد بن طلحہ تیمی کا گھر جس کے بارے میں ابن شبہ نے کہا کہ یہ محل بنانے والے کا گھر تھا جو اس جگہ اس کے نزدیک بنا تھا تو ظاہر ہے کہ وہ ابراہیم بن محمد بن طلحہ کا وہ گھر نہیں جو ان کے دادا کے گھر کا حصہ تھا کیونکہ اس کی نسبت ابراہیم بن محمد کی طرف تھی جبکہ اس کی نسبت ان کے والد کی طرف تھی لہٰذا یہ بات بئر حاء کے مشہور ہونے میں روکاوٹ نہیں بنتی۔ واللہ اعلم۔

بئر حاء کی وضاحت

یہ تنبیہ کہ یہ لفظ کیسے پڑھا جائے اور یہ کیا ہے؟ ایک صاحب نے اس کے بارے میں علیحدہ ایک کتاب لکھی ہے جسے علامہ مجد نے اختصار سے یوں بیان کیا ہے: اس کی حرکتوں کے بارے میں اختلاف ہے چنانچہ صاحب نہایہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ بئر حاء اور بئر حاء پھر راء پر پیش اور زبر پڑھی جاتی ہے اور پھر دونوں میں مدّ ہے پھر دونوں کو زبر اور قصر سے پڑھا جاتا ہے (بئر حاء)۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ بئر حاء اس زمین کا نام ہے جو ابوطلحہ کی تھی اور گویا یہ فَیعَلَی کے وزن پر بَـراح لفظ سے بنا ہے جس کا معنٰی کھلی زمین ہوتا ہے پھر ایک مرتبہ انہوں نے کہا: میں نے مکہ کے بارے میں بتانے والوں سے سنا' وہ اسے مضاف' مضاف الیہ بنا کر بولتے ہیں' "حاء" ایک قبیلے کا نام ہے' کچھ کہتے ہیں کہ ایک

آدمی کا نام ہے اور اس صورت میں اس پر تنوین ہو گی۔

علامہ یاقوت کہتے ہیں کہ بئر حاء خیزلیٰ کے وزن پر ہے' پھر مجھے بتایا گیا کہ بئر حاء مضاف الیہ ہے اور اس پر مد ہے اور مغربی سب لوگ اسے اضافت سے پڑھتے ہیں جبکہ راء پر پیش' زیر اور زبر پڑھی جاتی ہے اور حاء حروف تہجی میں سے ہے۔

ابو عبید بکری کہتے ہیں کہ حاء (حرفِ ہجاء کے وزن پر) مدینہ میں مسجد کے سامنے تھا' بئر حاء اسی کی طرف منسوب تھا لہٰذا یہ اسم مرکب ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس ''حاء'' کے بارے میں اختلاف چلا آیا ہے کہ یہ مرد تھا یا عورت یا یہ کوئی مکان تھا جس کی طرف یہ کنواں منسوب ہے اور یا پھر یہ اونٹوں کو ڈانٹنے کے لئے سختی کا لفظ ہے' اونٹ یہاں چرا کرتے تھے تو اسی لفظ سے انہیں اس علاقے میں ڈانٹا جاتا تھا چنانچہ اس لفظ ہی طرف یہ کنواں منسوب کر دیا گیا۔

باجی کہتے ہیں کہ ابوبکر اصم نے ''راء'' کی حرکت میں اختلاف کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ ہر حال میں ''راء'' پر زبر پڑھی جائے گی' وہ کہتے ہیں کہ اہلِ مشرق اسے زبر ہی سے پڑھتے ہیں جبکہ عبد اللہ صوری کہتے ہیں کہ اس کی ''باء'' اور ''راء'' پر بہرصورت زبر پڑھی جائے گی بایں طور کہ یہ ایک ہی کلمہ ہے' قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اندلسیوں کی روایت پر ہم نے ابو جعفر کے حوالے سے کتاب مسلم میں اسے ''باء'' کی زیر اور ''حاء'' کی زبر سے لکھا دیکھا ہے اور اصیلیسے ہم نے ''راء'' کی پیش اور زبر سے دیکھا ہے چنانچہ حماد بن سلمہ کے ذریعے اسے ''ریحا'' لکھا دیکھا ہے البتہ حمیدی نے اسے ''بیر حا'' لکھا ہے جبکہ مسلم کی روایت میں ''ریحا'' ہے لیکن یہ وہم ہے' یہ مالک کی حدیث میں نہیں بلکہ حماد کی حدیث میں ہے' مالک کی حدیث میں تو ''بئر حا'' ہے اور ابو داؤد نے اپنی مصنف میں اس حدیث کو سابق روایت کے خلاف بیان کیا ہے' وہ روایت لاتے ہیں ''میں نے ''اریحا'' میں زمین لی۔'' اس ساری بحث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کنواں نہیں تھا۔ انتہیٰ کلام عیاض۔

بئر حلوہ

ابن نجار اور ان کے بعد والے مؤرخین نے اس کا اور اس کے بعد والے کا ذکر نہیں کیا البتہ ابن زبالہ نے ضرور ذکر کیا ہے چنانچہ عبد اللہ بن محمد بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی ذبح فرمائی اور اپنی ایک زوجہ کے گھر اس کا شانہ بھیجا' جس پر انہوں نے کچھ بات کی تو آپ نے فرمایا: تم عورتیں اللہ کے ہاں اس سے بھی ہلکی ہو اور پھر ان کے پاس جانا چھوڑ دیا' آپ پیلو کے درخت کے نیچے ایک میٹھے کنوئیں پر قیلولہ فرماتے تھے جو اس گلی میں تھا جس میں آمنہ بنت سعد کا گھر تھا اور اسی وجہ سے اسے زقاقِ حلوہ کہنے لگے اور پانی والے کمرے میں (مشربہ) میں سویا کرتے اور جب انتیس راتیں گذر گئیں تو آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول

اللہ! آپ نے تو ایک ماہ کا ایلاء (بیوی کے پاس مہینہ بھر جانے سے رُک جانا) فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ مہینہ انتیس دن کا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ کنواں بالکل کسی کے علم میں نہیں تاہم تمام کنوؤں کا ذکر ان گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے جو بلاط کی بائیں طرف تھے‘ یہ حویطب بن عبد العزّٰی کے گھر کے ذکر میں مذکور ہوا تھا۔

بئر ذرع

یہ بنوخطمہ کا کنواں تھا چنانچہ ابن زبالہ نے یہ حدیث ذکر کی ”رسول اللہ ﷺ بنوخطمہ کے پاس تشریف لے گئے اور ایک بڑھیا کے گھر میں نماز پڑھی‘ پھر وہاں سے نکلے تو مسجد بنوخطمہ میں نماز پڑھی‘ پھر ان کے کنوئیں ذرع پر تشریف لے گئے‘ اس کی منڈیر پر بیٹھے‘ وہاں سے وضوفرمایا اور اس میں تھوکا۔

ابن شبہ کے مطابق حارث بن فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنوخطمہ کے کنوئیں ”ذرع“ سے وضوفرمایا جو ان کی مسجد کے صحن میں تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی مسجد میں نماز پڑھی۔ ایک انصاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنوخطمہ کے کنوئیں ذرع میں تھوکا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ کنواں غیر معروف ہے البتہ اس کی جہت کا پتہ بنوخطمہ کی مسجد کے بیان سے چل جاتا ہے۔

بئر رُومہ

کچھ حضرات اسے ”رُوَمہ“ پڑھتے ہیں‘ ابن زبالہ نے اس بارے میں یہ حدیث لکھی ہے: ”یہ مزنی کا کنواں کتنا اچھا ہے‘ اے عثمان! اسے خرید لو اور عام لوگوں کے استعمال کے لئے چھوڑ دو۔“ پھر یہ حدیث لکھی: ”مزنی کا حفیرہ (رومہ کنواں) کتنا اچھا ہے۔“ حضرت عثمان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو اسے سو بکرہ کے بدلے میں خرید لیا اور عام لوگوں کے لئے چھوڑ دیا چنانچہ لوگ اس سے پانی پینے لگے اور جب کنوئیں کے مالک نے دیکھا کہ اسے اس کی ضرورت ہے۔ تو باقی نصف بھی تھوڑی سی رقم کے بدلے بیچ دیا‘ یوں حضرت عثمان نے تمام کنواں خلقِ خدا کے لئے چھوڑ دیا لیکن ابنِ شبہ کے مطابق حضرت عدی بن ثابت کہتے ہیں کہ مزینہ کے ایک آدمی کو ایک کنواں دکھائی دیا‘ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کا ذکر حضرت عثمان سے کیا‘ وہ اس وقت خلیفہ تھے چنانچہ بیت المال کی رقم سے انہوں نے وہ کنواں خریدا اور لوگوں کے لئے چھوڑ دیا۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں ایک راوی موجود نہیں‘ یہی وجہ ہے کہ حضرت زبیر بن بکار نے کہا: اس کا کوئی ثبوت نہیں اور ہمارے نزدیک تو یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عثمان نے یہ کنواں اپنی گرہ سے خریدا تھا اور حضور ﷺ کے دور میں اسے عام لوگوں کے استعمال میں دے دیا۔ انتہیٰ۔

ابن ابو الزناد کہتے ہیں، میرے والد نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت عثمان کا رفاہی مال (رومہ) بہترین ہے۔ محمد بن یحیٰ کہتے ہیں، مجھے کئی شہریوں نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مزنی کا کنواں بہت اچھا ہے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت ابو قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ مخالفین جب حضرت عثمان کے دروازے پر انہیں قتل کرنے کے ارادے سے جمع تھے تو آپ نے انہیں دیوار کے اوپر سے جھانک کر کئی باتوں کا ذکر کیا پھر انہیں قسمیں دے دے کر باتیں کیں، فرمایا: کیا تمہیں وہ بھول گئی ہے کہ رومہ فلاں یہودی کا تھا، وہ بغیر رقم لئے کسی کو ایک قطرہ پانی بھی پینے نہیں دیتا تھا، میں نے اسے چالیس ہزار درہم سے خریدا اور پھر اس کی حیثیت یہ کر دی کہ میرا اور کسی بھی مسلمان کا وہاں سے پانی پینا ایک جیسا تھا، میں نے انہیں روکاوٹ نہیں ڈالی تھی؟ انہوں نے کہا: ہم یہ سب جانتے ہیں۔

حضرت زہری کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کون ہے وہ جو جنت میں سیر ہونے کے لئے بئر رومہ خرید لے؟ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی گرہ سے اسے خرید کر لوگوں کے لئے وقف کر دیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن حبیب سلمی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا: میں قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں، بتاؤ، کیا نبی کریم ﷺ نے نہیں فرمایا تھا کہ جو بئر رومہ خرید دے گا، اسے جنت میں اس جیسا پینے کو ملے گا؟ لوگ تو وہاں سے قیمت دے کر پانی پیتے تھے، میں نے اپنی گرہ سے وہ خریدا اور پھر فقیر، غنی اور مسافروں کے لئے چھوڑ دیا؟ ان سب نے کہا، ہاں ایسے ہی ہے۔

حضرت اسامہ لیثی کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ ہوا تو انہوں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیجا کہ انہیں کچھ پانی بھیجیں، انہوں نے حضرت طلحہ سے بات کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا جس پر حضرت عمار نے کہا: سبحان اللہ! عثمان نے تو یہ کنواں (رومہ) اتنے درہموں سے خریدا تھا اور لوگوں کے لئے وقف کر دیا لیکن یہ لوگ انہیں اسی کا پانی پینے سے روک رہے ہیں؟

نسائی اور ترمذی کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دے کر کہتا ہوں، یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو ان کے لئے میٹھا پانی میسر نہ تھا تو اس موقع پر آپ نے فرمایا تھا، کون ہے جو بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لئے آسانی پیدا کر دے؟ الحدیث، آگے آتا ہے کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی۔

نسائی کے مطابق تصدیق کرنے والوں میں حضرت علی بن ابو طالب، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے پھر ابن شبہ نے احنف سے حدیث بتائی تو اس میں بتایا کہ آپ نے فرمایا تھا: میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے علاوہ کوئی بھی لائق عبادت نہیں، کیا تمہیں یاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو بھی بئر رومہ خرید دے گا، اللہ اسے بخش دے گا؟ چنانچہ میں نے اپنے درہم دے کر خرید لیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، میں نے بئر رومہ خرید لیا ہے، آپ نے فرمایا تھا کہ اسے لوگوں کے پینے کے لئے چھوڑ دو،

آخرت میں تمہیں اس کا اجر ملے گا؟ لوگوں نے کہا' ہاں۔

حضرت بغوی نے صحابہ کے ذکر میں بشیر اسلمی سے روایت کی' وہ کہتے ہیں کہ جب مہاجرین مدینہ پاک میں آئے تو یہاں انہیں عجیب لگا' بنوغفار میں سے ایک کے پاس چشمہ تھا جسے رومہ کہتے تھے' وہ اس میں سے ایک مشکیزہ پانی ایک مُدّ کا بیچتے تھے' رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ یہ مجھے دیدو' جنت میں تمہیں اس جیسا مل جائے گا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے اور اہلِ خانہ کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی ذریعۂ روزگار نہیں اور نہ ہی میں کچھ کرسکتا ہوں۔

یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی سن لی تو انہوں نے پینتیس ہزار درہم میں یہ خرید لیا اور پھر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی' کیا اس جیسا مجھے جنت میں ملے گا؟ فرمایا' ہاں۔ آپ نے فرمایا: میں نے یہ خرید لیا اور مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیا۔

حافظ ابنِ حجر کہتے ہیں کہ جب پہلے یہ چشمہ تھا تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ حضرت عثمان نے وہاں کنواں کھود لیا ہو اور شاید وہ چشمہ کنوئیں کی طرف بہتا تھا' آپ نے اسے وسیع کر دیا یا لمبا کر دیا ہو چنانچہ اس کی کھدائی آپ سے منسوب کر دی گئی۔ انتھٰی۔

میں کہتا ہوں' یہ اشکال اس بات میں نہیں کہ حضرت عثمان نے اسے صرف کھودا ہی تھا بلکہ حضور ﷺ کے اس فرمان کے ذریعے ترغیب دینے کی وجہ سے ہوا: مَنْ حَفَرَ الخ تو ان دونوں کو جمع کرنے کی صورت یوں ہوگی کہ پہلے آپ نے فرمایا تھا: ''بئر رومہ کون خریدے گا'' چنانچہ حضرت عثمان نے خرید لیا اور پھر اس کی کھدائی کی ضرورت محسوس ہوئی تو فرمایا: ''بئر رومہ کون کھودے گا'' چنانچہ انہوں نے کھدائی کرا دی تاہم اس روایت میں اسے چشمہ کہنا عجیب لگا ہے اور اس بناء پر اسے چشمہ کہا گیا کہ اس کے بدلے میں جنتی چشمہ ملنے کا ذکر ہے۔ علامہ مجد کے مطابق اس رومہ کا مالک رومہ غفاری تھا۔

پھر حضرت ابوبکر حازمی بھی کہتے ہیں کہ یہ رومہ غفاری کی طرف منسوب ہے اور انہوں نے اسے چشمہ قرار نہیں دیا' اس روایت اور قولِ حدیث ''مزنی کا کنواں بہتر ہے'' یعنی رومہ کو جمع کرنے کا معاملہ یوں ہے کہ جس نے اسے کھودا تھا' وہ مزینہ سے تھا لیکن بعد میں اس کا مالک رومہ غفاری بن گیا۔

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہ کنواں ایک یہودی کا تھا' یہ مسلمانوں کو پانی بیچتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو یہ کنواں خرید کر مسلمانوں کو دیدے' ان کی جگہ یہ ڈول ڈالا کریں' خریدنے والے کو اس کے بدلے میں جنت کا کنواں ملے گا۔ حضرت عثمان اس یہودی کے پاس آئے اور سارے کی قیمت لگائی' اس نے پورا دینے سے انکار کیا چنانچہ حضرت عثمان نے اس میں سے نصف بارہ ہزار درہم میں خرید لیا اور مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا' آپ نے یہودی سے کہا تھا' چاہو تو ایک ہی دن میں ہم دو دن کا پانی لے لیا کریں اور یوں نہیں تو ایک دن تمہارا اور ایک دن ہمارا' اس نے کہا یہی ٹھیک ہے اور حضرت عثمان کی باری ہوتی تو مسلمان اتنا پانی لے لیتے جتنا دو دن کے لئے انہیں کافی ہوتا۔ یہودی

نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگا کہ آپ نے تو میرے کنوئیں کا معاملہ گڑبڑ کر دیا لہٰذا دوسرا نصف حصہ بھی خرید لو' آپ نے آٹھ ہزار درہم میں خرید لیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ دورِ جاہلیت کا قدیم کنواں تھا کیونکہ ابنِ زبالہ کئی لوگوں سے سن کر بتاتے ہیں کہ تُبّع یمانی جب مدینہ میں آیا تو قناۃ کے مقام پر ٹھہرا اور وہ کنواں کھودا جسے بئر الملک کہتے تھے اور یہی اس کا نام پڑ گیا۔ان کا یہ کنواں کسی وجہ سے بگڑ گیا' ان کے پاس بنو زریق کی ایک عورت آئی تو اس کے پاس اپنے کنوئیں کی شکایت کی' وہ گئی اور دو عرابی گدھے لے آئی اور کنوئیں سے اس کے لئے پانی نکالا اور لے کر اس کے پاس آ گئی' اس نے پانی پیا تو اسے بہت اچھا لگا۔اس پر اس نے کہا اور لے کر آؤ چنانچہ وہ پہنچا دیا کرتی اور جب نکلا تو کہا اے فکھہ! ہمارے پاس سونا چاندی تو دینے کو موجود نہیں تاہم ہمارا یہ زادِ راہ اور سامان لے لو چنانچہ جب وہ چلا گیا تو اس نے اس کا بچا کھچا کھانے کا سامان اور باقی سامان لے لیا۔کہتے ہیں' یہی وجہ تھی کہ اسلام آنے تک وہ اور اس کی اولاد بنو زریق میں سے مالدار گنے جاتے تھے۔

یہ کنواں وادیٔ عقیق کی نچلی جانب تھا اور اس جگہ کے قریب تھا جہاں سیلابی پانی جمع ہوتے تھے' اس مقام پر کھلا میدان تھا' وہاں بلند عمارت تھی جو پتھر سے بنی تھی اور وہ گر چکی تھی۔ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ عمارت ایک یہودی کا مکان تھا جس کے اردگرد زرعی زمین اور کنوئیں تھے' یہ جرف کے قبلہ میں اور مسجد قبلتین کے شمال میں اس سے دور واقع تھا۔ابن نجار بتاتے ہیں کہ اس کے پتھر ٹوٹ پھوٹ چکے تھے اور نشانات ختم ہوتے جا رہے تھے البتہ وہ نمکین کنواں تھا جو پہلو دار پتھروں سے بنا تھا۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کی پیمائش کی تو اس کا طول اٹھارہ ہاتھ تھا جن میں سے دو ہاتھ پانی تھا اور باقی حصے میں ریت بھری تھی جو ہواؤں نے ڈال دی تھی جبکہ چوڑائی آٹھ ہاتھ تھی' پانی کا رنگ اور مزہ بدلا ہوا تھا۔

مطری کہتے ہیں کہ اس کی حالت خراب تھی' پتھر ٹوٹ پھوٹ چکے تھے اور زمین کے برابر ہو چکا تھا' اب تو اس کے صرف نشان باقی ہیں۔

علامہ زین مراغی لکھتے ہیں کہ اسے پھر سے بنایا گیا اور زمین سے اسے نصف قد آدم بھر اونچا کیا گیا' اسے صاف کیا گیا تو اس کا پانی بڑھ گیا' اسے نئے سرے سے زندہ کرنے کا کام قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن محمد بن محب طبری' قاضی مکہ مکرمہ نے تقریباً ۷۵۰ھ میں کیا تھا۔علامہ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے فرمان ''جس نے بئر رومہ کھودا' اسے جنت ملے گی'' کے عمومی معنیٰ سے انشاء اللہ انہیں فائدہ پہنچے گا (اور وہ جنت میں جائیں گے)۔

قاضی عیاض کا قول عجیب و غریب ہے جو انہوں نے ''مشارق'' میں لکھا ہے کہ بئر رومہ کے نام سے مدینہ میں دو کنوئیں مشہور ہیں۔انتھٰی لیکن مجھے اس کا ثبوت نہیں مل سکا۔

بئر السُّقیا

سُقیا وہ جگہ ہوتی ہے جہاں بارش کا پانی جمع ہو اور اسے سیراب کرے۔ اس کا ذکر مسجد سقیا سے متعلق حدیث میں گذر چکا ہے جسے ابنِ نجار نے بیان کیا کہ حضورﷺ بدر کے لشکر کو ''سقیا'' پر لے گئے اور اس کی مسجد میں نماز پڑھی اور دُعا فرمائی۔ الحدیث۔ پھر اسی حدیث میں ہے کہ کنوئیں کا نام سقیا تھا اور اس سرزمین کو ''فلجان'' کہتے تھے چنانچہ ابن شبہ کے مطابق حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میرے والد نے کہا: اے بیٹے! ہم یہاں سقیا کے مقام پر آئینگے جب ہم حسیکہ کے مقام پر یہودیوں سے لڑائی کریں گے، ہم کامیاب ہونگے اور کامیابی کی ہمیں اُمید ہے پھر ہم بدر کو جاتے ہوئے حضورﷺ سے ملیں گے۔ اگر میں سلامت رہا اور واپس آ گیا تو میں اسے خرید لوں گا اور اگر میں قتل ہو گیا تو تم خریدنے میں کوتاہی نہ کرنا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اسے خریدنے کے لئے نکلا تو پتہ چلا کہ وہ ذکوان بن عبد قیس کا تھا اور سعد بن ابو وقاص نے اسے مجھ سے پہلے خرید رکھا تھا۔ اس سرزمین کا نام ''فلجان'' اور کنوئیں کا نام ''سقیا'' تھا۔

ابن شبہ کے مطابق محمد بن یحییٰ کہتے ہیں، میں نے عبد العزیز بن عمران سے حسیکہ کے بارے میں پوچھا۔ پھر جو کچھ آگے آ رہا ہے، اس کا ذکر کیا، پھر کہا کہ ابو غسان کہتے ہیں، مجھے حضرت حفص نے بتایا کہ سقیاء والی زمین کا نام ''فلج'' اور اس کے کنوئیں کا نام ''سقیا'' تھا۔ یہ ذکوان بن عبد قیس زرقی کے قبضہ میں تھا اور ان سے حضرت سعد بن ابو وقاص نے دو اونٹوں کے بدلے میں خریدا تھا۔

حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ نبی کریمﷺ کو بیر سقیا کا میٹھا پانی پیش کیا جاتا تھا، ایک روایت میں ہے کہ ''سقیا کے گھروں سے۔'' واقدی کے مطابق حضرت ابو رافع کی بیوی سلمہ کہتی ہیں کہ (جب حضورﷺ حضرت ابو ایوب کے پاس ٹھہرے تو آپ کے لئے والد انس حضرت مالک بن نضر کے کنوئیں سے میٹھا پانی لایا جاتا پھر اسماء کے بیٹے انس، ھندا اور حارثہ پانی اُٹھا کر اپنی بیویوں کے گھروں میں لے جاتے جو سقیا کے گھروں میں تھے پھر رباح اسود کبھی تو حضورﷺ کے پاس بیر غرس سے پانی لاتے اور کبھی سقیا کے گھروں سے۔

دوسرے باب کی چوتھی فصل میں ترمذی کی روایت گذر چکی ہے، حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ ہم رسول اللہﷺ کے ہمراہ نکلے اور جب حرۂ سقیا (جو حضرت سعد بن وقاص کے قبضے میں تھا) پر پہنچے تو رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ وضو کے لئے پانی لاؤ چنانچہ وضو فرما کر کھڑے ہوئے اور قبلہ کی طرف منہ کر لیا، الحدیث اور پھر وہ حدیث بھی گذر چکی ہے کہ رسول اللہﷺ نے حضرت سعد کی حرہ والی زمین میں نماز پڑھی جو سقیا کے گھروں کے پاس تھی۔ الحدیث۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بئر سقیا وہی تھا جس کے بارے میں مطری نے لکھا کہ وہ نقاء کے مکان کے آخر میں تھا جو

حرم میں بئر علی کی طرف جانے والے کی بائیں طرف موجود تھا۔ مطری کہتے ہیں کہ وہ کنواں نمکین' بڑا اور پہاڑ میں چونا لگا کر بنایا گیا تھا' اب وہ بیکار پڑا ہے اور خراب ہو چکا ہے' اس کی شمالی جانب (مغربی) مستطیل عمارت ہے جو چونا سے بنی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حوض تھا یا چشمہ جو حاجیوں کے آنے پر کام دیتا تھا اور جب وہ مدینہ میں قیام کرتے تو وہیں ٹھہرتے' یہی وجہ ہے کہ اس جگہ کا نام مطری نے ''منزل نقاء'' رکھا اور آگے جو کچھ نقاء کے بارے میں آ رہا ہے' اس سے یہ واضح ہو جائے گا۔ پھر کسی عجمی فقیر نے ۸۷۷ھ میں اسے از سرِ نو بنا دیا تو اس دن سے اسے ''بیر الاعجام'' کہنے لگے۔

میں کہتا ہوں کہ اس تعمیر کے بعد یہ گر کر بکھر چکا تھا کہ جناب خواجگی بدری بدر الدین بن علیبہ نے اسے ۸۸۶ھ میں پھر تعمیر کر دیا' پھر بئر اھاب کے بیان میں مطری کا تردد گذر چکا ہے کہ یہ سقیا' راستے سے قرب کی وجہ سے تھا یا یہ وہی کنواں تھا جو زمزم کے نام سے مشہور تھا کیونکہ لوگ متواتر اس سے تبرک حاصل کرتے تھے' پھر کہا تھا' ظاہر یہ ہے کہ سقیا یہی پہلا کنواں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہی پچھلی بات درست ہے کیونکہ اسی سے باحسانِ الٰہی وہ تردد دور ہو جاتا ہے کہ اس کے قریب مسجد سقیا بنانے میں کامیابی ہوئی اور پھر ظاہر یہ کہ علامہ غزالی کے ''آداب الزائر'' میں موجود اس قول سے بھی یہی کنواں مراد ہے۔ ''آدمی کو بئر حرۃ سے غسل کرنا چاہئے'' انتہٰی اور یہ اس بناء پر کہ یہ کھلے راستے میں واقع تھا اور مدینہ میں تعمیر ہونے والے پہلے گھروں سے متصل تھا۔

ابو داؤد کے مطابق قتیبہ نے کہا: سقیا ایک چشمہ ہے' اس کے اور مدینہ کے درمیان دو دن کی مسافت ہے۔

میں کہتا ہوں' ابو داؤد نے صحیح کہا ہے جیسے اس کے تعارف میں آ رہا ہے لیکن یہاں یہ مراد نہیں اور شائد انہیں یہ اطلاع نہیں کہ مدینہ میں ایک کنواں ہے جس کا نام یہی ہے پھر علامہ مجد کو بھی دھوکا لگا' وہ کہتے ہیں کہ سقیا قریب ہے' جامع ہے۔ پھر انہوں نے حدیث ابو داؤد بیان کی اور صاحب نہایہ کا یہ قول ذکر کیا کہ: سقیا' مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک منزل ہے' کہتے ہیں کہ دو دن کی مسافت پر ہے اور اسی سے یہ حدیث ہے کہ: آپ کی خدمت میں بیوتِ سقیا سے میٹھا پانی پیش کیا جاتا۔ پھر کہتے ہیں کہ ابو بکر بن موسےٰ کے قول کا ''سقیا' مدینہ میں ایک کنواں تھا جس سے حضور ﷺ کو پانی پیش کیا جاتا۔'' یہی مطلب ہے کیونکہ مدینہ کا عمل تھا۔ پھر کہا: رہا وہ کنواں جو بابِ مدینہ پر تھا' وہ اس کے اور ثنیۃ الوداع کے درمیان تھا یعنی عین اس کے اندر تھا جیسے آگے آ رہا ہے تو اہلِ مدینہ اسے گمان کرتے تھے کہ یہی وہ سقیا ہے جو حدیث میں مذکور ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ وہم ہے اور اس کی تاکید حدیث کے ان الفاظ سے ہوتی ہے ''من بیوت السقیا'' حالانکہ اس کنوئیں کے پاس گھر کبھی نہ تھے' نہ ہی کسی نے بیان کئے ہیں اور یہ بھی ہے کہ سقیا سے حضور ﷺ کے لئے پانی اس وقت لایا گیا جب مدینہ کے کنوؤں کا پانی ناقابلِ ہضم سمجھا۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ کنواں جس کا ہم نے ذکر کیا (جو مدینہ اور مدرج کے درمیان تھا) حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا جیسے مطری نے بتایا اور پھر نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ بدر کے لشکر کو سقیا پر لے گئے جو حضرت سعد کا تھا' آپ نے اس کی مسجد میں نماز پڑھی اور اہلِ مدینہ کے لئے وہاں دُعا فرمائی' پھر اس سے پانی بھی پیا۔اس کی سر زمین کو "فلحجان" کہتے ہیں۔آج کل وہ بیکار ہو چکا ہے' اس کے نشان مٹ چکے ہیں تاہم عجم کے کسی فقیر نے اسے از سرِ نو صحیح کیا۔

میں کہتا ہوں کہ ان کا ابوبکر بن موسیٰ کے قول کو اس پر محمول کرنا جو انہوں نے ذکر کیا ہے اور اس سقیا کے بارے میں جو کچھ آیا ہے' اسے نقل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم ابن زبالہ اور ابن شبہ سے بیان کر چکے ہیں اس سے وہ واقف نہیں اور انہیں یہ یقین نہیں کہ خود مدینہ میں ایک کنواں ہے جسے سقیا کہتے تھے اور یہ وہم ہے جو مردود ہے حالانکہ میرے نزدیک قابلِ بھروسہ بات یہ ہے کہ جس سقیا کے بارے میں حدیث آئی ہے کہ اس کا پانی پیا جاتا تھا' یہ مدینہ ہی کا سقیا تھا' اس اعتماد کی کئی وجوہ ہیں:

(۱) ایک تو یہ ہے کہ ابن شبہ اس حدیث کو وہاں ذکر کرتے ہیں جہاں مدینہ کے ان کنوؤں کا بیان کر رہے ہیں جن سے حضور ﷺ نے پانی پیا تھا۔

(۲) انہوں نے اسے اس حدیث سے ملایا ہے جس میں لشکر بدر کے پیش کرنے کا ذکر ہے اور ابن زبالہ نے مدینہ کے کنوؤں کے ذکر میں اسے بیان کیا اور وہ سقیا جو عملِ فرع سے تھا وہ حضور ﷺ کے راستے میں نہ تھا جو بدر کو جاتا تھا کیونکہ وہ راستہ مشہور تھا اور وہ سقیا بھی مشہور تھا اور اس راستے کی جہت میں نہ تھا جیسے اپنے مقام پر اس کا بیان آ رہا ہے اور پھر گذشتہ حدیث جابر میں ہے کہ وہ سقیا پر اس وقت گئے جب حسیکہ کے مقام پر یہودیوں سے لڑائی ہوئی اور ساتھ یہ بیان بھی کیا کہ حسیکہ خود مدینہ سے جرف کی طرف تھا۔

(۳) یہ بھی گذر چکا ہے کہ یہ کنواں انصار میں سے بنو زریق کے ایک شخص کا تھا اور حضرت جابر کے والد نے اس کو خریدنے پر اُبھارا تھا جبکہ حضرت سعد اسے پہلے ہی لے چکے تھے۔

(۴) پھر روایت واقدی سے یہ گذر چکا ہے کہ کبھی تو حضور ﷺ کے لئے یہاں سے پانی لایا جاتا اور کبھی بئر غرس سے اور یہ بات بہت بعید ہے کہ اس سقیا کو جو مدینہ سے دو یا کئی کے فاصلے پر اس بئر غرس سے ملا دیا جائے جو مدینہ میں تھا۔

(۵) یہ بھی واقدی ہی کی روایت ہے کہ پانی لا کر دینے والے اسماء کے بیٹے انس' ھندا اور حارثہ تھے' یہ وہ لوگ تھے جو مدینہ اور اس کے گرد سے پانی لیتے تھے کیونکہ دور پانی لے جانے کے لئے تو اونٹوں اور آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۶) پہلے ہم مسجد سقیا کے بیان میں بتا چکے کہ اسدی نے اسے ان مساجد میں بیان کیا ہے جن کی مدینہ میں زیارت

کی جاتی ہے' پھر ان مساجد میں اسے ذکر کیا جو حرمین کے درمیان واقع ہیں۔

(۷) یہ بھی ہم بیان کر آئے کہ مدینہ میں مسجد کے اندر بیر سقیا بنانے میں کامیاب ہوئے۔

(۸) علامہ مجد نے واقدی سے بقیع کے بیان میں بتایا کہ اس میں ''سین'' پر پیش ہے اور یہ وہ سقیا ہے جو بنو دینار کے پہاڑی راستے میں تھا اور پھر اس راستے کے بارے میں ہم بتائیں گے کہ یہ وہی راستہ تھا جو غربی حرہ میں عقیق کی جانب تھا۔

رہا علامہ مجد کا قول ''اس کنوئیں کے پاس کبھی بھی مکان نہیں رہے اور نہ ہی کسی نے نقل کئے ہیں۔'' بہت تعجب والا ہے کیونکہ جو بھی اس کنوئیں کے اردگرد کا جائزہ لے چکا ہے' وہ جانتا ہے کہ وہاں گھر کیا' کئی بستیاں موجود تھیں جیسے بنیادوں اور بوسیدہ عمارتوں سے پتہ چلتا ہے' پھر افسوس کہ انہوں نے کسی کی پیروی کرتے ہوئے مسجد سقیا کا ذکر چھوڑ دیا ہے جبکہ اللہ کے احسان سے بنیادوں اور عمارتوں پر غور کرنے سے مجھے معلوم ہو گیا' جب اس مسجد کے مقام سے مٹی ہٹائی گئی تو ہمیں اس کی بنیاد اور محراب دکھائی دئے جو آدھا ہاتھ تک دیکھے اور یہ مسجد اسی کنوئیں کے ساتھ تھی۔

پھر وہ جو انہوں نے ذکر کیا ہے کہ سقیا سے میٹھا پانی انہوں نے اس وقت لیا جب مدینہ کے دوسرے کنوئیں ناقابلِ استعمال تھے' تو یہ مردود ہے بلکہ وہ تو پانی کی تلاش کرتے تھے اور پھر انہوں نے مدینہ کے تمام کنوؤں کو نہیں دیکھا تھا کہ وہ ناقابلِ استعمال ہیں چنانچہ صحیح میں حضور علیہ السلام کے ابو الہیثم بن تیہان کے پاس آنے کا ذکر ہے جس میں ان کی بیوی نے کہا تھا ''ہمارے لئے میٹھا پانی لانے کو گئے ہیں۔'' پھر واقدی کی گذشتہ روایت میں واضح طور پر موجود ہے کہ والد انس حضرت مالک بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنوئیں کا پانی میٹھا واقع ہوا تھا اور یہ کنواں حضرت انس کے گھر میں تھا اور پھر اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ حدیث ابو داؤد سے مراد (جو چشمہ کے میٹھا ہونے کے بارے میں قتیبہ سے مذکور ہے) یہ وہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے لئے اس سے میٹھا پانی تب لایا جاتا تھا جب حج وغیرہ کے سفر کے دروان اس کے قریب ٹھہرتے تھے البتہ اس سے مدینہ کی طرف وہ پانی لے جانا ثابت نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

بئر العقبہ

علامہ مجد نے کہا: رزین عبدری نے اسے مدینہ کے کنوؤں میں ذکر کیا ہے' وہ کہتے ہیں: یہ وہی کنواں تھا جس میں رسول اللہ علیہ السلام' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پاؤں لٹکائے تھے' لیکن عبدری نے اس کی جگہ مقرر نہیں کی اور مشہور یہ ہے کہ یہ قصہ بئر اریس سے تعلق رکھتا ہے اور وہ جو میں نے رزین کی کتاب میں کنوؤں کی گنتی میں دیکھا ہے تو وہاں ان کے یہ الفاظ ہیں: بئر العین' اس میں آپ کی انگوٹھی گری تھی اور بئر القف' اس میں رسول اللہ علیہ السلام' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پاؤں لٹکائے تھے۔ انتہٰی اور ہم بیر اریس کے بیان میں بتا چکے ہیں کہ واقعے متعدد تھے۔

بئر ابی عِنَبَہ

واحد کے لفظ عنب سے ہے چنانچہ ابن سیّد الناس غزوۂ بدر کی ایک خبر میں کہتے ہیں: حضور ﷺ نے اپنا لشکر بئر ابو عنبہ کے پاس اُتارا' یہ مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر تھا' آپ اپنا لشکر وہاں لے گئے اور جسے چھوٹا جانا اسے رد کر دیا۔

علامہ مطری نے بئر سقیا پر کلام کرتے ہوئے اسی کو دلیل بنایا ہے' وہ لشکر بدر کو سقیا پر لے جانے کے ضمن میں کہتے ہیں: حافظ ابن عبد الغنی مقدسی نقل کرتے ہیں کہ آپ نے اپنا لشکر حرہ کے مقام پر بئر ابو عنبہ پر لا کھڑا کیا جو اس سقیا کنوئیں کے اوپر تھا اور مغربی جانب تھا اور یہ بتایا کہ یہ مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر تھا۔

میں کہتا ہوں' شاید وہاں آنا دو مرتبہ ہوا' ایک تو اس وقت جب آپ سقیا سے گذرے اور پھر جب اس کنوئیں پر آپ نے اپنا لشکر پیش کیا تو دوبارہ یہاں تشریف لائے تا کہ ہلکا جاننے والوں کو رد کر سکیں اور شاید یہی کنواں ہے جو آج کل بئر ودی کے نام سے مشہور ہے کیونکہ پہلے کی گئی تعریف اسی پر سچی آتی ہے اور اس لئے بھی کہ وہاں سب سے میٹھا کنواں یہی تھا چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابراہیم بن محمد لکھتے ہیں کہ ابنِ جریج جب مکہ کو چلے تو ہم ان کے ساتھ چلے۔ جب بئر ابو عنبہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے پوچھا اس جگہ کا نام کیا ہے؟ ہم نے انہیں بتایا تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس اس بارے میں ایک حدیث ہے' پھر حضرت عاصم کی حدیث بیان کی جس میں عمر اور ان کی دادی کا حضرت ابوبکر کے پاس جھگڑا لے جانے کا ذکر ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور میرے لئے بیر ابو عنبہ سے پانی لایا کرتا ہے۔ یہ روایت بتاتی ہے کہ پانی اس سے میٹھا تھا۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ اس کنوئیں کا ذکر حدیث کے بغیر بھی آیا ہے۔

بئر العہن

علامہ مطری نے ان کنوؤں کا ذکر کیا جن کا ابن نجار نے ذکر کیا اور وہ اریس' بصّہ' بضاعۂ رومہ' غرس اور بئر حاء تھے' پھر کہا کہ یہ کنوئیں چھ تھے اور ساتویں کا آج کل علم نہیں ہے پھر بئر جمل میں وہ کچھ بتایا جو نقل کر دیا گیا۔ پھر کہتے ہیں کہ میں نے حاشیہ پر شیخ امین الدین بن عساکر کا لکھا ہوا دیکھا کہ یہ گنتی مشہور کنوؤں میں سے ایک کو کم کرتی ہے کیونکہ ثابت تو چھ ہیں جبکہ روایات میں سات مشہور ہیں اور ساتویں کا نام بئر العہن تھا یہ بالائی جگہ پر تھا جس پر آج کل کھیتی باڑی ہوتی ہے اور اس کے نزدیک بیری کا درخت تھا' آج کل اس کا کوئی اور نام مشہور ہے۔

علامہ مطری اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ بئر العہن مدینہ کی بالائی طرف مشہور کنواں ہے' یہ بہت نمکین ہے اور پہاڑ میں کھدا ہوا ہے اور اس کے نزدیک بیری کا درخت ہے۔ علامہ زین مراغی کہتے ہیں کہ آج کل بیری کا درخت کاٹا جا چکا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ انہوں نے ایسی کوئی روایت نہیں لکھی جس سے اس کی فضیلت ثابت ہو اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت کا پتہ چل سکے لیکن لوگ تو اسے متبرک جانتے چلے آئے ہیں اور جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے' یہ بئر الیسرہ ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے' نبی کریم ﷺ اس پر تشریف لے گئے' وضو فرمایا اور اس میں تھوکا تھا کیونکہ ''یسرہ'' انصار میں سے بنو امیہ کا کنواں تھا جو ان کے گھروں میں واقع تھا اور بئر العہن ان کے گھروں کے نزدیک تھا' ابن عساکر نے اس کے اور نام کا اشارہ کیا ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ وہی مذکور نام ہے۔ واللہ اعلم۔

بئر غرس

عین پر پیش ہے اور یونہی اہلِ مدینہ کی زبانوں پر رواں ہے۔ اسے ''اغرس'' بھی کہتے ہیں۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ بیر الغرس' غین پر زبر اور راء پر سکون ہے' غرس' کھجور کے پودے کو کہتے ہیں یا وہ درخت جسے اُگنے کے لئے گاڑ دیا جائے' یہ غَرَسَ الشَّجَرَ کی مصدر ہے' وہ کہتے ہیں کہ کچھ نے اس پر حرکتیں لگائی ہیں غرس جیسے سَحَر اور میں نے بہت سے اہلِ مدینہ سے سنا کہ غین پر پیش پڑھتے ہیں۔ مجد کہتے ہیں کہ صحیح طریقہ جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا' وہی ہے جو میں پہلے بتا چکا کہ غین پر زبر ہے۔

یہ وہ کنواں تھا جو مسجد قباء کی مشرقی جانب تھا' شمالی جانب نصف میل کے فاصلے پر' یہ باغ میں تھا' غرس کے مکان کی بناء پر اس کا ٹھکانہ معلوم ہوتا ہے اور اس کے اردگرد کا پتہ چلتا ہے۔ مجد بتاتے ہیں کہ اس کے گرداگرد بنو حنظلہ کی قبریں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ بنو حنظلہ کہنا غلطی ہے کیونکہ وہاں تو بنو خطمہ رہتے تھے اور بئر سقیا میں گذر چکا ہے حضور ﷺ کے غلام رباح الاسود آپ کے لئے ایک مرتبہ بئر غرس سے پانی لائے اور ایک مرتبہ بیوتِ سقیا سے اور ابن حبان کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا' مجھے بئر غرس کا پانی لا کر دو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے دیکھا تھا کہ یہاں سے پانی پیا اور وضو فرمایا اور سننِ ابن ماجہ کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے بئر غرس کی سات مشکوں کے پانی سے غسل دینا' یہ قباء میں تھا اور آپ نے اس سے پانی پیا تھا۔

یحییٰ کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ اے علی! میں فوت ہو جاؤں تو مجھے بئر غرس کی سات مشکوں سے غسل دینا جن کے منہ کھولے نہ گئے ہوں۔

ابن سعد کے مطابق طبقات میں حضرت ابو جعفر باقر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو بیری کے پتوں کے اُبلے پانی سے تین مرتبہ غسل دیا گیا' قمیص گلے میں تھی اور پانی اس کنوئیں سے لایا گیا جسے غرس کہتے تھے' یہ قباء میں حضرت سعد بن خیثمہ کے قبضے میں تھا' آپ نے اس سے پانی پیا تھا۔

ابن شبہ ہی سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سعد بن خیثمہ کے کنوئیں سے غسل فرمایا تھا' اسی سے حضور ﷺ کے لئے پانی لے جایا گیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ سعد بن خیثمہ کے کنوئیں سے لے جایا گیا جو قباء میں تھا اور اسے غرس کہتے تھے' آپ اس سے پانی پیتے پھر ابن شبہ ہی کے مطابق سعید بن رقیش نے بتایا کہ حضور ﷺ نے بئر غرس سے وضو فرمایا اور بچا ہوا پانی اس میں ڈال دیا۔

ابنِ زبالہ کے مطابق حضرت عبد الرحمٰن رقیش کہتے ہیں کہ قباء میں ہمارے پاس حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور پوچھا: تمہارا یہ کنواں یعنی بئر غرس کہاں ہے؟ ہم نے اشارہ کیا۔ راوی کہتے ہیں' میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے' گدھے پر زین تھی اور سحری کا وقت تھا' آپ نے اس میں سے ایک ڈول پانی منگوایا' اس سے وضو فرمایا اور باقی اس میں ڈال دیا اور پھر وہ سوکھا نہیں۔

حضرت ابراہیم بن اسماعیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آج رات میں نے دیکھا کہ صبح کے وقت جنت کے کنوئیں پر تھا اور میں بئر غرس پر ہوں۔ آپ نے اس سے وضو فرمایا اور اس میں تھوکا' پھر آپ کو شہد کا عطیہ دیا گیا تو آپ نے کنوئیں میں ڈال دیا اور جب آپ کا وصال ہوا تو اسی کے پانی سے غسل دیا گیا۔

حضرت مجد کہتے ہیں' حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا' رسول اللہ ﷺ نے اس وقت فرمایا جب آپ بئر غرس کی منڈیر پر تھے کہ "آج رات میں نے خواب دیکھی کہ جنت کے چشمے پر بیٹھا ہوں" یعنی بیر غرس پر۔

حضرت سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' رسول اللہ ﷺ کے پاس شہد لایا گیا' آپ نے پیا اور کچھ لے کر فرمایا یہ میں بئر غرس کے پانی کے لئے لے رہا ہوں اور پھر وہ کنوئیں میں ڈال دیا پھر اس میں تھوک بھی دیا اور جب آپ کا وصال ہوا تو اسی کے پانی سے آپ کو غسل دیا گیا۔

میں کہتا ہوں' چوتھے باب کی دسویں فصل کی ابتداء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنواں مسجد قباء کے قریب تھا اور حضور ﷺ نے قباء میں آتے ہی اس کے قریب ایک جگہ پر اونٹنی کو بٹھایا تھا اور پھر ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہ بتانا ایک غلطی ہے کیونکہ یہ کنوئیں کے بارے میں ہونے والی بات کے مخالف ہے۔

ابن نجار نے لکھا کہ اس کنوئیں اور مسجد قباء کے درمیان آدھے میل کی مسافت تھا' یہ کنواں صحراء کے درمیان تھا جسے سیلاب نے نقصان پہنچایا اور اسے بند کر دیا گویا اس میں سبز پانی تھا البتہ میٹھا اور ستھرا تھا اور اس کی خوشبو ملی جلی تھی۔ ابن نجار کہتے ہیں کہ میں نے اس کی پیمائش کی تو اس کی گہرائی سات ہاتھ جن میں سے دو ہاتھ پانی تھا اور چوڑائی دس ہاتھ تھی۔

علامہ مطری لکھتے ہیں کہ آج کل یہ کنواں ایک اہلِ مدینہ شخص کی ملکیت ہے' یہ خراب ہو گیا تھا' اسے دوبارہ ۷۰۰ھ کے بعد نئے سرے سے درست کیا گیا' اس میں پانی بہت تھا اور اس کی چوڑائی دس ہاتھ تھی جبکہ گہرائی اس سے زیادہ تھی' پانی پر سبز رنگ غالب تھا لیکن پانی ستھرا اور میٹھا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ مطری کے بعد یہ پھر خراب ہو گیا چنانچہ اسے اور اس کے گرد کی زمین ہمارے ساتھی شیخ علامہ خواجا حسین بن جواد محسن خواجگی شیخ شہاب الدین احمد قاوانی نے اسے خرید لیا' اسے تعمیر کیا' اس کے اردگرد باغیچہ لگا دیا اور اس میں سیڑھیاں لگا دیں کہ باغ کے باہر اور اندر سے اس میں داخل ہو سکتے تھے نیز اس کی ایک جانب خوبصورت مسجد بنوا دی اور یہ سب کچھ وقف کر دیا' یہ واقعہ ۸۸۲ھ کا ہے۔

بئر القراصہ

اسے ابن نجار اور ان کے بعد کے مؤرخین نے ذکر کیا اور نہ ہی میں نے کسی جگہ اسے دیکھا ہے۔ شاید یہ لفظ قاف اور راء کے ساتھ ہے اور کچھ نے اسے عین کے ساتھ لکھا ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب میرے والد عبد اللہ بن عمرو بن حرام شہید ہوئے تو میں نے ان کے قرض خواہوں کو قرضہ کے بدلہ میں قراصہ' جڑوں اور پھل سمیت پیش کیا' انہوں نے لینے سے انکار کر دیا' انہوں نے کہا کہ اس کی قیمت لگا دو اور باقی قرض الگ دیدو۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی تو آپ نے فرمایا' ابھی رہنے دو' جب تو مجھے آکر اطلاع دے دینا اور حضور ﷺ کو اطلاع دی' آپ اپنے کچھ صحابہ کو لے کر نکلے اور کنوئیں میں تھوکا اور دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حضرت عبد اللہ بن عمرو کا قرض اتار دے' پھر فرمایا اے جاؤ اور ان قرض خواہوں کو بلا لاؤ اور ان سے شرط کر لو' انہیں یہاں لے آؤ اور اپنا قرض اتار لو' حضرت جابر گئے' ان سے اور کہا آؤ کہ میں تمہارا قرض اتار دوں۔ بڑی قرض خواہ یہودی تھے' انہوں نے آپس میں بات چیت کی کیا تم رسول اللہ کے ساتھی اور ساتھی کے بیٹے سے تعجب نہیں کرتے' انہوں نے ہمیں جڑیں اور پھل تک دینے کو کہا تو ہم نے انکار کر دیا اور اب اس کا گمان ہے کہ صرف پھل سے ہمارا قرض اتار دے گا۔ وہ قرض خواہوں کو لے آئے اور ان کا سارا قرضہ اتار دیا اور پھر اتنا ہی بچ گیا جتنا ہر سال بچا کرتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ کنواں ناپید ہے البتہ اتنا معلوم ہے کہ یہ مسجد حربہ کی کسی جانب تھا جو مساجد فتح کی غربی جانب تھا کیونکہ پہلے بیان ہو چکا کہ یہ قراصہ کی پچھلی طرف تھا' اس کی تائید بخاری کی ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت جابر کی رومہ کے راستے میں زمین تھی اور یہ جانب بھی رومہ کے راستے میں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ میرے والد ایک یہودی کے مقروض تھے' فرمایا میں انشاء اللہ ہفتے کے دن آؤں گا' یہ کھجوروں کا موسم تھا اور نئے درخت لگائے جا رہے تھے۔ جب ہفتہ کی صبح ہوئی تو رسول اللہ میرے پاس تشریف لائے اور جب اراضی میں تشریف لے گئے تو زبیح کے پاس پہنچے' وضو فرمایا اور پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نفل پڑھے پھر میں آپ کو اپنے ضمیہ کے پاس لے گیا اور کمبل بچھا دیا۔ واللہ اعلم۔

بئر القريصة

کسی مؤرخ نے اس کی حرکتیں وغیرہ نہیں بتائیں' میرا خیال ہے کہ یہ قاف اور صاد کے ساتھ ہے اور اسم تصغیر ہے۔ حضرت سعد بن حرام اور حارث بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قریصہ میں موجود بئر حارثہ سے وضو فرمایا یا پانی پیا اور اس میں تھوکا تھا۔ اس میں آپ کی انگوٹھی گر گئی تو اسے نکال لیا گیا۔ پھر اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ انگوٹھی بئر اریس میں گری تھی۔

میں کہتا ہوں کہ اس کنوئیں کا آج کل کوئی علم نہیں ہاں مدینہ کی مشرقی جانب قراصہ کے قریب ایک کنواں تھا جسے قُرَیْصَہ کہتے تھے' اگر یہی شکل ثابت ہو جاتی ہے تو پھر یہی کنواں مراد ہے۔

بئر اليسرة

یہ لفظ یُسر بمعنیٰ آسانی سے لیا گیا ہے اور عُسر بمعنی تنگی کے مقابلے میں ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت حارثہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انصار میں سے بنو امیہ کے کنوئیں کا نام ''یسرۃ'' رکھا تھا' آپ نے اس سے وضو فرمایا اور اس میں تھوکا تھا۔

ابن سعد کے مطابق حضرت عمر بن سلمہ کہتے ہیں کہ ابو سلمہ بن عبد الاسد کہتے ہیں جب آپ فوت ہوئے تو انہیں ''یسرۃ'' کے پانی سے غسل دیا گیا' یہ مدینہ کی بالائی جانب بنو امیہ بن زید کا کنواں تھا' قباء سے آتے ہوئے آپ وہاں ٹھہرتے۔ دورِ جاہلیت میں اس کا نام ''عسرۃ'' تھا' حضور ﷺ نے اس کا نام یسرہ رکھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ کنواں غیر معلوم ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بئر العہن ہے کیونکہ ہم بتا چکے ہیں۔

ہم نے تلاش کی تو یہ کنوئیں بیس تک پہنچتے ہیں لیکن مشہور سات ہیں' اسی لئے امام غزالی نے الاحیاء میں سات کا ذکر کیا ہے' وہ کہتے ہیں: اسی وجہ سے ان کنوؤں کا قصد کیا جاتا ہے جن سے حضور ﷺ نے وضو فرمایا' نہایا اور پھر پیا' یہ سات کنوئیں تھے جن کے پانی سے شفاء ملتی اور حضور ﷺ کی وجہ سے اسے متبرک سمجھا جاتا۔ انتہیٰ۔

الاحیاء کی احادیث بتاتے ہوئے حافظ عراقی کہتے ہیں: یہ سات کنوئیں تھے جن کی طرف اشارہ کر دیا گیا: بئر اریس' بئر حاء' بئر رومہ' بئر غرس' بئر بضاعہ' بئر بصہ اور بئر السقیا یا بئر العہن یا بئر جمل' ساتویں کنوئیں کے لئے انہوں نے تین نام دئے' پھر جیسے ہم نے بیان کیا' انہوں نے ان کے فضائل بتائے البتہ بئر العہن کے بارے میں کچھ نہیں لکھا کیونکہ اس کا نام مشہور نہیں اور پھر کہا کہ مدینہ میں سات کنوئیں مشہور ہیں۔

دارمی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ حضور ﷺ نے مرضِ وصال میں فرمایا تھا کہ مجھ پر مختلف کنوؤں کے پانی کے سات مشکیزے ڈالو۔

میں کہتا ہوں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان سات کنوؤں کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں کہ اس سے وہی مراد

ہیں جبکہ اہلِ مدینہ کے نزدیک ساتواں بئر العہن ہی تھا اور یہی وجہ ہے کہ ابو الیمن بن زین مراغی کے بھائی علامہ ابو الفرج ناصر الدین مراغی نے ہمیں یہ اشعار سنائے:

"جب تم مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے سات کنوؤں کی طرف جانے کا ارادہ کرو تو انہیں غفلت کیے بغیر سات تک گن جاؤ' بئر اریس' بئر غرس' بئر رومہ' بئر بضاعۃ' بئر بُصّہ' بئر حاء اور بئر العہن۔"

تتمّہ

اس میں اس چشمے کا بیان ہے جو حضور ﷺ کی طرف منسوب تھا پھر ان چشموں کا ذکر جو ہمارے دور میں موجود ہیں اور کچھ اور چشموں کا ذکر۔

کھفِ بنو حرام کا کھال (نالہ)

ابن شبہ کے مطابق حضرت عبد الملک بن جابر بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس چشمے سے وضو فرمایا جو کہف بنو حرام کے پاس تھا' وہ کہتے ہیں' میں نے اپنے ایک بزرگوار سے سنا کہ حضور ﷺ اس غار میں داخل ہوئے تھے۔

ابن نجار نے حضور ﷺ کے کھال (نالہ) کا ذکر کرتے ہوئے طلحہ بن حراش کی روایت لکھی' کہتے ہیں: جنگ خندق کے دوران صحابہ کرام حضور ﷺ کو لے جا کر بنو حرام کی غار میں چھپا دیتے کیونکہ رات کو خطرہ ہوتا تھا' آپ اسی میں رات گذارتے' صبح ہوتی تو نیچے تشریف لے آتے' حضور ﷺ نے کہف کے نزدیک چشمہ کھدوایا جو آج تک چل رہا ہے۔

میں کہتا ہوں' ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ کنواں یا کھال مدینہ کے ظاہری کھلے حصے میں تھا' اس پر تعمیر موجود تھی اور یہ مصلّٰی کے سامنے تھا۔

حضرت مطری اس کے بعد لکھتے ہیں' رہی وہ غار تو وہ مشہور ہے جو سلع پہاڑ کے مغرب میں ہے اور قبلہ کے راستے مسجد فتح کو جاتے ہوئے داہنی طرف ہے اور مدینہ کی طرف جاتے ہوئے بائیں ہاتھ کو قبلہ کے سامنے ہے' اس کے مقابلے میں ایک باغ ہے جو غنیمیہ کے نام سے مشہور تھا یعنی وہی باغ جو نقیبیہ کے نام سے جانا جاتا ہے' وادیٔ بطحان کے درمیان میں سلع پہاڑ کی غربی جانب ہے۔ مطری مزید کہتے ہیں کہ اسی وادی میں ایک نالا (کھال) تھا جو مدینہ کی بالائی طرف سے آتا تھا جس کا پانی مسجد کے اردگرد کے کھیتوں کو سیراب کرتا تھا' اسے "عینِ خیف شامی" کہتے ہیں نیز اس جانب کو "سیح" کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ مساجد فتح میں اس غار کے بارے میں وضاحت گذر چکی اور بتایا جا چکا کہ پہاڑ میں اس کی کھدائی کے نشان موجود ہیں۔ وہ کھال (نالا) خیف جسے مطری نے ذکر کیا ہے' آج کل جاری نہیں ہے بلکہ یہ بند پڑا ہے

البتہ اس کا راستہ معلوم ہے اور ابن نجار نے خندق کے بارے لکھتے ہوئے بتایا کہ یہ قباء کی طرف سے آتا تھا اور اس کی جڑ قباء کے مغرب میں تھی' اسے متولی جناب شمسی بن زمن نے جاری کرنے کی کوشش کی' اس کی صفائی کی لیکن جاری نہ ہو سکا۔

حضرت مطری کہتے ہیں' رہا وہ چشمہ جس کے بارے میں ابنِ نجار نے ذکر کیا کہ وہ مصلّٰی کے سامنے ہے تو وہ عین الازرق ہے' اسے مروان بن حکم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے بنوایا تھا' تب وہ مدینہ کا گورنر تھا' چشمہ (نالہ) کی ابتداء مسجد قباء کے مغرب میں واقع باغ میں موجود بڑے کنوئیں سے ہوتی تھی اور وہ مصلّٰے کی طرف جاتا تھا' وہاں اس پر بڑا گنبد تھا' یہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا تھا' پانی قبلہ اور شمالی جانب جاتا تھا۔ یہ چشمہ مشرق سے نکل کر شمال کی جانب چلتا تھا۔

رہا وہ چشمۂ نبی جس کا ذکر ابنِ نجار نے کیا ہے تو آج اس کا کچھ پتہ نہیں' پہلے موجود تھا' آج وہ ختم ہو چکا اور اس کے نشانات مٹ چکے' یہ غار کے قریب تھا۔

میں کہتا ہوں' ابن نجار کا مقصد یہ ہے کہ یہ غار سے شروع ہوتا تھا اور اس مقام کی طرف جاتا تھا جہاں مصلّٰی کے قریب اس پر عمارت ہے۔ ابن نجار سے ابنِ جبیر نے اپنے سفرنامے میں موافقت کی ہے چنانچہ انہوں نے کہا: مدینہ کی حفاظتی دیوار تک پہنچنے سے پہلے مغربی جانب تھوڑی دور جا کر تم خندق پر پہنچو گے' اس کے اور مدینہ کے درمیان راستہ کی دائیں طرف وہ چشمہ ہے جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہے' اس پر گول ڈاٹ بنی ہے' وہ مستطیل حوض دکھائی دیتا ہے' کھال کا منبع اس حلقے کے درمیان ہے جیسے مستطیل حوض ہوتا ہے' اس کے نیچے حلقے کی لمبائی جتنے پینے کے تالاب ہیں' پانی کی ہر جگہ اور حوض کے درمیان دو دیواریں ہیں' نیچے پچیس سیڑھیاں اُترتی ہیں' یہ لوگوں کے نہانے' پینے اور کپڑے دھونے کے لئے بنائے گئے ہیں اور حوض سے صرف پانی پیا جاتا ہے تاکہ محفوظ رہ سکے۔ انتہٰی حضرت مجد کہتے ہیں کہ شاید ابن نجار کو عین الازرق اور عین النبی ﷺ میں مغالطہ لگا ہے۔

میں کہتا ہوں' ان کا اور ابن نجار کا اس پر اتفاق ہو تو یہ شبہ ختم ہو جاتا ہے بلکہ احتمال یہ ہے کہ عین النبی ﷺ اس جگہ تک جاری رہا ہو اور یونہی عین ازرق بھی' پھر پہلا کٹ گیا اور دوسرا یعنی عین الازرق باقی رہ گیا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ امیر سیف الدین حسین بن ابو الھیجاء نے ۵۶۰ھ میں اس سے ایک کھال نکالا اور باب مصلّٰے سے باب مدینہ تک لے گیا اور پھر وہاں سے اس میدان تک لے گیا جو باب السلام کی طرف مسجد نبوی تک پھیلا ہوا تھا یعنی مدرسۂ زمنیہ کے سامنے تک' آج وہاں مدینہ کا بازار ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ انہوں نے گھروں کے نیچے سے ایک گھاٹ بنایا اور سیڑھیاں بنائیں' وہاں سے اہلِ مدینہ پانی پیتے اور زمین کے بیچوں بیچ مدینہ کے درمیان بلاط نامی جگہ کی طرف نالی بنائی' وہ بلاط جسے آج کل سوقِ عطارین کہتے ہیں اور اس کے قریب قریب مدینہ کے اشراف امیروں کے گھر تھے وہ شمالی جانب سے مدینہ کے باہر قلعہ کی مشرقی جانب نکلتا تھا جس قلعہ میں مدینہ کا امیر رہتا تھا۔

وہ کہتے ہیں کہ اسی سے ایک شاخ صحن مسجد میں لائے، وہاں گھاٹ بنایا، پانی فوارے سے اس کی طرف نکلتا اور ضرورت مند وہاں سے وضو کرتے اور اس سے مسجد نبوی پر آنے والا حرف ختم ہوا کیونکہ وہاں بے پردگی ہوتی تھی اور مسجد میں استنجاء ہوتا تھا لہٰذا اسے بند کر دیا گیا۔

میں کہتا ہوں، پانچویں باب کی اکتیسویں فصل میں ابن نجار کی طرف سے مسجد کے حوضوں کے ذکر میں گذر چکا ہے کہ یہ گھاٹ ایک شامی امیر نے بنایا تھا جس کا نام شامہ تھا۔

پھر مطری نے مصلّے والے قبہ سے شام کی طرف جانے والی نالی کے اوصاف بیان کئے اور کہا: اور جب وہ نالی مصلّے والے قبہ سے نکل کر شمالی جانب جاتی ہے اور حفاظتی دیوارِ مدینہ تک پہنچتی ہے تو نیچے کی طرف دو راستوں سے ایک اور گھاٹ کی طرف پہنچتی ہے اور وہ جگہ امیر کے قلعے کے صحن کے قریب ہے پھر وہ مدینہ کے باہر آ نکلتی ہے تو دونوں وہاں اکٹھی ہو جاتی ہیں جہاں حاجی آ کر ٹھہرتے ہیں یعنی شامی حاجی اور یہ وہی ہے جو پہلے باب اثرب کے بیان میں گذری، حاجی لوگ اسے ''عیونِ حمزہ'' کہتے ہیں کیونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ یہ شہیدوں کا چشمہ ہے اور حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے آتا ہے حالانکہ ایسا ہے نہیں، وہ تو صرف قباء کے اس کنوئیں سے آتا ہے جو جعفریہ نامی باغ کے نام سے مشہور ہے اور جب ''مشہدِ نفسِ زکیہ'' اور ''ثنیۃ الوداع'' سے گذرتا ہے تو سلع کی شامی جانب سے مسجد الرایہ کے ہاں سے گذرتا ہے، وہاں اس کا ایک اور گھاٹ ہے پھر وہ مغربی جہت کی طرف چلتا ہے اور پھر ان دو پہاڑوں کے مغرب سے گذرتا ہے جو مساجد فتح کے مغرب میں ہیں اور یونہی وہ بڑے جوہڑ میں پہنچ جاتا ہے، اسی جگہ کو برکت کہتے ہیں۔ وہاں کھجور کے بہت سے درخت کاشت کئے ہوئے ہیں اور آج کل یہ امراءِ مدینہ کے قبضے میں ہیں نالیوں کی کھدائی وہاں سے ظاہر ہوتی ہے جہاں کا ہم بتا چکے، یہ شہداء کی جانب ہرگز نہیں گزرتیں چنانچہ شہداء والی نالی اور یہ الگ الگ ہیں، یہی وہ نالی ہے جو اس روایت میں مراد ہے جو پانچویں باب کی ساتویں فصل کے اندر شہداءِ اُحد کی قبروں کے ذکر میں بذریعہ حضرت جابر مذکور ہے، وہ کہتے ہیں: جب حضرت معاویہ نے نالی کھدوائی تو شہداءِ اُحد کے بارے میں ہمیں بلایا گیا، تو یوں یہ دونوں نالیاں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہوئیں، عین الشہداء کہلائیں اور وہ آج تک موجود ہیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ ان کا جوہڑ اس مسجد کے پاس ہو جو شہادت گاہِ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب ہے، امیر نے اسے از سرِ نو بنایا لیکن وہ پھر خراب ہو گئی، اس کا اصل بالائی جانب سے تھا چنانچہ علامات سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

بدر بن فرحون حضرت نور الدین شہید کے حالات میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے وہ نالا جاری کیا جو اُحد پہاڑ کی نچلی جانب تھا، میرا خیال ہے کہ یہ وہی ''عین الشہداء'' ہے کیونکہ جو نالا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاری کیا تھا وہ وادی کے اندر تھا جو ختم ہو چکا لیکن اس کے آثار اب تک باقی ہیں۔ انتہٰی اور وہ نالا جو آج کل ''عین الازرق'' کے نام سے مشہور ہے اسے لوگ ''زرقاء'' کہتے ہیں۔ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ مروان نے اسے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے بنوایا تھا اور وہ نیلگوں آنکھوں والا تھا لہٰذا اسے ازرق کہتے تھے۔

یہ ایک عجیب وغریب بات ہے جسے منورتی نے فضائل طائف میں بدر شہابی کے حوالے سے لکھا' انہیں پتہ چلا کہ طائف کے نالے میں ایک لوٹا گر گیا اور وہ مدینہ میں موجود نالے سے آ نکلا۔

یہ ذکر بھی ملتا ہے کہ مدینہ اور اس کے اردگرد بہت سے نالے تھے جو نبی کریم ﷺ کے بعد نئے بنے تھے' ان کا انتظام حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتے تھے' اسی وجہ سے مدینہ کی اراضی پر ٹیکس کافی لگے تھے۔

فصل نمبر۲

حضور ﷺ کا صدقاتی مال' ان درختوں کا ذکر جو آپ نے خود لگائے

حضور ﷺ کے احوال وصدقات کے بارے میں ابن شبہ' حضرت ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں: حضور ﷺ کے صدقات مخیرّیق یہودی کے لئے تھے۔

حضرت عبدالعزیز کہتے ہیں کہ یہ صدقات بنو قینقاع کا بقایا تھے پھر ابن شہاب کی حدیث کو ترجیح دی اور کہا: مخیرّیق نے وصیت کی کہ میرا مال حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے' یہ جنگ اُحد میں شامل ہوئے اور شہید ہو گئے تھے' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مخیرّیق یہودیوں میں سے پہلے اسلام لائے' مسلمان' ایرانیوں میں سب سے پہلے اسلام لائے اور بلال حبشیوں میں سے پہلے اسلام لائے۔

صدقاتِ رسول اللہ ﷺ کے نام اور مقامات

ابن شبہ کہتے ہیں کہ حضرت مخیرّیق کے وہ احوال جو حضور ﷺ کے قبضہ میں آئے' ان کے نام دلال' برقہ' اعواف' صافیہ' میثب' حسنیٰ اور مشربہ' اُمِ ابراہیم تھے۔ رہا صافیہ' برقہ' دلال اور میثب تو یہ اراضی مروان بن حکم کے محل کی پچھلی طرف تھی جسے مہزور ندی کا پانی سیراب کرتا تھا اور رہی اُمِ ابراہیم والی اراضی تو اسے بھی وادیٔ مہزور کا پانی لگتا تھا۔ جب تم یہودیوں کی توراۃ پڑھنے کی جگہ پہنچو تو وہاں ابو عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ اسدی کی اراضی تھی' وہاں مشربہ' اُم ابراہیم اس کے پہلو میں تھی۔ اس کے بعد ابن شبہ نے مشربہ' اُم ابراہیم کہنے کی وجہ بیان کی جس کا ذکر ہم مساجد میں کر چکے ہیں۔

پھر ابن شبہ بتاتے ہیں کہ ''حسنیٰ'' کو بھی وادی مہزور سیراب کرتی تھی' یہ قُف کی جانب تھی۔ رہی اطواف کی اراضی تو اسے بھی مہزور کا پانی لگتا تھا' یہ بنو محرم کی پیش کردہ تھی۔

ابن شبہ کے مطابق ابو غسان کہتے ہیں کہ آپ کے صدقات میں اختلاف ہے' کچھ کہتے ہیں کہ بنو قریظہ اور نضیر کے مال تھے۔

حضرت جعفر کے والد کہتے ہیں کہ صدقۂ دلال' بنو نضیر کی ایک عورت کا تھا' اس نے حضرت سلمان فارسی کو دے رکھا تھا اور عہد لیا تھا کہ اسے قابلِ بنا دو تو تم آزاد ہو' نبی کریم علیہ السلام کو پتہ چل گیا' آپ اس عورت کے پاس گئے اور ایک مقام پر بیٹھ گئے۔ حضرت سلمان کھجور کے درخت لاتے اور آپ لگاتے جاتے۔ آخر کار انہوں نے پھل دینا شروع کر دیا۔

وہ کہتے ہیں' ظاہر یہ ہے کہ یہ اراضی بنو نضیر کی تھی اور اس پر دلیل یہ ہے کہ انہیں وادئ مہزور سیراب کرتی تھی جس کے بارے میں ہر ایک کو معلوم تھا کہ بنو نضیر کی اراضی کو سیراب کرتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بات محلِ نظر ہے کیونکہ مشہور یہ ہے کہ بنو نضیر' مذینب تھے اور مہزور' بنو قریظہ کے قبضہ میں تھی۔ پھر ابن شبہ کہتے ہیں کہ ہم نے واقف کاروں سے سنا کہ برقہ اور میثب' زبیر بن باطا کے قبضہ میں تھیں' انہیں حضرت سلمان نے گاڑا تھا' یہ اموال بنو قریظہ سے لیا ہوا مال تھا۔ اعواف کی اراضی' خنافہ یہودی کی تھی جو بنو قریظہ میں سے تھا۔ اللہ ہی جانے کہ اس میں سے کون سی بات سچی ہے۔

حضور علیہ السلام کی وقف کردہ اراضی

ابن شبہ کے مطابق واقدی لکھتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے اعواف' برقہ' میثب' دلال' حسنیٰ' صافیہ اور مشربۂ اُم ابراہیم ۷ھ کو وقف کیں۔

واقدی کے مطابق ضحاک بن عثمان حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا: یہ سات قسم کی اراضی بنو نضیر کا مال تھا۔

وہ کہتے ہیں کہ مخیّریق نے یومِ اُحد پر کہا: اگر میں ہلاک ہو جاؤں تو میری یہ اراضی حضرت محمد علیہ السلام کو پیش کر دینا' وہ جہاں چاہیں اسے استعمال کریں' یہ اللہ کی مرضی پر موقوف ہے تو یہ حضور علیہ السلام کے صدقات تھے پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ بنو نضیر کے اموال میں سے تھے' حضور علیہ السلام جب اُحد سے واپس آئے تو مخیّریق کی یہ اراضی تقسیم فرما دی۔

علامہ مجد کے مطابق واقدی کہتے ہیں کہ یہ مخیّریق بنو نضیر کے ایک بڑے عالم تھے' حضور علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور اپنی اراضی کے سات پلاٹ حضور علیہ السلام کو پیش کر دیئے۔ اوقافِ خصاف میں واقدی کا قول ہے کہ مخیّریق اسلام نہیں لایا تھا' وہ یہودی قاتل تھا' مرا تو مسلمانوں کے قبرستان کی ایک جانب دفن کر دیا گیا اور اس کا جنازہ نہ ہوا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی اراضی مخیّریق یہودی کی دی ہوئی تھی' اُحد کا دن آیا تو اس نے یہودیوں سے کہا کیا تم محمد علیہ السلام کی مدد نہیں کرو گے؟ بخدا' ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج ہفتہ کا دن ہے۔ مخیّریق نے کہا' ہفتہ تمہارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا' پھر تلوار سونتی اور نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ چل دیا' خوب جنگ کی اور آخر کار زخمی ہو گیا' فوت ہونے لگا تو کہا: میری اراضی' محمد علیہ السلام کی ہے' وہ جہاں چاہیں' استعمال کر لیں۔

عبدالحمید کہتے ہیں کہ مخیریق بڑے مالدار تھے' یہ سب اراضی حضور علیہ السلام کی ہو گئی' رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مخیریق یہودیوں میں سے بہتر شخص ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ یہ اراضی دلال نامی تھی اور گذشتہ تمام اراضی کا ذکر کیا البتہ اعواف کی جگہ انہوں نے ''عواف'' لکھا۔

انصار کے بزرگوار نے کہا کہ حضور علیہ السلام کے پاس بنونضیر کا مال تھا۔

حضرت عثمان بن کعب کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی اراضی میں اختلاف ہے چنانچہ کچھ نے کہا کہ یہ اراضی بنو قریظہ اور بنونضیر کی تھی' پھر کہتے ہیں کہ اس میں بنونضیر کا کوئی حصہ شامل نہ تھا' بنونضیر کی ساری اراضی مہاجرین کو دیدی گئی تھی۔ پھر کہا کہ برقہ اور میثب' زبیر بن بطا کی تھی۔

کچھ کا خیال ہے کہ دلال نامی اراضی یہود میں سے بنوثعلبہ کا مال تھا اور مشربہ ام ابراہیم بنوقریظہ کا مال تھا جبکہ اعواف کا مال ریحانہ کے دادا خنافہ کا تھا۔ وہ کہتے ہیں' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اعواف' بنونضیر کی اراضی تھی۔

حضرت جعفر کے والد محمد کہتے ہیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنونضیر کے لوگوں میں تھے' انہوں نے معاہدہ لکھا کہ ان کے لئے کھجور کے اتنے درخت لگا دیں' اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا' ہر گڑھے میں درخت لگا دو' پھر وہ آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے اپنے ہاتھ سے درخت لگائے اور دُعا فرمائی' کوئی درخت ضائع نہ ہوا اور پھر یہ اراضی حضور علیہ السلام کا مال ہو گیا چنانچہ یہ میثب مال تھا جو مدینہ میں حضور علیہ السلام کا تھا۔

میں کہتا ہوں' اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ حضرت سلمان کا وہ باغ جس میں حضور علیہ السلام نے درخت لگائے تھے' وہ دلال والی اراضی تھی' کچھ کے نزدیک برقہ اور میثب والی اور کچھ کے ہاں صرف میثب تھی۔

احمد وطبرانی کے مطابق حضرت سلمان کی طویل حدیث میں ہے کہ ان درختوں نے اسی سال پھل دیا۔ پھر اسی روایت کے آگے بحوالہ حضرت سلمان لکھا کہ ایک یہودی نے (بنوقریظہ کا) اپنے چچا زاد سے وادیٔ قریٰ میں خریدا۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ مجھے مدینہ میں لے گیا' پھر اپنے اسلام کا واقعہ بتایا اور کہا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ ان سے معاہدہ لکھ لو چنانچہ میں نے اپنے آقا سے تین سو درخت لگانے اور چالیس اوقیہ سونا دینے کا معاہدہ لکھ دیا۔ حضور علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی امداد کرو چنانچہ انہوں نے میرے ساتھ درخت لگانے میں تعاون کیا اور جتنا کچھ کسی کے پاس تھا' مجھے دیا چنانچہ تین سو پورے جمع ہو گئے۔ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا' اے سلمان جاؤ اور ان کے لئے گڑھے کھودو' فارغ ہو کر میرے پاس آنا' میں اپنے ہاتھ سے لگا دوں گا' وہ کہتے ہیں کہ میں گڑھے کھودنے لگا' میرے ساتھ صحابہ نے تعاون کیا اور جب میں فارغ ہو گیا تو حضور علیہ السلام کو اطلاع دی' آپ میرے ساتھ وہاں تشریف لے گئے' ہم پودے آپ کے قریب رکھتے جاتے اور آپ اپنے ہاتھ سے لگاتے جاتے حتیٰ کہ سب درخت لگا کر فارغ ہو گئے تو اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں سلمان کی جان ہے' ان میں سے ایک پودا بھی بیکار نہیں گیا (سب اُگ آئے)۔ میں نے درخت لگانے کی شرط پوری کر دی' اب میرے ذمہ سونا تھا۔ اور پھر باقی روایت پوری کہہ دی۔

ابن عبد البر سے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بتاتے ہوئے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں یہودیوں سے اتنے درہم دے کر خریدا اور یہ شرط بھی تھی کہ اتنے درخت لگائیں گے۔ حضرت سلمان نے زمین تیار کر دی تو حضور ﷺ نے ایک درخت کے علاوہ سب درخت لگا دیئے' وہ درخت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لگایا تاہم اس درخت کے علاوہ سب درختوں کو پھل لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کس نے لگایا تھا؟ انہوں نے عرض کی' حضرت عمر نے! آپ نے اسے اکھاڑ کر دوبارہ لگایا تو اس نے اسی سال پھل دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ پھل نہ دینے والا درخت حضرت سلمان نے لگایا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ''فقیر'' وہ باغ تھا جو عالیہ میں بنوقریظہ کے قریب تھا لیکن ایک مؤرخ سے یہ بات پوشیدہ ہے لہٰذا ابن اسید الناس کے مطابق اس نے اسے ''فعفیر'' لکھا۔ انتہیٰ اور درست یہ ہے کہ یہ ایک جگہ کا نام تھا اور حضور ﷺ کی اراضی نہ تھی چنانچہ ابن شبہ نے کتاب صدقۃ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت حسن بن زید کے ہاتھ میں تھا' میں لکھا ہے: ''فقیر'' میرے لئے ہے جیسے تم جانتے ہو کہ یہ راہِ خدا کا صدقہ ہے' لیکن انہوں نے اخبارِ صدقات میں یہ لفظ ''فقیرین'' لکھا ہے چنانچہ کہا: مدینہ میں میرے صدقات ہیں' عالیہ میں فقیرین ہے اور قناۃ پر ''بئر الملک'' ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی نام اسی کے ہیں تاہم اہلِ مدینہ مفرد ہی بولتے ہیں یعنی فُقَیر جو فقیر کی تصغیر ہے۔

ابن زبالہ نے بھی یہ لفظ مفرد بولا ہے چنانچہ محمد بن کعب قرظی لکھتے ہیں کہ غاضر و برزتان کا کنواں حضور ﷺ نے اپنے مہمانوں کے لئے قبضے میں رکھا تھا' یہ کعب بن اسد کا تھا اور فقیر' عمر بن سعد کا تھا جسے حضرت علی بن ابو طالب نے لے لیا تھا۔

وہ کہتے ہیں کہ غاضر و برزتان حضور ﷺ کی بیویوں کے لئے وقف تھے' یہ بنونضیر کا مال تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بئر غاضر آج کل کسی کے علم میں نہیں جبکہ برزتان دو باغ ہیں جو عالیہ میں قریب قریب ہیں' ایک کو برزہ کہتے ہیں اور دوسرے کو بُریزہ اور ابن شبہ کے جس نسخہ کو میں نے دیکھا ہے اس میں ابوغسان کہتے ہیں' میں نے کسی سے سنا کہ بئر غاضر اور نوریتین حضور ﷺ کی بیویوں کے استعمال کے لئے تھے اور عالیہ میں یہ بنوقریظہ کی اراضی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بئر غاضر اس مال میں شمار ہوتا تھا جو بئر اریس میں حضرت عثمان کے مال میں شامل تھا۔ انتہیٰ۔ میرا خیال ہے کہ یہ لفظ نوریتین بولنا غلط ہے' صحیح لفظ برزتان ہی ہے جیسے ابن زبالہ لکھ چکے۔

صدقات کی حد بندی اور ان میں سے مشہور اراضی

رہا ان جگہوں کا بیان جہاں حضور ﷺ کی یہ اراضی (صدقات) واقع تھی تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ صافیہ' برقہ' دلال اور میثب اور صورین کی بالائی جگہ کے قریب تھیں' ان میں سے صافیہ تو آج کل وہاں مشہور ہے چنانچہ زین مراغی لکھتے ہیں کہ یہ مدینہ شریف کی مشرقی جانب زہرہ کی آبادی میں تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ اس لفظ کو زُہیرہ لکھتے ہیں

کیونکہ ان کے دور میں یونہی مشہور تھا حالانکہ یہ لفظ زھرہ ہے اور ''برقہ'' بھی مشہور اراضی ہے جو مدینہ کے جنوب مشرق میں تھی' وہ جگہ اسی نام سے مشہور تھی جیسے مراغی کہتے ہیں:

دلال: یہ ملیکی کے نزدیک صافہ کی طرف ایک مشہور جگہ تھی جو مدرسۂ شہابیہ کے فقہاء کے لئے وقف تھی۔

میثب: آج کل غیر معروف ہے' ان چاروں کے تعارف سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ چاروں مذکور قریبی جگہوں کے قریب تھیں اور شاید یہ برقہ کے قریب تھی کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ دونوں (دلال اور میثب) وہ جگہیں تھیں جن میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخت لگائے تھے اور یہ دونوں ایک ہی شخص کی تھیں۔

اعواف: یہ عالیہ کی طرف مربوع کے قریب ایک مشہور جگہ تھی جیسے اس سے پہلی فصل میں بئر اعواف کے بیان میں آ چکا۔

مشربۂ اُمِ ابراہیم: یہ بھی عالیہ میں مشہور جگہ تھی جیسے مساجد کے ذکر میں آ چکا۔

حسنیٰ: علامہ زین نے حاء پر پیش اور سین پر جزم پڑھی ہے اور نون کو زبر دی ہے۔ابن زبالہ کے مطابق اس کے بارے میں آج کوئی نہیں جانتا اور جو حاء کے بعد نون پڑھتا ہے (الحناء) وہ غلطی کرتا ہے۔آج کل یہی مشہور ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسے غلطی کہنا مشکل ہے کیونکہ میں نے اسے کئی جگہ دیکھا کہ حاء کے بعد سین اور اس کے بعد نون ہے۔ابن شبہ اور ابن زبالہ وغیرہ نے یونہی لکھا ہے اور اگر اس کے دور کے لوگ غلطی سے اسے حناء کہیں تو یہ غلط بنتا ہے کیونکہ آج کل حناء کے نام سے مشہور جگہ ماجشونیہ کی مشرقی جانب ہے' اسے وادیٔ مہزور کا پانی سیراب نہیں کرتا حالانکہ پہلے بتایا جا چکا کہ حسنیٰ کو وادیٔ مہزور کا پانی ملتا تھا اور وہ قُف میں تھی اور بیانِ قف میں آ رہا ہے کہ وہ حناء کی جانب نہ تھی اور ظاہر یہ ہے کہ حسینیات کے نام سے مشہور جگہ کا نام حسنیٰ ہے جو دلال کے قریب تھی کیونکہ دلال' قف کی طرف تھی اور اسے مہزور کا پانی سیراب کرتا تھا۔قف کے بیان میں اس کی تائید آ رہی ہے۔

یہ سات وہ مقام تھے جو نبی کریم ﷺ کے صدقات کہلاتے تھے۔میں زرین عبدری کے بتائے سے واقف نہیں جو انہوں نے قباء میں بویرہ نامی جگہ کے بارے میں کہا ہے کہ یہ صدقۂ نبی ﷺ تھا اور اس میں کھجور کا باغ تھا چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ جگہ مساکین کے لئے وقف رہی اور ان کے لئے وقف رہی جو عہد قریب میں وہاں سے گذرنے والے تھے پھر اس سرزمین پر ایک حاکم مدینہ نے اپنے لئے قبضہ کر لیا۔وہاں نضیر کا قلعہ تھا اور قریظہ کے قلعے بھی تھے۔انتہیٰ تاہم یہ قول دو وجہ سے مردود ہے:

(۱) گذشتہ ائمۂ کرام باوجودیکہ ان زمینوں کا خیال رکھتے تھے لیکن کسی نے بھی اسے حضور ﷺ کے صدقات میں شمار نہیں کیا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ یہ جو انہوں نے ذکر کیا ہے کہ اس جگہ قریظہ اور بنو نضیر کے قلعے تھے' یہ بات مردود ہے کیونکہ ان دونوں کے گھروں کے بیان میں اس کا ذکر کر چکے ہیں اور اس جگہ میں بھی بتا چکے ہیں جس کا ذکر

انہوں نے مسجد کے قبلہ سے لے کر جہت مغرب تک کی جگہ میں کیا ہے اور پھر ہم "بویرہ" کی وضاحت میں بتائیں گے کہ یہ جگہ وہ بویرہ نہیں جو بنونضیر کی طرف منسوب ہے۔ میرے خیال میں انہیں غلطی اس بناء پر لگی کہ انہوں نے اس جگہ کا نام بویرہ رکھ دیا اور صدقۂ نبی ﷺ اموال نضیر یا قریظہ میں سے تھے' یہ اختلاف پہلے آ چکا اور انہوں نے کہا کہ یہی مراد ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے والد کے صدقات کا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مطالبہ کیا

یہ وہ صدقات ہیں جن کا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مطالبہ کیا تھا اور یونہی اس حصے کا مطالبہ کیا تھا جو حضور ﷺ کو خیبر اور فدک سے ملا تھا۔

صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں بتایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مطالبہ کیا کہ انہیں ان کے والد کے مالِ غنیمت کے ترکہ میں سے حصہ دیں جس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے کہا: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہمارے مال کا وارث کوئی نہیں ہوتا' جو کچھ ہم چھوڑ جائیں' وہ صدقہ ہوتا ہے۔" اس پر حضرت فاطمہ خفا ہو گئیں اور حضرت ابوبکر سے کلام چھوڑ دی اور پھر اسی حال میں وصال فرما گئیں جبکہ حضور ﷺ کے بعد وہ چھ ماہ تک زندہ رہیں۔

حضرت عروہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ' حضرت ابوبکر سے اپنے والد کا ترکہ مانگتی رہیں جو خیبر' فدک اور مدینہ میں موجود مال سے تعلق رکھتا تھا لیکن حضرت ابوبکر انکار کرتے رہے' ان کا کہنا تھا کہ جو کام حضور ﷺ اپنی زندگی میں کرتے رہے' میں اسے چھوڑ نہیں سکتا کیونکہ مجھے فکر رہتی ہے کہ اگر میں نے وہ کام چھوڑ دیا تو بھٹکا ہوا شمار ہوں گا۔

رہا آپ کا مدینہ والا صدقہ تو حضرت عمر نے اسے حضرت علی اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سپرد کر دیا جبکہ خیبر اور فدک کا مالِ غنیمت تو وہ حضرت عمر نے روک لیا اور کہا کہ یہ حضور ﷺ کا مالِ صدقہ ہے' یہ دونوں مال وہ تھے جو ضرورت کے وقت آپ کے کام آتے۔

یہی روایت ابن شبہ نے ان الفاظ سے بیان کی ہے: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر کی طرف وہ مالِ وراثت تقسیم کرنے کا پیغام بھیجا جو انہیں مالِ غنیمت کے طور پر ملا تھا' حضرت فاطمہ اس وقت نبی کریم ﷺ کے مدینہ والے صدقہ' فدک اور خیبر کے پانچویں حصہ کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا' ہم جو کچھ چھوڑ جائیں' صدقہ کر دیا جاتا ہے' آلِ محمد اس مال میں سے کھا سکتی ہے اور میں بخدا رسول اللہ ﷺ کے اموال کی وہ حالت کبھی نہیں بدلوں گا جو آپ اپنی زندگی میں کرتے رہے' میں وہی معاملہ

کروں گا جو آپ کرتے رہے چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر وہ آپ پر خفا ہو گئیں' انہیں چھوڑا اور وصال تک کلام نہیں کی حالانکہ حضور علیہ کے بعد آپ چھ ماہ تک زندہ رہیں اور جب ان کا وصال ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں رات کے وقت دفن کر دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر تک نہیں دی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے' پھر ابن شبہ نے مختصر واقعہ بتایا اور اسی دوران کہا: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں چھوڑ دیا اور وصال تک اس مال کے بارے میں بات نہیں کی اور یونہی ترمذی نے اپنے ایک شیخ سے روایت کی کہ یہ جو سیّدہ فاطمہ نے حضرت ابوبکر وعمر سے کہا تھا کہ "میں تم دونوں سے بات نہیں کروں گی" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مالِ وراثت کے بارے میں بات نہیں کروں گی لہٰذا اس پر فھجرتہ (انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا) کا اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ اس سے وہ چھوڑنا مراد نہیں جو حرام ہوتا ہے بلکہ صرف ملاقات ترک کی تھی اور مدت بھی مختصر تھی کیونکہ وہ غم اور بیماری میں مبتلا رہیں اور پھر اس کی تائید بیہقی کی یہ روایت کرتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی عیادت کو گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ابوبکر آئے ہیں' اندر آنے کی اجازت مانگتے ہیں' انہوں نے حضرت علی سے کہا: آپ انہیں اجازت دینا پسند کریں گے؟ حضرت علی نے کہا' ہاں تو انہوں نے اجازت دیدی' وہ ان کے پاس پہنچے' راضی کرنے لگے چنانچہ وہ راضی ہو گئیں۔

رہا ان کی ناراضگی کا سبب' حالانکہ ابوبکر نے دلیل بھی پیش کر دی تھی تو وہ چاہتی تھیں کہ اس کی تاویل کریں' گویا ان کا اعتقاد یہ تھا کہ "لَا نُوْرَثُ" کے عموم میں تخصیص کر لیں گے' ان کے ذہن میں تھا کہ زمین وغیرہ کے منافع پیچھے رہ جانے والوں کے لئے ہوتے ہیں لہٰذا اس سے اس قول میں نقص نہیں پڑے گا لیکن حضرت ابوبکر نے عموم ہی پر عمل کیا (تخصیص نہیں کی) اور جب آپ نے پختگی دکھائی تو حضرت فاطمہ باز آ گئیں اور قطع تعلق کر لیا۔

میں کہتا ہوں کہ اب قصہ کا تتمہ رہ گیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ کے فرمان "ما ترکناہ صدقۃ" سے سمجھا کہ آپ کی طرف سے یہ مال وقف قرار پا چکا ہے پھر انہوں نے سوچا کہ وقف پر نگاہ کرنا اس کی بڑھوتری پر قبضہ کرنا اور اسے استعمال میں لانا قابلِ وراثت ہے لہٰذا آپ نے حضور علیہ کے مدینہ میں موجود مال سے اپنے حصے کا مطالبہ کیا' وہ دیکھ رہی تھیں کہ اس مال پر قبضہ کرنا ان کا حق ہے اور یونہی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی حق ہے اور پھر حضرت عباس وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہم خیال تھے جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ اسے امام کے اختیار میں رہنا چاہئے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت علی اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں مل کر وہی مطالبہ کرنے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تھے جس کا حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر سے کیا تھا حالانکہ دونوں ہی جانتے تھے کہ رسول اللہ علیہ نے فرمایا ہے لَا نُوْرَثُ ما ترکناہ صدقۃ کیونکہ

صحیح بخاری میں ان دونوں حضرات کا حضرت عمر کے پاس اس سلسلے میں حضور کے مالِ غنیمت کا جھگڑا لے کر آنے کا قصہ مذکور ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے سامنے یہی حدیث رکھی تھی کہ وہ اس پر عمل کریں جس پر خود حضور ﷺ نے عمل فرمایا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمل کیا حالانکہ اس وقت حضرت عثمان ' حضرت عبد الرحمٰن' حضرت سعد اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ گروہ نے جس میں حضرت عثمان اور ان کے ہمراہی موجود تھے' کہا اے امیر المؤمنین! ان دونوں میں فیصلہ کر دیجئے تاکہ دونوں ایک دوسرے سے مطمئن ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا' ذرا سکون سے رہو' میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جو آسمانوں اور زمین کو سنبھالے ہوئے ہے' کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ لا نورث ما ترکناہ صدقۃ؟ انہوں نے کہا تھا کہ ہاں یہ آپ ہی کا فرمان ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں حضرات سے کہا میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں' کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں فرمایا تھا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں آپ کو اس بارے میں بتاتا ہوں' اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ مالِ غنیمت یوں دیا کہ کسی اور کو یہ خصوصیت حاصل نہیں اور پھر یہ آیت پڑھی وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ تا قَدِیْرٌ ○ چنانچہ یہ مال حضور ﷺ کے لئے خاص ہو گیا لہٰذا انہوں نے آپ لوگوں پر خرچ کیا اور آپ لوگوں کو دیا اور اس میں یہ کچھ بچ گیا چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس مال میں سے اپنے اہل پر اسے خرچ کرتے رہے اور بقایا اللہ کا مال بنایا' حضور ﷺ نے زندگی بھر یونہی کیا' میں آپ لوگوں کو قسم دیتا ہوں کہ آپ کو اس بات کا علم ہے؟ انہوں نے کہا' ہاں ہے' پھر دونوں حضرات سے پوچھا: آپ یہ جانتے ہیں؟ انہوں نے کہا' ہاں۔ اس کے بعد حضرت عمر نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو موت دیدی تو حضرت ابوبکر نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ذمہ دار ہوں چنانچہ انہوں نے یہ اراضی اپنے قبضے میں لے لی اور اس میں ویسے ہی برتاؤ کیا جیسے حضور ﷺ نے کیا تھا اور اللہ جانتا ہے کہ وہ سچے' نیک' راہِ حق پر چلنے والے اور سچائی کے پیروکار تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موت دیدی تو ان کی جگہ میں ان کی طرف سے ذمہ دار بنا چنانچہ میں نے دو سال کے دورِ خلافت میں اسے سنبھالا اور اللہ جانتا ہے کہ میں سچا' نیکی کرنے والا' راہِ راست پر چلنے والا اور حق کا پیروکار ہوں' اب آپ لوگ میرے پاس آئے ہیں' مجھ سے گفتگو کر رہے ہیں اور میں اکیلا آپ سے بات کر رہا ہوں' آپ دونوں کی بات ایک ہی ہے' اے عباس! آپ تو مجھ سے اپنے بھتیجے کے مال سے حصہ مانگتے ہیں اور یہ اپنی بیوی کا باپ والا حصہ مانگ رہے ہیں' میں نے آپ سے کہا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: لا نورث ما ترکناہ صدقۃ ' اب جب میرے سامنے یہ بات آگئی ہے کہ میں آپ دونوں کو یہ حصہ دوں تو میں کہتا ہوں' میں آپ کو اللہ کے عہد اور اس میثاق پر دے دیتا ہوں کہ آپ لوگوں کو اس مال سے وہی برتاؤ کرنا ہوگا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا اور پھر جب سے میں خلیفہ بنا ہوں' میں نے کیا ہے' اس کے باوجود آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ مال ہمیں دیدیں تو اسی وجہ سے میں آپ کو دے دیتا ہوں' میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں آپ کو

یہ حصہ دے رہا ہوں؟ انہوں نے کہا' ہاں۔سب نے کہا' ہاں۔الحدیث۔

یہ حدیث اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ ان دونوں نے اس حدیث کو جانتے ہوئے بھی یہ مطالبہ کیا تھا چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ مال وقف تھا اور یہ اصول ہے کہ وقف کرنے والے کے وارث' وقف شدہ چیز کی نگرانی کے لئے سب سے بہتر ہوتے ہیں اور بالخصوص وہ اس مال پر قبضہ کا ارادہ رکھتے تھے جو بنونضیر سے حاصل شدہ مدینہ میں موجود تھا' وہ مال مدینہ میں حضورﷺ کے صدقات میں شامل تھا۔

پھر ابن شہاب نے لکھا کہ یہ مال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ میں آیا پھر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہا' پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہا' ان کے بعد علی بن حسین کے ہاتھ رہا اور حسن بن حسن کے ہاتھ میں رہا اور پھر حضرت زید بن حسن کے قبضہ میں رہا حالانکہ یہ یقیناً رسول اللہﷺ کے صدقات میں تھا۔

عبد الرزاق کے مطابق حضرت معمر نے بتایا کہ پھر حضرت عبد اللہ بن حسن کے ہاتھوں میں رہا اور پھر بنو عباس حاکم بن گئے تو انہوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔اسماعیل قاضی مزید بتاتے ہیں کہ اس مال سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دورِ عثمان میں اعراض کیا تھا۔

سنن ابو داؤد میں ایک صحابی نے بنونضیر کا قصہ بتایا اور آخر میں کہا کہ بنونضیر کا باغ خاص طور پر رسول اللہﷺ کے قبضے میں تھا' یہ انہیں اللہ نے دیا تھا چنانچہ فرمایا: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ رَسُوْلَهٗ مِنْهُمْ۔پھر بتایا کہ آپ نے اس کا اکثر حصہ مہاجرین میں تقسیم کر دیا تھا اور باقی آپ کے ہاتھ میں مالِ صدقہ (غنیمت) تھا تو بنو فاطمہ کے قبضے میں رہا۔

ابن شبہ کہتے ہیں کہ ابو غسان کے مطابق آج کل نبی کریمﷺ کے صدقات خلیفہ کے قبضہ میں ہیں' وہ جسے چاہے اس کا نگران بناتا اور پھر جسے چاہے معزول کرتا ہے' اس کا پھل اور غلہ اہلِ مدینہ کے حاجت مندوں ان کی ضرورت کے مطابق خرچ کیا کرتا ہے۔

یہ سب کچھ نقل کرنے کے بعد حضرت حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ معاملہ ۲۰۰ھ کے آخر تک یونہی چلتا رہا اور پھر اس کے بعد معاملات تبدیل ہو گئے۔واللہ المستعان۔

میں کہتا ہوں' امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بیہقی سے نقل کرتے ہیں کہ (میرے ماں باپ آقا پر فدا) حضورﷺ کا مال صدقات ہمارے پاس موجود ہے' صدقۂ زبیر اس کے قریب ہے' صدقۂ عمر قائم ہے' صدقۂ عثمان موجود ہے' صدقۂ علی موجود ہے اور صدقۂ فاطمہ بنت رسول اللہﷺ موجود ہے اور بے شمار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے صدقات مدینہ موجود ہیں۔

حضرت مجد نے فدک کے بارے تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ مال جو حضرت علی اور حضرت عباس کو حضرت عمر نے دیا تھا اور جس میں جھگڑا ہوا تھا' وہ مالِ فدک تھا کیوں کہ مجد نے کہا ہے: یہ وہی مال تھا جس کے بارے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا تھا کہ رسول اللہﷺ نے یہ مجھے عطا فرمایا ہے تو حضرت ابوبکر نے

کہا تھا کہ مجھے گواہوں کی ضرورت ہے چنانچہ حضرت علی نے شہادت دی تھی' آپ نے اور گواہ مانگا تو حضرت اُم ایمن نے گواہی دی۔اس پر حضرت ابوبکر نے ان سے کہا کہ اے بنت رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر گواہی مکمل نہ ہوگی چنانچہ وہ چلی گئیں اور پھر فتوحات کا سلسلہ بڑھا اور حضرت عمر خلیفہ بنے تو ان کا اجتہاد سامنے آیا۔حضرت علی نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں یہ حضرت فاطمہ کو دیدیا تھا' حضرت عباس اس کا انکار کرتے تھے چنانچہ دونوں حضرت عمر کے پاس پہنچے لیکن انہوں نے دونوں میں فیصلے سے انکار کر دیا اور کہا: آپ لوگ اپنی مرضی کریں اور جب حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ بنے تو اپنے مدینہ کے گورنر کو لکھا کہ فدک' اولادِ فاطمہ کو دیدو چنانچہ ان کے عہد میں یہ انہی کے پاس رہا اور جب یزید بن عبد الملک حکمران بنا تو اس نے اسے قبضہ میں لے لیا اور پھر یہ فدک ابو العباس السفاح کے دور تک بنو امیہ کے قبضہ میں رہا۔انہوں نے حضرت حسن بن حسن بن علی بن ابو طالب کو دیدیا' پھر یہ انہی کے قبضے میں رہا' انہوں نے ہی اسے اولادِ علی میں تقسیم کر دیا پھر جب منصور والی بنا اور حضرت بنو حسن ان کے خلاف اُٹھے تو ان سے واپس لے لیا اور پھر جب ان کا بیٹا مہدی خلیفہ بنا تو انہیں واپس کر دیا پھر اس کے بعد موسےٰ بن ہادی تا مامون الرشید اس پر قابض رہے تو اس کے پاس بنو علی کی طرف سے ایلچی آیا اور اس کا مطالبہ کیا تو اس نے حکم دیا کہ انہیں ایک دستاویز لکھ دی جائے چنانچہ وہ دستاویز لکھی گئی اور اس کے سامنے پڑھ دی گئی' اس پر دعبل شاعر نے اُٹھ کر کہا:

"دور خوش ہے کہ مامون ہاشم نے فدک واپس کر دیا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس بات کا انکار کر رہی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی اور عباس کو یہ باغ واپس کر دیا تھا اور وہ اس بارے میں جھگڑے تھے چنانچہ آپ فرماتی ہیں: "رہے خیبر اور فدک تو حضرت عمر نے انہیں اپنے پاس رکھا تھا اور یونہی جو انہوں نے ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے یہ فدک اولادِ فاطمہ کو دیدیا تھا' اس کے موافق ہے جو انہوں نے یاقوت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز جب والی بنے تو لوگوں سے خطاب کیا پھر قصہٗ فدک کا ذکر کیا اور بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص تھا' آپ اس میں سے خرچ کرتے اور بچا ہوا مسافروں کو دیتے' پھر حضرت ابوبکر' عمر' عثمان اور حضرت علی بھی یونہی کرتے رہے اور جب معاویہ خلیفہ بنے تو انہوں نے مروان بن حکم کو دیدیا' مروان نے عبد العزیز اور عبد الملک کو عطیہ دیدیا' وہ دونوں عبد الملک کے بیٹے تھے۔وہ کہتے ہیں کہ پھر یہ ولید اور سلیمان کے حصے میں آیا اور جب ولید والی بنا تو میں نے اس سے مطالبہ کیا' اس نے مجھے ہبہ کر دیا اور سلیمان نے ان کا حصہ مانگا تو انہوں نے دیدیا' میں نے دونوں کو اکٹھا کر لیا اور یہ مال میرا بہترین مال تھا اور میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اسے واپس لوٹا رہا ہوں' اب یہ حضور ﷺ کے دور اور چاروں خلفاء کے دورِ خلافت کی طرح ہوگا چنانچہ وہ ان کے بعد والے یہ مال لیتے اور مسافروں کو دیا کرتے۔

میں کہتا ہوں' کہتے ہیں کہ یہ مال مروان کو حضرت عثمان نے بطور جاگیر دیا تھا چنانچہ حضرت ابن حجر کہتے ہیں

کہ فدک کا باغ مروان کو حضرت عثمان نے دیا تھا کیونکہ انہوں نے مطلب یہ نکالا تھا کہ جو چیز نبی کے لئے خاص ہوتی ہے وہ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ کی ہو جاتی ہے اور چونکہ خود آپ تو مالدار اور غنی تھے لہٰذا اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو دے دیا۔

رہا وہ جو علامہ مجد نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عطیۂ فدک کا دعویٰ کیا تھا تو ابن شبہ کے مطابق حضرت نمیر بن حسان کا قول اس کی گواہی دے رہا ہے' وہ کہتے ہیں' میں نے زید بن علی سے کہا' میرا ارادہ ہے کہ ابوبکر کے معاملہ کی خبر لوں' انہوں نے حضرت فاطمہ سے فدک چھین رکھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر ایک رحمدل شخص تھے' وہ نہیں چاہتے تھے کہ جو کچھ نبی کریم ﷺ چھوڑ گئے تھے' اس میں تبدیلی کریں' حضرت فاطمہ ان کے پاس آئیں اور کہا کہ یہ فدک مجھے حضور ﷺ نے دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا' کیا کوئی گواہ موجود ہے؟ وہ حضرت علی کو لے آئیں جنہوں نے گواہی دیدی' پھر وہ اُم ایمن کو لائیں' انہوں نے کہا: کیا آپ اس بات کے گواہ نہیں کہ میں جنتی ہوں؟ انہوں نے کہا' کیوں نہیں' انہوں نے کہا تو پھر یقین کر لو کہ حضور ﷺ نے فدک فاطمہ کو دیدیا تھا۔ اب حضرت ابوبکر نے کہا: تو کیا آپ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی کے بناء پر مجھ سے یہ حق لینا چاہتی ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت زید بن علی نے کہا' بخدا' اگر میرے بس میں بھی ہوتا تو میں وہی فیصلہ کرتا جو حضرت ابوبکر نے کیا تھا۔

ابن شبہ کے مطابق کثیر نوی کہتے ہیں: میں نے ابو جعفر سے کہا: میں آپ پر فدا ہو جاؤں' کیا ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تمہارے حق میں ظلم کیا تھا یا کچھ لے لیا تھا؟ انہوں نے کہا تھا' ایسا ہرگز نہیں ہوا' اس ذات کی قسم جس نے اپنے خاص بندے پر قرآن نازل کیا کہ وہ لوگوں کو ڈر سنائیں' ان دونوں نے ہم پر رائی بھر بھی ظلم نہیں کیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اسی جھوٹ کے ساتھ رافضیوں کا تعلق ہے' انہوں نے احادیث کو صحیح طریقے پر سمجھا ہی نہیں۔

فصل نمبر ۳

مکہ و مدینہ کے درمیان حضور ﷺ کی طرف منسوب وہ مسجدیں جو آپ کے اس راستے میں آئیں جن پر دیگر انبیاء چلتے رہے

یہ راستہ عام لوگوں سے الگ تھا اور مسجد غزالہ کے قریب تھا' یہ راستہ خیف اور صفراء سے نہیں گزرتا بلکہ حی' ثنیہ حرشی اور پھر جحفہ سے گذرتا تھا اور آج کل کے لوگوں کا راستہ اس راستے پر چلنے والوں کی داہنی طرف ہے چنانچہ آپ کو

جحفہ کی زیریں جانب رابغ سے گذرنا ہوگا' پھر آپ قدید کے راستہ کے قریب جحفہ کی اوپر والی جانب اس راستے میں آ ملیں گے۔

روایات میں آتا ہے' زیارت کرنے والوں کے لئے مناسب یہ ہے کہ حرمین کے درمیان آنے والی مسجدوں میں نوافل پڑھے اور یہ کل بیس مسجدیں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تو اسی راستے سے تعلق رکھتی تھیں جبکہ ابو عبد اللہ اسدی نے ان سے زیادہ ذکر کی ہیں' ہم ان کے ساتھ ان کا بھی ذکر کر رہے ہیں جو ہمیں دوسروں سے ملی ہیں' ہم مدینہ سے مکہ تک انہیں ترتیب وار ذکر کریں گے۔

مسجد الشجرہ (ذوالحلیفہ)

ان میں سے ایک مسجد الشجرہ ہے جس کا مشہور نام مسجد ذوالحلیفہ ہے۔ یہ حلیفہ اہلِ مدینہ کا میقات ہے' آج کل اسے بئر علی کہتے ہیں چنانچہ مسلم شریف میں روایت ملتی ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ذوالحلیفہ میں رات گذاری اور یہاں کی مسجد میں نماز پڑھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ کو جاتے تو مسجد شجرہ میں نماز پڑھتے۔ انہی سے حضرت ابنِ زبالہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ اور حج کے دوران ذوالحلیفہ میں ٹھہرتے۔ قیام کی جگہ مسجد ذوالحلیفہ ہوتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد شجرہ میں اسطوانہ وسطیٰ کی طرف نماز پڑھی اور چہرۂ انور اسی کی طرف رکھا اور یہ اس شجرہ کی جگہ تھا جس کی طرف آپ نے نماز پڑھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ظہر کی چار رکعت پڑھی اور ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس بطحاء میں اونٹنی بٹھائی جو ذوالحلیفہ میں تھا اور وہیں نماز پڑھی۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد مذکور مسجد کی جگہ ہے کیونکہ یہ وہی جگہ تھی جہاں آپ بیٹھا کرتے تھے اور آپ نے اس درخت کی جگہ عمارت بنائی جو وہاں تھی اور اسی جگہ کی وجہ سے اسے مسجد الشجرہ کہتے تھے اور یہی وہ سمرہ (ببول) تھا جس کا ذکر حدیث ابن عمر میں ہے' نبی کریم ﷺ ذوالحلیفہ میں اس کے نیچے ٹھہرتے تھے۔

صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی سواری مسجد ذوالحلیفہ کے نزدیک بالکل سیدھی کھڑی ہو جاتی تو پڑھتے اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ۔ الحدیث

انہی کی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ذوالحلیفہ میں دو رکعت نفل پڑھتے اور جب مسجد ذوالحلیفہ کے

پاس آپ کی اونٹنی کھڑی ہو جاتی تو یہی کلمات پڑھا کرتے۔

ان صحیح روایات سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ حضور ﷺ دن کے وقت حج کے لئے روانہ ہوئے اور رات کو ذوالحلیفہ میں جا رُکے اور دوسرے دن مسجد کے نزدیک احرام باندھا تو ظاہر ہو رہا ہے کہ اس مدت کے دوران آپ کی تمام نمازیں وہیں ادا ہوئیں لیکن مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے ذوالحلیفہ میں غسل بھی فرمایا تھا۔

بخاری میں باب مایلبس المحرم کے اندر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سواری سے اُترے، تیل لگایا، تہبند اور اوپر کی چادر اوڑھی اور صحابہ سمیت چلے الحدیث اس میں نہانے کی وضاحت موجود نہیں لیکن طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپ حجۃ الوداع کے موقع پر چلے، غسل فرمایا، تیل لگایا، سواری سے اُترے اور اکیلے چلے، دو سحاری کپڑے زیب تن تھے، ایک تہبند اور دوسری اوپر والی چادر تھی، یہ ہفتہ کا دن اور ذوالقعدہ کی پانچ راتیں باقی رہتی تھیں۔

قاضی عیاض کی کتاب التنبیہات میں ہے، ظاہر مذہب میں مستحب یہ ہے کہ مدینہ میں غسل کرے اور فوراً چل پڑے، یہی وضاحت سحنون اور ابن الماجشون نے کی ہے اور یہی وہ کام ہے جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا جیسے مستحب یہ ہے کہ اس وقت احرام کے کپڑے پہنے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یونہی کیا تھا۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے اصحاب نے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن یہ کہا ہے: جو تنعیم میں بحالتِ احرام غسل کرے تو اس کے لئے یہی غسل کافی ہوگا کیونکہ یہ جگہ قریب ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرب کا لحاظ بھی رکھا جاتا ہے اور یہ حضور ﷺ سے منقول روایت کے ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ ذوالحلیفہ سے آپ نے دوسرے ہی دن احرام باندھا تھا، احتمال یہ ہے کہ آپ نے ذوالحلیفہ میں اس وقت دوبارہ غسل کیا تھا، بہر صورت اگر ذوالحلیفہ کی طرف جاتے ہوئے وضو کے بعد احرام ہوتا تو ہمارے نزدیک یہ قول بعید نہ تھا جیسے انہوں نے فجر کی نماز میں جمعہ کے لئے غسل میں بیان کیا ہے اور اس میں کوچ کرنے کی شرط نہیں لگائی۔

علامہ مطری اور بعد کے مؤرخین احرام کے بیان کے بعد حضور ﷺ کی مسجد کے قریب سے سواری اُٹھنے کے بارے میں کہتے ہیں کہ حاجی کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو اس مسجد کے کونے سے آگے نہ بڑھے اور نہ ہی اس کے اردگرد قبلہ، مغرب اور شام سے آگے جائے کہ کہیں مسجد کے گرد سے دور نہ ہو جائے جبکہ بہت سارے حاجی یہ کرتے ہیں کہ مسجد کے اردگرد سے مغربی جانب بڑھ جاتے ہیں اور کھلی جگہ کو چڑھ جاتے ہیں یوں یقیناً وہ میقات سے آگے نکل جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ مطری نے ذوالحلیفہ کی انتہائی حد بیان نہیں کی ان کا حول المسجد کہنا حد بندی نہیں بتاتا اور نہ ہی حضور ﷺ کے مسجد اور اس کے قرب و جوار میں اُترنے سے ذوالحلیفہ کی حد کا پتہ چل سکتا ہے۔ عنقریب ہم ذوالحلیفہ کی وضاحت کرتے ہوئے اس پر مزید روشنی ڈالیں گے اور پھر اس کے اور مدینہ کے درمیان فاصلے کا ذکر کریں گے۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہی وہ مسجد ہے جو وہاں بڑی شمار ہوتی تھی جس کے قبلہ کی طرف ستون تھے اور اس کے شمال مغربی کونے میں منارہ تھا جو وقت گذرنے پر گر چکا ہے۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ اس کی ایک آدھ دیوار باقی ہے اور نیچے اوپر پتھر پڑے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل موجود اس کے گرد والی دیوار زین الدین مصری نے بنائی تھی جب وہ ۸۶۱ھ میں معزول ہو کر مدینہ میں آئے تھے' انہوں نے اسے پہلی بنیاد پر تعمیر کیا۔تاہم غربی کنارے میں منارہ کی جگہ اب بھی اسی طرح باقی ہے پھر اس کے لئے مشرق' مغرب اور شام کی طرف سے تین سیڑھیاں بنائیں' ہر طرف اونچی سیڑھی بنا دی تاکہ چوپائے اس میں داخل نہ ہو سکیں۔اس کے محراب کا نام ونشان موجود نہیں' وہ گر چکا ہے چنانچہ قبلہ والی دیوار کے درمیان میں اس نے محراب بنا دیا اور شاید اب تک وہی چلا آتا ہے اور پھر وہاں کے کنوؤں کے لئے سیڑھیاں بنا دیں تاکہ پانی پینے والے پانی پی سکیں۔

اس مسجد کا قبلہ سے شام کی طرف طول باون ہاتھ ہے اور یونہی مشرق سے مغرب تک بھی اتنا ہی ہے۔

ذوالحلیفہ میں ایک اور مسجد

علامہ مطری بتاتے ہیں کہ اسی مسجد کے قبلہ میں ایک اور مسجد ہے جو اس سے چھوٹی ہے اور یہ بات کچھ بعید نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں بھی نماز پڑھی ہو' دونوں مسجدوں کے درمیان تیر پھینکنے یا قدرے اس سے زیادہ کا فاصلہ موجود ہے۔انتہٰی۔

میں کہتا ہوں کہ آئندہ اسدی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مسجد مُعرس تھی۔واللہ اعلم۔

مسجد معرس

انہی مسجدوں میں سے ایک مسجد معرس بھی ہے' ابو عبد اللہ اسدی (جو متقدین سے ہیں' انہی کی کلام سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تیسری صدی ہجری میں ہوئے ہیں) نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ذوالحلیفہ میں کئی کنوئیں تھے اور حضور ﷺ کی دو مسجدیں تھیں' بڑی مسجد سے لوگ احرام باندھتے تھے اور دوسری کا نام مسجد المعرس تھا وہ اس کے قریب ہی تھی۔حضور ﷺ جب مکہ سے واپس آئے تو یہاں رات گذاری تھی۔

میں کہتا ہوں کہ گذشتہ مسجد کے علاوہ مسجد ذوالحلیفہ کے قبلہ میں اور کوئی مسجد نہیں جو تیر پھینکنے کی مسافت تک ہو۔یہ قدیم طرز کی ہے۔اس میں چونے اور پتھر کا استعمال ہوا ہے' لہٰذا یہی مراد ہے۔

صحیح بخاری میں ''باب المساجد التی علی طریق المدینة و المواضع الّتی صلی فیها النّبیّ صلی اللّٰه علیه وسلم'' میں حضرت نافع کے مطابق حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ پر جاتے ذوالحلیفہ میں ٹھہرا کرتے اور یونہی حج کے موقع پر کرتے' آپ کا قیام ذوالحلیفہ کی مسجد والی جگہ ببول کے درخت کے

نیچے ہوتا اور جب آپ جنگ سے واپس آتے تو اسی راستے سے آتے' حج وعمرہ میں بھی یونہی کرتے کہ وادی میں اُتر جاتے اور جب وادی سے باہر دکھائی دیتے اور اس بطحاء میں مشرقی وادی کے کنارے پر اونٹنی بٹھاتے تو صبح تک وہیں ٹھہرتے' پتھروں والی مسجد اور اس ٹیلے پر نہ ٹھہرتے جہاں مسجد تھی۔ وہاں ایک خلیج تھی' حضرت عبد اللہ وہاں نماز پڑھتے' اس کے درمیان ہموار زمین تھی' وہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی پھر اس بطحاء کو سیلاب بہا لے گیا اور وہ مقام نیچے چلا گیا جہاں حضرت عبد اللہ نماز پڑھتے تھے۔

حافظ ابنِ حجر کہتے ہیں کہ یہاں ''بطنِ وادی'' سے مراد وادیٔ عقیق ہے۔

میں کہتا ہوں' ابن زبالہ نے یہ الفاظ لئے ہیں ''ھبط بطن الوادی الخ'' یعنی آپ وادی میں اُتر جاتے اور جب باہر نکلتے دکھائی دیتے تو اس بطحاء میں اونٹنی بٹھاتے جو مشرقی وادی کے کنارے پر تھی۔

مطری نے یہ روایت کسی کی طرف منسوب کئے بغیر بیان کی چنانچہ کہا: ''وادی میں اُترے یعنی وادیٔ عقیق میں'' میرے خیال میں دونوں روایتوں کا معنی ایک ہی ہے' اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ رات کا قیام وادیٔ عقیق کی مشرقی جانب تھا لہٰذا ذو الحلیفہ میں نہیں ہو سکتا لہٰذا متعین ہو جاتا ہے کہ وادی میں اترنے والا وادیٔ عقیق ہی میں اُترتا کیونکہ رات گذارنے کی جگہ ذوالحلیفہ تھی چنانچہ حج کے بیان میں صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ کو روانہ ہوتے تو مسجد الشجر ہ کے راستے جاتے اور معرس کے راستے داخل ہوتے نیز رسول اللہ ﷺ جب مکہ کو جاتے تو مسجد الشجر ہ میں نماز پڑھتے اور جب واپسی ہوتی تو بطنِ وادی میں ذوالحلیفہ کے مقام پر نماز پڑھتے اور صبح ہونے تک رات یہیں گذارتے۔

اسی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا کہ آپ بطحاء مبارک میں ہیں' اس وقت آپ بطن وادی میں ذوالحلیفہ کے مقام پر اپنے معرس میں تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ وہ مسجد ہے جسے انہوں بطن وادی میں ذکر کیا ہے' شائد اس سے وہی مسجد مراد ہے اور یہ معرس مشرقی جانب اس کے قریب تھی۔

یحییٰ کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ معرس الشجر ہ میں تھے کہ آپ سے کہا گیا' آپ مبارک بطحاء میں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے گذشتہ مضمون کی تائید ہوتی ہے کیونکہ معرس' الشجر ہ کی طرف منسوب ہے' پھر اس مسجد کے اس راستے سے دور ہونے کی بناء پر اشکال وارد نہیں ہوتا جس پر چل کر لوگ مدینہ کو جاتے تھے کیونکہ ابن عمر کی روایت گذر چکی ہے جس میں شجرہ اور معرس کے راستے الگ الگ بتائے گئے ہیں۔

بزاز کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شجرہ کے راستے سے نکلتے اور معرس کے راستے سے داخل ہوتے تھے۔

ابوعوانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ شجرہ کے راستے سے مکہ کو جاتے اور جب واپس آتے تو معرس کے راستے سے آتے۔

حضرت نافع سے روایت ہے کہ وہ حضرت ابن عمر سے بچھڑ گئے اور معرس تک پہلے جا پہنچے' وہ آئے اور پوچھا تمہیں میرے ساتھ چلنے سے کس چیز نے روکا۔انہوں نے واقعہ بتا دیا تو ابن عمر نے کہا' میں نے خیال کیا تھا کہ تم کسی اور راستے پر چلے گئے ہو' اگر تم ایسا کرتے تو میں تمہیں خوب مارتا۔یہ بات انہوں نے اس لئے کی کہ وہاں ان کی پیروی ضروری تھی۔یہ طریقہ اب ختم ہو چکا ہے۔

ابن زبالہ کے مطابق عبد الاعلیٰ بن عبد اللہ بن فروہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ کو نکلتے تو دار جبر بن علی کے راستے پر چلتے اور پھر بنو عطاء کے گھروں کی جاتے' پھر بطحان اور پھر زقاق البیت میں داخل ہوتے اور حرہ کے مقام پر ابن ابی الجنوب کے گھر کے قریب نکلتے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مقامات اب نامعلوم ہو چکے ہیں۔واللہ اعلم

مسجد شرف الروحاء

انہی میں سے مسجد شرف الروحاء تھی چنانچہ امام بخاری نے گذشتہ روایت نافع کے بعد کہا کہ نبی کریم ﷺ نے اس جگہ نماز پڑھی جہاں مسجد شرف الروحاء کے قریب چھوٹی سی مسجد تھی اور حضرت عبد اللہ اس مقام کو جانتے تھے جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی چنانچہ کہتے ہیں: پھر جب تم کھڑے ہو جاؤ تو اپنی دائیں طرف مسجد میں نماز پڑھو' یہ مسجد مکہ جاتے ہوئے داہنے ہاتھ والے راستے کے کنارے پر تھی' اس کے اور بڑی مسجد کے درمیان پتھر پھینکنے کی جگہ تک فاصلہ تھا۔

یحییٰ نے یہ الفاظ لئے: رسول اللہ ﷺ نے اس چھوٹی مسجد کے پہلو میں نماز پڑھی جو شرف الروحاء والی مسجد کے قریب تھی۔حضرت عبد اللہ اس مکان کو جانتے تھے جہاں عوانج میں حضور ﷺ نے نماز پڑھی' تم مسجد میں کھڑے ہو تو یہ جگہ تمہاری دائیں جانب تھی۔حدیث کے باقی الفاظ بخاری جیسے ہیں۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ جاتے ہوئے راستہ کی دائیں جانب شرف الروحاء میں نماز پڑھی اور جب تم مکہ سے واپس آؤ تو یہ جگہ تمہاری بائیں طرف ہوگی۔

میں کہتا ہوں' یہی وہ مسجد ہے جو اسدی کے اس قول میں مراد ہے: ندی سے دو میل کے فاصلے پر رسول اللہ ﷺ کی مسجد تھی جسے مسجد الشرف کہتے تھے۔کہتے ہیں کہ اس ندی اور روحاء کے درمیان گیارہ میل کا فاصلہ ہے جبکہ اس کے اور ملل کے درمیان سات میل کا فاصلہ ہے' یہ مسجد حضرت حسین بن علی بن ابو طالب اور کچھ قریش کی تھی' اس سے ایک میل کے فاصلے پر سویقیہ نامی کنواں تھا جو عبد اللہ بن حسن کی اولاد کا تھا' بہت میٹھے پانی والا تھا' یہ راستے سے ہٹ

کرتا تھا۔

وہ کہتے ہیں راستے کی بائیں جانب والا سرخ پہاڑ ورقان کہلاتا ہے' یہاں جہینہ کے لوگ رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ پہاڑ مسلسل مکہ تک جاتا ہے اور پھر ندی نالے پر بہت سے کنوؤں کا ذکر کیا۔

یہ جو انہوں نے کہا ہے "تیز ندی سے دو میل کے فاصلے پر" تو اس سے مراد ندی کا اول حصہ ہے اسی لئے مطری نے کہا کہ شرف الروحاء مکہ جاتے ہوئے ندی کے آخری سرے پر تھا اور جب شرف ملل کو قطع کر لو تو یہ ندی کا اول حصہ ہو گا۔ چھوٹی چھوٹی چٹانیں دا ہنی طرف نظر آئیں گی' یہ اس وقت جب تم ملل سے اترو اور اپنی بائیں طرف سے واپس آؤ اور قبلہ کی جانب منہ کرو۔

پھر اس تیز سیالہ میں نبی کریم ﷺ کے بعد نئے سرے سے کنوئیں وغیرہ اور مکان بنائے گئے' اور والی مدینہ کی طرف سے اس پر ایک نگران مقرر تھا' یہاں کے لوگوں کی کئی کہانیاں اور اشعار موجود ہیں' وہاں عمارتوں اور بازاروں کے نشانات موجود ہیں اور آخر میں یہ شرف موجود ہے' اس کے نزدیک ہی مسجد ہے جس کے قریب قدیم قبریں ہیں جو اہلِ سیالہ کا قبرستان تھا' پھر تم قبلہ کی جانب وادی میں اُتر جاؤ گے جسے آج کل وادیٔ سالم کہتے ہیں' یہ عرب کا ایک قبیلہ تھا۔

میں کہتا ہوں کہ مسجد کے نزدیک والی قبریں ہیں جنہیں قبور شہداء کہتے ہیں اور شاید ان میں وہ کچھ لوگ دفن ہیں جنہیں ظلم کی بناء پر سیالہ اور سویقہ کے اشراف نے قتل کر دیا تھا جیسے آئندہ سویقہ کے تعارف سے پتہ چلے گا۔

مسجد عرق الظبیہ

انہی میں سے مسجد عرق الظبیہ ہے' علامہ مطری نے اپنے قول: "پھر وادیٔ روحاء میں اُتر جائے جو قبلہ کی جانب ہے۔" کے بعد نقل کیا ہے کہ: تم قبلہ کی جانب چلو' گھاٹی تمہاری بائیں طرف ہو تو یہ راستہ تمہیں مغرب کی طرف لے جائے گا حالانکہ تم پہاڑ کے دامن میں ساتھ ساتھ چل رہے ہو گے' یوں سب سے پہلے تمہیں ایک مسجد نظر آئے گی جو تمہاری دائیں طرف ہو گی' اس کے قبلہ کی طرف ایک بڑی قبر ہو گی جو طویل دور گذرنے کی وجہ سے گر چکی ہے' اس مسجد میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی' یہ مکان عرق الظبیہ کے نام سے جانا جاتا ہے' ورقان پہاڑ تمہارے بائیں ہاتھ رہ جائے گا۔ پھر بتایا کہ آج کل مسجد میں ایک پتھر ہے جس پر کوفی خط میں تعمیر کے وقت لکھا تھا کہ یہ فلاں میل سے فلاں میل تک ہے۔ انتہٰی۔

حضرت اسدی لکھتے ہیں' جب تم روحاء کی طرف جا رہے ہوتے ہو تو سیالہ سے نو میل کے فاصلہ پر ایک مسجد ہے جو نبی کریم ﷺ کے نام سے منسوب ہے' اسے مسجد الظبیہ کہا جاتا ہے' جب معرکۂ بدر ہوا تو آپ نے اس مسجد میں صحابہ سے مشورہ کیا تھا' یہ روحاء سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ انتہٰی۔

"شرف" کے بارے میں بتاتے ہوئے علامہ مجد لکھتے ہیں' حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں آتا ہے: رسول

اللہ ﷺ نے مدینہ سے ایک رات کے فاصلے ہفتہ کے دن ملل میں پہنچ پھر وہاں سے روانہ ہوئے اور رات کے وقت ''شرف السیالہ'' میں پہنچے اور صبح کی نماز عرق الظبیہ میں پڑھی۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے پہلا غزوہ کیا تو میں ساتھ ہی تھا' یہ غزوۂ ابواء تھا' جب آپ روحاء میں عرق الظبیہ کے مقام پر پہنچے تو فرمایا: اس پہاڑ کا نام جانتے ہو؟ یعنی ورقان کا' تو انہوں نے عرض کی' اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں' فرمایا: یہ جنت کے گرم پہاڑوں میں سے ایک ہے' الٰہی اس میں ہمارے لئے برکت رکھ دے اور اہلِ جنت کے لئے بھی اس میں برکت فرما۔ جانتے ہو' پھر فرمایا: اس وادی کا نام کیا ہے؟ یعنی وادئ روحاء کے بارے میں پوچھا' فرمایا یہ معتدل علاقہ ہے' مجھ سے قبل اس میں ستر نبی نماز پڑھ چکے ہیں۔ اس وادی سے حضرت موسےٰ بن عمران ستر ہزار بنی اسرائیل کو لے کر گذرے تھے' آپ پر قطوانی دو عبائیں تھیں اور اونٹنی پر سوار تھے' پھر فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو سکے گی جب تک حج یا عمرہ کے لئے حضرت عیسےٰ علیہ السلام یہاں سے نہ گذریں گے' یہ دونوں عبادتیں ان کے لئے جمع ہو سکیں گی۔

طبرانی کے مطابق آپ نے روحاء کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایک معتدل مقام ہے اور یہ جنت کی ایک وادی ہے' مجھ سے پہلے اس وادی میں ستر نبیوں نے نمازیں پڑھی ہیں' حضرت موسےٰ علیہ السلام یہاں سے گذرے تھے' آپ نے قطوانی دو قمیصیں پہن رکھی تھیں' آپ ستر ہزار بنو اسرائیل کو لے کر حج بیت العتیق کے لئے جا رہے تھے اور جب تک اللہ کے بندے اور رسول حضرت عیسےٰ بن مریم یہاں سے نہیں گذریں گے' قیامت قائم نہ ہو سکے گی۔

میں کہتا ہوں کہ اس مسجد کے آثار اب تک موجود ہیں۔

روحاء میں ایک مسجد

انہی میں سے روحاء میں ایک مسجد ہے جس کا ذکر اسدی نے کیا ہے' انہوں نے بتایا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ مسجدیں ہیں' ایک نہیں۔

غزوۂ بدر کے بیان میں واقدی کہتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ چل پڑے اور نصف رمضان کو بدھ کے دن روحاء پہنچے' وہاں بئر روحاء کے قریب نماز پڑھی۔

روحاء کے بیان میں آگے آ رہا ہے کہ وہاں کئی کنوئیں تھے لیکن آج کل ایک کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔

مسجد المنصرف (الغزالہ)

انہی مسجدوں میں سے ایک مسجد المنصرف ہے' آج کل اسے مسجد الغزالہ کہا جاتا ہے' یہ مسجد پہاڑ کی طرف روحاء کے آخر میں ہے' مکہ جاتے ہوئے بائیں طرف آتی ہے۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ اس کے دروازے کی صرف ایک محراب ہے جو بچی ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی گر چکی ہے' اس کے صرف نشان باقی ہیں۔

حضرت اسدی کہتے ہیں کہ جب تم مکہ کی طرف جا رہے ہو تو روحاء سے تین میل کے فاصلے پر ایک مسجد ہے جس سے حضور علیہ السلام کا تعلق ہوا تھا' پہاڑ کے دامن میں ہے' اسے مسجد المنصرف کہتے ہیں' یہ وہ پہاڑ ہے جو تمہاری بائیں طرف ہے جہاں سے پھر کر تم راستے میں جاتے ہو۔ انتہیٰ۔

علامہ بخاری نے مسجد شرف میں گذری روایت نافع کے بعد کہا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس عرق کے پاس نماز پڑھتے تھے جو روحاء کے موڑ پر تھا اور یہ عرق مکہ کو جاتے ہوئے انتہاء پر ہے اور راستے کے کنارے پر مسجد کے نزدیک اور منصرف کے درمیان ہے۔ وہاں مسجد بنائی گئی تو عبداللہ وہاں اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے' اسے بائیں اور پچھلی طرف چھوڑ کر سامنے خود عرق کی طرف نماز پڑھتے۔

میں کہتا ہوں' کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے عرق الطبیہ مراد ہے حالانکہ ایسا نہیں کیوں کہ دونوں کے مقام الگ الگ ہیں۔ اس مقام پر میں نے کسی کا لکھا دیکھا ہے کہ ''عرق'' ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے شرف الروحاء اور منصرف میں ''روحاء'' کے مقام ''عرق'' میں نماز پڑھی۔

حضرت ابن عمر ہی سے ہے کہ وہ اس عرق کی طرف نماز پڑھتے تھے جو روحاء کے موڑ کے قریب تھا' یہ عرق ان کے راستے میں کنارے پر تھا اور مکہ جاتے وقت اس سبیل کے قریب تھا جو پہاڑی کے موڑ پر تھی۔ حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ روحاء سے چلتے تو اسی مقام پر آ کر نماز ظہر پڑھتے۔

مطری نے اس مسجد کے بارے میں جو کچھ پہلے لکھا' اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جب تم اس مسجد میں سے جنگل کی طرف روانہ ہو جاؤ تو راستے کی دائیں جانب ایک ایسی جگہ آتی ہے جہاں حضرت عبداللہ ٹھہرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ رسول اللہ علیہ السلام کے ٹھہرنے کا مقام ہے' وہاں ایک درخت تھا کہ جب حضرت ابن عمر اس مقام پر ٹھہرتے اور وضو کرتے تو وضو کا بچا پانی اس کی جڑوں میں ڈال دیتے اور کہتے کہ رسول اللہ علیہ السلام کو میں نے یونہی کرتے دیکھا تھا اور پھر اس درخت کے گرد چکر لگایا کرتے اور پھر اس کی جڑوں میں پانی لگاتے تا کہ سنت پر عمل ہو سکے۔

جب انسان مسجد الغزالہ نامی اس مسجد کے قریب ہو تو نبی کریم علیہ السلام کا مکہ کی طرف جانے والا بائیں طرف رہ جاتا ہے اور یہ وہی قدیم اور جانا پہچانا راستہ ہے' پھر سقیا اور پھر اس کے بعد ھرشی کی پہاڑی آتی ہے اور یہی انبیاء علیہم السلام کا راستہ رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس راستے میں ان تینوں مسجدوں کے علاوہ کوئی مشہور مسجد نہیں ہے' ہاں صرف مسجد حذیفہ موجود ہے۔

میں بتاتا چلوں' اس کا سبب حاجی حضرات کا اس راستہ کو چھوڑ دینا ہے' وہ روحاء کی طرف سے جنگل کو جاتے

ہوئے صفراء جیسے تنگ راستے سے گذر کر بدر کو جاتے ہیں۔ مجھے اس راستے سے گذرنے والے ایک شخص نے بتایا کہ اس راستے میں بہت سی مسجدیں ابھی موجود ہیں اور عنقریب آ رہا ہے کہ مجھے قدید کی طرف ایک مسجد دیکھنے کا موقع مل گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

مسجد الرویثہ

ان میں سے ایک مسجد الرویثہ تھی۔ امام بخاری حضرت نافع کی روایت کے بعد لکھتے ہیں' حضرت عبد اللہ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک موٹے بے کانٹے درخت کے نیچے ٹھہرتے جو راستے کی دائیں طرف راستے کے سامنے رویثہ کے قریب نرم زمین پر تھا اور ٹیلہ کے قریب رویثہ سے دو میل گذر جاتے۔ اس کا اوپر کا حصہ ٹوٹ چکا ہے اور درمیان سے مڑ چکا ہے' وہ بنیاد پر کھڑا ہے اور وہاں کئی ریت کے ٹیلے ہیں۔

علامہ اسدی لکھتے ہیں کہ رویثہ کے اول میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد ہے' کہتے ہیں کہ روحاء اور رویثہ کے درمیان تیرہ میل کا فاصلہ ہے' ایک اور مقام پر ساڑھے سولہ میل کا فاصلہ لکھا ہے پھر انہوں نے رویثہ میں موجود کنوؤں اور حوضوں کا ذکر کیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے اوپر دکھائی دینے والے اور گھروں کے سامنے والے پہاڑ کو "حمراء" کہتے ہیں اور جو اس کے پیچھے مشرقی جانب بائیں ہاتھ پر ہے' اسے "حسناء" کہا جاتا ہے۔

مسجد ثنیہ رکوبہ

انہی میں سے ایک مسجد ثنیہ رکوبہ ہے جیسے مسجد مدلجہ میں آ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ثنیہ رکوبہ میں نماز پڑھی تھی اور وہاں ایک مسجد بنائی تھی۔

آگے آ رہا ہے کہ ثنیہ رکوبہ مدینہ کا رُخ کرنے والے کے لئے عرج سے پہلے ثنیۃ العابر کی دائیں طرف آتی ہے اور یہی ثنیۃ العابر' ثنیۃ عرج کہلاتی ہے اور عرج اس کے بعد تین میل کے فاصلے پر ہے۔ علامہ اسدی نے اس مسجد کا ذکر نہیں کیا۔

مسجد الاُثایہ

انہی میں سے ایک مسجد الاثایہ ہے یہ نُوایَـہ کے وزن پر ہے چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بئر الاثایہ میں دو رکعت نماز پڑھی' آپ نے ایک چادر جسم پر لپیٹ رکھی تھی۔

علامہ مطری لکھتے ہیں کہ یہ اثایہ کوئی مشہور جگہ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا تعارف علامہ اسدی نے کرایا ہے' وہ مکہ کو جانے والے کے راستے کے متعلق لکھتے ہیں کہ رویثہ سے حیّ تک چار میل کا فاصلہ ہے۔ پھر کہا: اور اس کے پیچھے گیارہ میل کے فاصلے پر رویثہ ہے' اسے مدراج کہا جاتا ہے' اس کے اور عرج کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے' وہاں کئی گھر موجود ہیں' گھاٹی کے قریب ایک کنواں ہے اور وادی

میں داخل ہونے سے پہلے عرج سے دو میل قبل رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ ہے جسے مسجد الاثایہ کہتے ہیں پھر مسجد کے قریب ایک کنواں ہے جسے الاثایہ کہتے ہیں۔انتہی۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ الاثایہ' جحفہ کے راستے میں ایک جگہ ہے' اس کے اور مدینہ کے درمیان پندرہ فرسخ کا فاصلہ ہے' اس میں ایک کنواں ہے جہاں ایک مسجد موجود ہے' اس کے نزدیک کئی گھر اور ببول کا درخت ہے اور یہ جگہ حجاز کی حد شمار ہوتی ہے۔

یہ بات اسدی کے موافق ہے کیونکہ حجاز کی حد مدارج العرج ہے جو اس کے قریب ہی ہے چنانچہ حضرت عمیر بن سلمہ ضمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عرج سے گزرے تو ایک زخمی گدھا دیکھا اور یکا یک دیکھا تو ایک تھکا ماندہ آدمی آیا' عرض کی یا رسول اللہ! یہ میرا شکار ہے' اسے جیسے چاہیں استعمال میں لائیں۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اسے دوستوں میں تقسیم کر دیں پھر وہاں سے اور اثایہ کی گھاٹی پر پہنچے' دیکھا تو وہاں ایک زخمی ہرن پڑا تھا جو ایک پتھر کے سایہ میں تھا' رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ یہاں ٹھہرو تاکہ یہ لوگ گذر جائیں اور اس پر تیر نہ چلائیں۔

یہ جو اسدی نے لکھا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آپ کے مکہ سے واپسی پر پیش آیا تھا' ویسے نہیں جیسے ہیثمی نے بتایا ہے کیونکہ انہوں نے اس پر مزید لکھا ہے کہ اس سے محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانا جائز ثابت ہوتا ہے خواہ اس نے اسے شکار کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

مسجد العرج

انہی میں سے مسجد العرج ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مسجد عرج میں نماز پڑھی اور دوپہر کے وقت وہاں سوئے (قیلولہ) تھے۔حضرت مطری نے اس مسجد کا ذکر نہیں کیا البتہ ان کے بعد مجد نے ذکر کیا ہے لیکن وہ بے فائدہ ہے جبکہ اسدی نے اسے چھیڑا ہی نہیں۔

مسجد المنبجس

انہی میں سے مسجد المنبجس ہے جو عرج کی پچھلی طرف ایک ٹیلے کے پہلو میں ہے۔نسخہ مجد اور زین مراغی کی تحریر میں ''بطریق تلعہ'' کے لفظ آئے ہیں' یہ غلطی ہے کیونکہ بخاری اور ابن زبالہ نے یہاں ''طرف'' کا لفظ لکھا ہے۔چنانچہ امام بخاری مسجد رویثہ میں گذری روایت نافع کے بعد بروایت عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہضبہ کو جاتے ہوئے عرج کی پچھلی طرف ٹیلے کی جانب نماز پڑھی۔اس مسجد کے قریب دو یا تین قبریں تھیں جن پر راستے کی دا ہنی طرف اوپر نیچے پتھر رکھے تھے' یہ قبریں راستے پر کھڑے درختوں کے پاس تھیں اور ان درختوں کے درمیان سورج ڈھلنے پر حضرت عبداللہ عرج سے چل پڑتے اور اس مسجد میں نماز پڑھتے۔ابن زبالہ نے اسی روایت میں لکھا ہے: جب تم عرج

سے پانچ میل کے فاصلے پر جاؤ تو اس کے پیچھے ہضمہ کو جاتے ہوئے مسجد میں نماز پڑھی۔
اسدی لکھتے ہیں کہ عرج سے تین میل کے فاصلے پر مشرقی جانب رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ ہے جو وادی سے پہلے ہے اور اسے مسجد المنبجس کہتے ہیں۔ یہ منبجس' عرج کی ایک وادی ہے' اس عرج سے آٹھ میل کے فاصلے پر منبجس نامی چشمے (یا کنوئیں) پر دو حوض ہیں۔ انتہٰی' شاید یہ وہی مسجد ہے۔

مسجد لحی جمل

انہی میں سے مسجد لحی جمل تھی چنانچہ اسدی کہتے ہیں کہ "طلوب" سے ایک میل کے فاصلے پر رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ اس مقام پر تھی جسے "لحی جمل" کہتے ہیں۔ پھر کہا کہ "طلوب" بھاری پانی کا ایک کنواں تھا جو عرج سے گیارہ میل کے فاصلے پر تھا جبکہ سقیا نامی کنواں طلوب کے بعد چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ بتاتے ہیں کہ سقیا سے ایک میل پہلے وادیٔ عاند آتی ہے جسے وادی فاحہ بھی کہا جاتا ہے' یہ بنو غفار کی طرف منسوب ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ یہ مسجد' سقیا اور قاحہ سے پہلے اور عرج کے بعد مذکورہ فاصلے پر ہے۔
اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ابن زبالہ نے ان مسجدوں سے پہلے یہ حدیث لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حالتِ احرام میں اس جگہ پچھنے لگوائے جسے "لحی جمل" کہا جاتا ہے اور وہ مکہ کے راستے میں ہے۔
انہی کی ایک اور روایت ہے کہ آپ نے "قاحہ میں پچھنے لگوائے تھے' اس وقت آپ حالتِ احرام میں روزہ سے تھے' اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ قاحہ کے قریب تھی لیکن میں نے دیکھا کہ یحییٰ نے ان مسجدوں کا ذکر کرتے ہوئے' کتاب کے آخر میں اس حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر اپنی کتاب ختم کی: احمد بن محمد بن یونس الاسکاف کے قلم سے جو کتاب کی آخری جزء میں انہوں نے نقل کیا۔ میں کہتا ہوں کہ انہوں نے اس حدیث میں اس مسجد کا ذکر نہیں کیا جو سقیا اور ابواء کے درمیان تھی اور جسے مسجد لحی جمل کہا جاتا ہے۔ انتہٰی اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مسجد سقیاء کے بعد' اس کے اور ابواء کے درمیان تھی' قول عیاض سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے' دیکھئے: ابن وضاح کہتے ہیں کہ لحی جمل حجفہ کی پچھلی طرف ہے۔ ایک اور مؤرخ نے لکھا ہے کہ سقیا سے سات میل کے فاصلے پر ہے۔ بخاری کے ایک راوی نے اسے "لحیی جمل" لکھا ہے' یہ لفظ ان کی اس حدیث میں آتا ہے: **احتجم النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بلحیی جمل**۔ علامہ مجد کہتے ہیں کہ یہ ایک گھاٹی ہے جو سقیا سے سات میل کے فاصلے پر تھی تاہم کتاب مسلم میں ہے کہ یہ کنواں تھا۔

مسجد السقیا

انہی میں سے مسجد سقیا بھی ہے۔ ابن زبالہ کے مطابق مسجدوں کے ذکر میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد سقیا میں نماز پڑھی۔

حضرت اسدی نے طلوب اور سقیا کے درمیان فاصلہ کا ذکر کیا ہے کہ سقیا میں پہاڑ کی طرف رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ تھی جس کے پاس میٹھا کنواں (یا نالہ) تھا۔ پھر انہوں نے ذکر کیا کہ سقیا میں دس سے زیادہ کنوئیں تھے جن میں سے ایک کے پاس حوض تھا۔ پھر لکھا کہ اس جگہ گہرے پانی کا نالہ تھا جو منزل میں حوض کے اندر گرتا تھا' یہ حسن بن زید کی اراضی کی طرف جاتا تھا جہاں بہت سے کھجور کے درخت تھے۔ یہ بند ہو گیا تھا پھر ۲۴۳ھ میں دوبارہ جاری ہوا' پھر ۲۵۳ھ میں پھر بند کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس منزل سے ایک میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے جس میں کھجور کے درخت' زرعی زمین اور حسن بن زید کی اراضی ہے' وہاں تیس نالے ایسے ہیں جن پر کھیتی باڑی کا دارومدار ہے' وہاں وہ پچاس نالے بھی ہیں جو متوکل کے زمانے میں بنے تھے اور ان کا پانی میٹھا تھا جن کے پانی کی گہرائی انسانی قد کے لگ بھگ تھی۔

پھر سقیا کا بیان کر کے کہا کہ سقیا سے تین میل کے فاصلے پر ایک نالہ تھا جسے ''تعہن'' کہتے تھے۔ انتہی چنانچہ صحیح بخاری میں ابو قتادہ کی حدیث میں ''تعہن میں برکۃ (حوض) کا ذکر ہے' یہ سقیا کے سامنے تھا۔ آئندہ تعہن کے تعارف میں آ رہا ہے کہ وہ سقیا سے پہلے تھا اور یہ بھی بتایا جائے گا کہ آج کل کے مطابق مشہور یہ ہے کہ وہ اس کے بعد ہے۔

مسجد مدلجہ تعہن

انہی میں سے ایک مسجد مدلجہ تعہن ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدلجہ تعہن میں نماز پڑھی اور وہاں ایک مسجد بنائی پھر ثنیہ رکوبہ میں نماز پڑھی اور وہاں مسجد بنوائی۔

میں کہتا ہوں کہ اسدی کے علاوہ کسی مؤرخ نے اس کا ذکر نہیں کیا اور پہلے گذر چکا کہ تعہن' سقیا کے بعد تین میل کے فاصلے پر ہے۔

مسجد الرمادہ

انہی میں سے مسجد الرمادہ ہے چنانچہ اسدی لکھتے ہیں کہ: ابواء کے قریب دو میل کے فاصلے پر نبی کریم ﷺ کی سجدہ گاہ تھی جسے مسجد الرمادہ کہتے تھے اور پھر یوں بیان کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ابواء' مکہ کی جانب سقیا کے بعد اکیس میل کے فاصلے پر ہے اور یہ کہ ان دونوں اکیس میل کے فاصلے پر ہے اور یہ کہ ان دونوں کے درمیان قشیری نامی کنواں ہے' اس میں پانی کی تہہتات ہے اور اس کے اوپر دکھائی دینے والے بائیں طرف کے پہاڑ کو ''قدس'' کہتے ہیں جس کا پہلا حصہ عرج میں ہے اور آخری اس کنوئیں کے پیچھے ہے اور وہ پہاڑ جو دا ہنی طرف اس کے مقابل ہے' اسے باقل کہا جاتا ہے جبکہ ان دونوں پہاڑوں کی درمیانی وادی کا نام ''وادیٔ ابواء'' ہے۔ انتہی۔

مسجد الابواء

انہی مسجدوں میں سے ایک ''مسجد الابواء'' ہے چنانچہ علامہ اسدی نے ابواء اور جحفہ کے درمیانی مقام پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا تھا کہ جحفہ' ابواء کے بعد تیرہ میل کے فاصلے پر تھا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: ابواء کے درمیان رسول اللہ

ﷺ کی سجدہ گاہ تھی۔ پھر کنوؤں اور حوضوں کا ذکر کیا جن میں سے ایک حوض محل کے قریب تھا چنانچہ لکھا: جب تم وادیٔ ابواء سے دو میل گذر جاؤ تو تمہاری بائیں جانب گھاٹیاں ہیں جنہیں ''غلعان الیمن'' کہا جاتا ہے پھر بتایا کہ ودّان راستے سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے' اس میں وہی لوگ ٹھہرتے ہیں جو صرف ابواء میں ٹھہرتے ہیں لہٰذا جو بھی ابواء میں جانا چاہتا ہے تو سقیا سے ہو کر وہاں جاتا ہے' وہاں کئی گہرے پانی کے کنوئیں ہیں جن پر سات گھاٹ ہیں اور ایک حوض ہے پھر وہاں سے کوچ کر کے ھرشی کے قریب جا نکلتے ہیں' اس کے اور ودان کے درمیان پانچ میل کا فاصلہ ہے۔ اس راستے پر میلوں کے نشانات ہیں جو متوکل کے حکم سے لگائے گئے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں راستے آج کل عام لوگوں کے راستے کی بائیں طرف ہیں اور ودان کی نچلی طرف' آج کل یہ کنواں خشک ہے' اس میں پانی موجود نہیں ہاں بدر سے رابغ کی طرف لایا جاتا ہے۔

مسجد البیضہ

ان میں سے ایک کا نام مسجد البیضہ تھا چنانچہ اسدی کہتے ہیں کہ ابواء سے تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ ہے جسے بیضہ کہتے ہیں۔

مسجد عقبہ ہرشی

انہی میں مسجد عقبہ ہرشی ہے چنانچہ اسدی لکھتے ہیں کہ ابواء سے آٹھ میل کے فاصلے پر عقبہ ھرشی ہے۔ یہاں گھاٹی کے دامن میں حضور ﷺ کی مسجد گاہ ہے' یہاں مکہ اور مدینہ کے درمیان نصف راستے کا پتہ ایک میل کے نشان سے چلتا ہے۔ یہ اس میل کی حد ہے جس پر سات میل لکھا ہے۔ انتہٰی۔

مسجد الجحفہ

انہی میں سے جحفہ کے مقام پر دو مسجدیں تھیں چنانچہ اسدی جحفہ اور قدید کے درمیانی راستے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جحفہ کی ابتداء میں رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ تھی جسے ''غورث'' کہتے تھے اور اس سے آگے دو نشانوں کے پاس ایک اور مسجدہ گاہ تھی جسے ''مسجد الائمہ'' کہتے تھے۔

مسجد غدیر خم

انہی میں سے جحفہ کے بعد ایک مسجد ہے' میرے خیال میں یہ مسجد غدیر خم ہے چنانچہ اسدی نے لکھا تھا: جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر راستے سے ہٹ کر' کنوئیں کے برابر رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ تھی' ان دونوں کے درمیان غیضہ تھا' یہ غدیر خم تھا اور یہ جحفہ سے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ انتہٰی۔

قاضی عیاض نے کہا کہ غدیر خم میں نالہ گرتا تھا' اس غدیر خم اور نالہ کے درمیان حضور ﷺ کی سجدہ گاہ تھی۔ انتہٰی۔

مجھے ایک شخص نے بتایا کہ اس نے جحفہ سے اتنی ہی مسافت پر یہ مسجد دیکھی تھی تاہم سیلاب نے اس کا کچھ حصہ گرا دیا تھا۔

مسند احمد کے مطابق حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ غدیر خم پر گئے، جماعت کی آواز آئی اور رسول اللہ ﷺ کے لئے درخت کے نیچے جگہ صاف کر دی گئی چنانچہ آپ نے وہاں نماز پڑھی، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا تم جانتے نہیں کہ میں مومنوں کے لئے ان کی جانوں سے بھی قریب ہوں؟ انہوں نے عرض کی، ہاں پھر حضرت علی کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: جس کا میں مولا ہوں، علی بھی اس کا مولیٰ ہے، اے اللہ! جو علی سے محبت رکھے، تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے دشمنی رکھے، اس سے دشمن فرما۔ حضرت براء کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن سے ملے اور کہا: اے علی! آپ کو مبارک ہو، آج سے آپ ہر مؤمن مرد و عورت کے لئے مولیٰ بن گئے ہیں۔

مسجد طرف قدید

انہی میں سے ایک اور مسجد ہے جس کے بارے میں اسدی نے کہا وہ قدید کی جانب سے تین میل کے فاصلے پر ہے اور یہ بھی بتایا کہ اُم معبد خزاعیہ کے دونوں خیمے اور ''مناۃ الطاغیہ'' کی جگہ، دور جاہلیت میں اسی مسافت پر تھے۔

میں کہتا ہوں کہ مکہ جاتے ہوئے مجھے ایک قدیم مسجد کا پتہ چلا جو طرف قدید کے نزدیک تھی، وہ راستے کی دائیں جانب اونچی تھی اور پتھر چونے سے بنی ہوئی تھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مسجد قدید تھی۔

حرّہٴ خلیص کے قریب ایک مسجد

انہی میں سے خلیص نامی گھاٹی کی پتھریلی جگہ کے قریب ایک مسجد تھی۔ اسدی کہتے ہیں کہ یہ قدید اور ابن بزیع کے نالے تک خلیص نامی جگہ تھی جو یہاں سے آٹھ میل سے زائد فاصلے پر تھی۔ اسدی نے وہاں قدید میں کئی کنوؤں کا ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں: خلیص اس کے پیچھے ہے، اس کے اور خلیص کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے" یہ وہ گھاٹی ہے جو راستہ میں آنے والے پتھریلے علاقے کو قطع کرتی ہے، اس پتھر جگہ کو ظاہر البرکۃ کہا جاتا ہے، اس پتھریلی جگہ پر درخت اُگتے ہیں اور اسی کے نزدیک حضور ﷺ کی سجدہ گاہ ہے۔

مسجد خلیص

انہی میں مسجد خلیص تھی جس کے بارے میں اسدی کہتے ہیں کہ خلیص ایک گہرا اور بہت پانی والا کنواں ہے، وہاں کھجور کے بہت سے درخت، حوض اور گذرگاہیں ہیں اور پھر رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ بھی ہے۔

مرِّ ظہران کے بیچ میں ایک مسجد

انہی میں سے ایک مسجد بطن مرّ الظہر ان تھی جس کے بارے میں امام بخاری نے کہا تھا: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ حضور ﷺ مدینہ کی ایک جانب' مر الظہر ان کے نزدیک پانی کی ایک گذرگاہ پر ٹھہرا کرتے' یہاں اس وقت تشریف لاتے جب آپ صفراوات سے نیچے آتے اور پانی کی اس گذرگاہ میں اس راستہ کی بائیں طرف آتے جو مکہ کو جاتے ہوئے آتا ہے' حضور ﷺ کے ٹھکانے اور راستے کے درمیان صرف اتنا فاصلہ تھا جتنی دور پتھر پھینکنے پر ہوتا ہے۔

علامہ مطری اس مسجد کے بارے میں بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب تم مکہ کی طرف جا رہے ہوتے ہو اور صفراوات سے اُترتے ہو تو راستے کی بائیں جانب یہ وادی مر الظہر ان میں آتی ہے اور مر الظہر ان ایک معروف جگہ ہے لیکن آج کل یہ مسجد نامعلوم ہے۔ انتہٰی۔

علامہ زین مراغی لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ یہ وہی مسجد ہے جو مسجد الفتح کے نام سے جانی جاتی ہے۔ انتہٰی اور علامہ تقی فاسی لکھتے ہیں: وہ مسجد جو مسجد الفتح کہلاتی ہے اور وادیٔ مر الظہر ان میں جموم کے قریب ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ان مسجدوں میں سے ہے جن میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ پھر مراغی کی بات نقل کی اور پھر لکھا: جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کی از سرِ نو تعمیر ابو علی صاحب مکہ نے کی تھی اور اس کے بعد اسے شریف حیاش نے بنایا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس دور میں اس پر سفیدی کرنے اور اسے بچانے کے لئے دروازے اونچے کرنے کا کام الشریف حسن بن عجلان نے کرایا ہے۔ انتہٰی۔ یہ وہ مسجد تھی جسے جموم سے مکہ کی طرف جانے والا اپنی بائیں طرف پانی کے ذخیرے کے پاس دیکھتا ہے۔

علامہ اسدی لکھتے ہیں کہ مکہ اور مر الظہر ان کے درمیان سترہ میل کا فاصلہ ہے اور اس بطن مرّ میں رسول اللہ ﷺ کی ایک سجدہ گاہ ہے اور پھر پانی کا حوض ہے جس کی لمبائی تیس ہاتھ ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ حوض عقیق نامی نالے سے بھر جایا کرتا ہے۔ اسدی کہتے ہیں کہ اس حوض کے قریب ہی دو کنوئیں ہیں۔

مسجد سَرِف

انہی میں سے ایک مسجد سرف تھی اور یہی وہ مسجد ہے جس میں سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک ہے' میں وہاں حاضر ہوا اور زیارت سے مشرف ہوا' ایک روایت میں ہے کہ آپ کو "سرف" میں دفن کیا گیا اور حضور ﷺ نے اس پر تعمیر فرمائی تھی۔

حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ حضور ﷺ جب بھی کسی مقام پر ٹھہرتے تو اسے چھوڑنے سے پہلے وہاں دو رکعت نفل پڑھتے۔ اسدی نے یہ الفاظ لکھے ہیں: مسجد سرف' مر کے مقام سے سات میل کے فاصلے پر تھی جبکہ

زوجۂ رسول اللہ ﷺ حضرت سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر شریف سرف کے قریب ہے۔

علامہ تقی فاسی لکھتے ہیں کہ: قابلِ زیارت قبروں میں سے ایک حضرت سیّدہ میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مبارک قبر ہے' یہ وادیٔ مُر کے راستے میں مشہور ہے۔علامہ تقی مزید لکھتے ہیں کہ میں نے مکہ اور اس کے اردگرد قبرِ میمونہ کے علاوہ اور کسی صحابی (یا صحابیہ) کی قبر نہیں دیکھی کیونکہ پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی باتیں تو کیا ہی کرتے ہیں۔

مسجد التنعیم

انہی میں سے ایک مسجد التنعیم میں ہے جس کے بارے میں علامہ اسدی لکھتے ہیں کہ یہ تنعیم حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک سے تین میل کے فاصلے پر ہے' یہ شجرہ والی جگہ ہے' یہاں حضور ﷺ کی سجدہ گاہ ہے اور یہاں کئی کنوئیں ہیں' جس نے بھی عمرہ کرنا ہوتا ہے' یہیں سے احرام باندھتا ہے پھر لکھتے ہیں: اہلِ مکہ کے احرام باندھنے کی جگہ مسجد عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے اور یہ شجرہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے اور وہ مکہ کے نزدیک چار میل کے فاصلے پر ہے' اس کے اور علاماتِ حرم کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ جہاں تیر چھوڑنے پر پہنچ جائے۔

میں کہتا ہوں کہ تنعیم میں کئی مسجدیں ہیں' ان میں سے دو میں اختلاف ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام سے کونسی منسوب ہے۔علامہ تقی اور ان کے علاوہ کسی اور نے تنعیم میں حضور ﷺ کی کسی سجدہ گاہ کا ذکر نہیں کیا۔

علامہ تقی نے مسجد عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہ وہ مسجد ہے جس میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ یہ وہ مسجد ہے جسے ھلیلجہ کہتے ہیں کیونکہ یہاں ھلیلج کا درخت (کانٹے دار) موجود تھا جو تھوڑا عرصہ گذرا کہ گر چکا ہے' اہلِ مکہ کے ہاں یہی نام مشہور ہے جیسے سلیمان بن خلیل بتاتے ہیں اور پھر اس میں ایک پتھر پر لکھائی اس بات کی تائید بھی کرتی ہے۔کچھ یہ کہتے ہیں کہ جس مسجد کے نزدیک نالہ ہے' وہ یہی مسجد ہے اور وہ مسجد اس کے اور مسجد علی کہلانے والی مسجد کے درمیان اس وادی میں ہے جسے وادیٔ مر الظہر ان کہتے ہیں' اس میں بھی ایک لکھا ہوا پتھر موجود ہے جو اس بات کی تائید کرتا ہے' تاہم محبّ طبری نے اسی مسجد کو مسجد عائشہ قرار دیا ہے جس کے نزدیک کنواں ہے اور یہی بات اسحاق خزاعی وغیرہ کی کلام سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ: مسجد ھلیلجہ اور علامات کے اوّل میں سات سو چودہ ہاتھ کا فاصلہ ہے' یہ پیمائش لوہے والے ذراع کے لحاظ سے ہے اور اس کے اور دوسری مسجد کے درمیان آٹھ سو بہتر ہاتھ کا فاصلہ ہے۔البتہ اسدی کی کلام کا قریبی معنٰی یہ ہے کہ مسجد عائشہؓ وہی مسجد ھلیلجہ ہے کیونکہ یہ دوسری مسجد کی بہ نسبت حرم کی علامتوں کے زیادہ قریب ہے تاہم میرے خیال میں حضور ﷺ کے نام سے منسوب یا تو مسجد علی ہے یا پھر دوسری مسجد ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کتنے عمرے کئے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چار عمرے کئے تھے' عمرہ حدیبیہ' عمرۃ القضاء' عمرۃ التنعیم اور عمرۃ الجعرانہ۔

میں کہتا ہوں کہ عمرۃ التنعیم کا ذکر تو معروف نہیں اور چوتھے کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ وہ عمرہ تھا جس میں آپ نے حج بھی کیا' شاید تنعیم کی نسبت اس لئے تھی کہ حضور ﷺ مکہ میں جاتے وقت اسی راستے سے تشریف لائے تھے۔

مسجد ذی طویٰ

انہی میں سے ایک مسجد طویٰ ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ مسجد بطن مَر کے بارے میں حضرت نافع کی روایت سے لکھ چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ نے بتایا: نبی کریم ﷺ ذی طویٰ میں ٹھہرا کرتے اور رات وہیں قیام فرماتے اور پھر صبح ہوتی تو نماز پڑھ کر مکہ کو تشریف لاتے۔رسول اللہ ﷺ کا مصلّٰی ایک سخت ٹیلے پر تھا' اس مسجد میں نہ تھا جو وہاں بنائی گئی' اس سے ذرا نچلی طرف تھا۔

حضرت عبداللہ نے حضرت نافع کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ مکہ کی طرف جاتے ہوئے اس پہاڑ اور طویل پہاڑ کی درمیانی جگہ کی طرف متوجہ ہوئے چنانچہ وہاں کی مسجد کو ٹیلے والی مسجد کی بائیں طرف رکھا' حضور ﷺ کا مصلّٰی اس سے نیچے سیاہ ٹیلے پر تھا' ان دونوں ٹیلوں کے درمیان تقریباً دس ہاتھ کا فاصلہ تھا' اسے چھوڑ کر تم اس پہاڑ کے درمیان دو خالی جگہوں کی طرف توجہ کرو جو تمہارے اور کعبہ کے درمیان تھا۔انتہٰی۔

علامہ مطری کہتے ہیں اور بعد والوں نے آپ کی پیروی کی ہے کہ وادیٔ ذی طویٰ مکہ میں دو پہاڑیوں کے درمیان ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ وادی اہلِ مکہ کے نزدیک حجونین کے درمیان مشہور ہے اور یہ بات علامہ ازرقی کے قول سے ملتی جلتی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں: وادیٔ ذی طویٰ' معلّٰی نامی قبرستان کی پہاڑی میں اُترنے کی جگہ پر ہے جو خضراء تک جاتی ہے اور مہاجرین کی قبروں تک پہنچتی ہے۔انتہٰی۔

علامہ اسدی' مسجد عائشہ اور مکہ کے درمیانی جگہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مسجد عائشہ کے بعد دو میل کا کھلا میدان ہے اور اس کے بعد راستہ سے ہٹ کر عصبۃ المذنبین ایک میل کے فاصلے پر ہے اور ذی طویٰ کا فاصلہ مسجد تک تقریباً نصف میل ہے۔

ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ مسجد ذی طویٰ میں نماز پڑھنا مستحب ہے' یہ مسجد مسجد ثنیۃ المذنبین (جو مکہ کے قبرستان کی بالائی طرف ہے) اور اس گھاٹی کے درمیان ہے جو حصحاص میں اُترتی ہے اور یہ مسجد ثنیۃ زبیدہ ہے۔انتہٰی۔

فصل نمبر٤

ہمارے دور کے حاجی حضرات کے راستے میں مکہ اور مدینہ کے درمیان دیگر مسجدیں نیز مشبان اور اس کے قرب و جوار کی سجدیں' پھر ان مقامات کا ذکر جہاں حضور ﷺ ٹھہرے لیکن مسجد نہیں بنائی

دبة المستعجله

ان میں سے ایک جگہ دبۃ المستعجلہ ہے' یہ ریت کا ایک ٹیلہ تھا چنانچہ حضرت محمد بن فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک تنگ جگہ پر دبۃ المستعجلہ میں قیام فرما ہوئے چنانچہ بئر شعبہ صابہؔ سے آپ کے لئے پانی لایا گیا جو دبہؔ سے نچلی طرف تھا۔ یہ اس جگہ سے کبھی جدا نہیں ہوا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ ''مستعجلہ'' وہی تنگ جگہ ہے کہ حاجی جب صفراء کو جاتا ہے تو وہاں سے گذرتا ہے یعنی خیف بنی سالم کے فرکان کی اعلیٰ جانب سے۔

شعب سیر

علامہ مطری کہتے ہیں کہ ابن اسحاق نے بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ''شعب سیر'' میں ٹھہرے تھے اور یہ وہ گھاٹی ہے جو مستعجلہ اور صفراء کے درمیان ہے' یہاں آپ نے اہلِ بدر میں مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تھا۔ یہاں ہمیشہ پانی موجود رہتا ہے۔انتہٰی۔

میں کہتا ہوں کہ یہی بات تہذیب ابن ہشام میں بھی موجود ہے: رسول اللہ ﷺ بدر سے واپس ہوئے اور جب مضیق الصفراء سے باہر آئے تو مضیق اور نازیہ کے درمیان ایک ٹیلے پر ٹھہرے جسے ''سیر'' کہتے تھے' آپ سرحہ کو جا رہے تھے جہاں مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ سیر کا مقام بدر سے آنے والے کے لئے مضیق الصفراء کے بعد آتا ہے' اس کے بعد نازیہ ہے اور اگر مستعجلہ وہی مضیق الصفراء ہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مقامِ

سیر' اس کے اور نازیہ کے درمیان تھا اور یہ بات مطری کے خلاف ہے کہ یہ مستعجلہ اور صفراء کے درمیان تھا لہٰذا مضیق الصفراء کا مطلب مستعجلہ ہی لینا چاہئے اور مضیق الصفراء یہاں خیف کی نچلی جانب ہوگی کیونکہ جس کا ذکر مطری نے کیا ہے وہ ''شعب سیر'' میں ہے اور وہی آج کل مشہور ہے اور اس لئے بھی کہ میں نے ایسے کاغذات دیکھے جن کے مولف کا نام معلوم نہ ہو سکا' ان میں لکھا ہے کہ شعب سیر وہی جگہ ہے جو ان حاجیوں کے لئے تھی جو مستعجلہ سے واپس ہو کر فرکان الخیف میں ٹھہرتے۔

وہ لکھتے ہیں کہ وہاں ایک قدیم حوض ہے اور یہ وہ گھاٹی ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان تھی جو جبال مضیق کے نام سے جانے جاتے ہیں' یہ صفراء کے اوپر تھی' اس کے اور مستعجلہ کے درمیان آدھے فرسخ کا فاصلہ تھا۔انتھی یہ برکۃ اور موضع جیسے کہ بتایا گیا' مشہور ہیں اور شاید یہی مقامِ سیر وہ ہے جو ابن زبالہ کے نزدیک دبہّ کے نام سے جانا جاتا ہے کیونکہ یہاں ریت جمع ہے' اسی کو ابنِ اسحاق نے ٹیلہ کہہ دیا ہے اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ خیف کا مقام سب کا سب اعلیٰ ہے جبکہ مضیق الصفراء نیچا ہے۔

چند مسجدوں کا ذکر

ان میں سے ایک مسجد ذاتِ اجدال میں ہے' ایک مضیق کے مقام جیز تینمیں' ایک ذفران میں اور ایک جگہ ذنب ذفران میں ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق ابن فضالہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مضیق الصفراء کے مقام ذاتِ اجدال میں نماز پڑھی پھر مضیق کے مسجد جیز تینمیں پڑھی پھر مسجد ذفران میں پڑھی تھی پھر آپ نے سامنے والے ذنب ذفران میں پڑھی جو صفراء میں داخل ہوتی ہے۔وہ بتاتے ہیں کہ وہاں ایک کنواں کھودا گیا جس کے بارے میں آتا ہے کہ یہاں حضور ﷺ نے پیشانی مبارک لگائی تھی چنانچہ یہ کنواں باقی سب اردگرد کے کنوؤں سے میٹھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مضیق الصفراء کی طرف تو اشارہ کیا جا چکا تاہم ذفران ایک مشہور وادی ہے جو صفراء سے کچھ پہلے آتی ہے' اس کا پانی اس میں گرتا ہے اور مصری حاجی لوگ مدینہ سے واپسی پر یہاں سے ینبع کو جاتے تھے وہ لوگ صفراء کو بائیں طرف چھوڑ کر ذات الیمین کی طرف جاتے تھے۔

ابن اسحاق حضور ﷺ کے بدر کو تشریف لے جانے کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ جب آپ منصرف (مسجد غزالہ کے پاس) پہنچے تو مکہ کے راستے کو بائیں طرف چھوڑ دیا اور بدر کو جانے کے لئے دائیں طرف نازیہ پر چل پڑے اور اس کی ایک جانب چلتے ہوئے وادی رجفان سے آگے نکل گئے جو نازیہ اور مضیق الصفراء کے درمیان تھی مضیق پہنچے پھر اُٹھ کھڑے ہوئے اور جب صفراء کے قریب پہنچے۔اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ آپ نے جاسوسی کے لئے ایک شخص کو روانہ فرمایا۔

پھر کہتے ہیں کہ آپ نے کوچ فرمایا اور جب صفراء کے سامنے ہوئے (دو پہاڑوں کے درمیان ایک بستی) تو

دونوں پہاڑوں کے نام پوچھے کہ کیا ہیں؟ صحابہ نے عرض کی کہ ایک کا نام ''مسلح'' ہے اور دوسرے کے بارے میں کہا کہ یہ ''مجری'' ہے پھر وہاں کے رہنے والوں کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ بنو نار اور بنو حراق ہیں جو بنو غطفان کی شاخ تھے چنانچہ آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور یہاں سے گذرنے پر افسوس فرمایا' ان جگہوں اور وہاں رہنے والوں کے ناموں سے بدفالی لی چنانچہ صفراء کو بائیں طرف چھوڑا اور دائیں طرف اس وادی میں چلے جو ذفران کہلاتی تھی۔

مسجد ذفران

میں کہتا ہوں کہ ذفران کے مقام پر آج کل ایک مسجد دکھائی دیتی ہے جسے لوگ متبرک جانتے ہیں اور یہ ینبع جانے والوں کی بائیں طرف آتی ہے' میرا خیال ہے کہ یہ مسجد ذفران ہے اور ذفران کی طرف پہنچنے سے پہلے میں نے دیکھا کہ وہاں ایک مسجد ہے جو چونے سے بنی ہے اور راستے سے قدرے اونچی ہے' لوگ اس میں نفل پڑھنا متبرک جانتے ہیں' اس کے قریب کوئی گھر نہیں تو ظاہر ہے کہ یہ انہی مذکورہ مسجدوں میں سے ایک ہے پھر اس کے محراب کے سامنے ایک پرانی اور مضبوط قبر دیکھی' شاید یہ حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب کی قبر تھی' ان کے بارے میں ابن اسحاق وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ صفراء میں فوت ہوئے تھے اس زخم سے جو بدر میں جنگ کی دعوت دینے پر آپ کو لگا تھا لیکن انہوں نے ان کا مقامِ دفن نہیں بتایا تاہم ابن البر نے اس کے بعد کہا: یہ روایت ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے صحابہ کے ہمراہ نازبین کے مقام پر ٹھہرے تو صحابہ سے پوچھا کہ ہمیں کستوری کی خوشبو آ رہی ہے' آپ نے فرمایا یہ کیسے رُک سکتی ہے؟ یہاں تو معاویہ کے باپ یعنی عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر ہے انتہی۔ آج کل یہ نازبین کسی کو معلوم نہیں۔

حضرت مطری نے حضرت عبیدہ کے صفراء میں وصال بیان کرنے کے بعد لکھا کہ: حضور ﷺ نے انہیں یہاں دفن فرمایا' ان دنوں وہ عبد مناف کی اولاد میں سب سے زیادہ عمر والے تھے۔

حضرت زین مراغی لکھتے ہیں کہ ان کا صفراء میں وصال زخم کی بناء پر ہوا تھا کیونکہ ان کی قبر ذفران میں تھی میں نے ان کے ہاتھ کا لکھا یونہی دیکھا ہے لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں اور رسول اللہ ﷺ بدر سے واپسی پر ذفران میں تشریف نہیں لے گئے' آپ صفراء کی طرف تشریف لے گئے تھے ہاں ذفران کی جانب ضرور تشریف لے گئے تھے۔

مسجد الصفر اء

انہی میں سے ایک مسجد صفراء میں تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت طلحہ بن ابوجدیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مسجد الصفر اء میں نماز پڑھی تھی۔

میں بتاتا چلوں' مجھے ایک شخص نے بتایا کہ صفراء میں یہ مسجد اب بھی موجود ہے اور لوگ اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔

مسجد ثنیۂ مبرک

انہی میں سے ایک مسجد ثنیۂ مبرک میں ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت اصبغ بن مسلم اور عیسیٰ بن معن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب ثنیۂ مبرک سے سامنے آئے تو وہاں کی ایک مسجد میں نماز پڑھی' اس مسجد اور دعان کے درمیان پانچ یا چھ میل کا فاصلہ تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ثنیۂ مبرک معروف جگہ ہے' جب تم نچلی جانب سے (خیف بنی سالم کی طرف سے) مغرب میں ینبع کی طرف جاؤ تو داہنے ہاتھ کو آتی ہے جبکہ صفراء کا راستہ بائیں طرف ہے۔

مسجد بدر

انہی میں سے مسجد بدر بھی ہے' وہ ٹاٹ جو بدر کے دن حضور ﷺ کے لئے بنایا گیا تھا' وہ یہیں رکھا تھا اور یہ مسجد کھجور کے درختوں کے درمیان بطن وادی کے قریب آج بھی مشہور ہے' نالہ اس کے قریب ہے' اسی کے قریب قبلہ کی جانب ایک اور مسجد ہے جسے اھل بدر مسجد النصر کہتے ہیں۔ مجھے اس بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔

مسجد العشیر ہ

انہی میں سے ایک مسجد العشیر ہ ہے جو ینبع میں مشہور ہے' یہ اس بستی کی مسجد ہے جہاں مصری حاجی ینبع میں ٹھہرتے وقت جاتے ہیں' ایسا وہ آتے جاتے وقت کیا کرتے ہیں چنانچہ ابنِ زبالہ کے مطابق حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مسجد ینبع میں ''بولا'' نالے کے قریب نماز پڑھی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ نالہ اب تک وہاں جاری ہے لیکن وہ اس نام سے مشہور نہیں۔

حضرت مجد کہتے ہیں کہ آج کل یہ مسجد ان مسجدوں میں شمار ہوتی ہے جس کا ارادہ لے کر لوگ جاتے ہیں اور جو مشہور ہیں اور یہ ان عبادت خانوں میں سے ہے جہاں لوگ حاضری دیتے ہیں' لوگ نذریں لے کر یہاں حاضر ہوتے ہیں' اس کی زیارت کرکے اور یہاں حاضر ہو کر اللہ کا قرب چاہتے ہیں۔ مومن کے لئے یہاں کچھ دیکھنے کو موجود ہے اور یہاں ایسا انس و محبت ملتا ہے کہ گویا حضور ﷺ کی بارگاہ میں ہیں۔

مساجد الفُرع

انہی میں سے فُرع کے مقام پر تین مسجدیں ہیں' مکہ کی طرف جانے والے یہاں سے گذرتے ہیں چنانچہ ابنِ زبالہ کے مطابق حضرت ابوبکر بن حجاج وغیرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فُرع کے ٹیلے پر تشریف لے اور اس کی اونچی مسجد میں قیلولہ فرمایا اور سو گئے' پھر بیدار ہوئے اور ظہر کی نماز نیچے کی طرف مسجد میں پڑھی جو ٹیلے پر تھی' پھر فُرع کی طرف تشریف لے گئے اور اسے برکت دی' حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اعلیٰ مسجد میں جاتے اور اس میں

قیلولہ کرتے' بنو اسلم کی کوئی عورت بستر لے کر آتی تو آپ لینے سے انکار کر دیتے اور فرماتے کہ میں اسی جگہ اپنا پہلو رکھوں گا جہاں حضور ﷺ نے رکھا تھا' یونہی حضرت سالم بن عبد اللہ بھی کرتے پھر عبد اللہ بن مکرم اسلمی کہتے ہیں کہ ہمارے ایک بزرگوار نے بتایا کہ حضور ﷺ نے برود میں ایک مسجد کے اندر قیام فرمایا جو مضیق فرع میں تھی اور اس میں نماز پڑھی۔

مسجد الضیقہ

انہی میں سے ایک مسجد ضیقہ اور کہف اعشار میں تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق ابو بکر بن حجاج اور سلیمان کے والد عاصم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ضیقہ میں نماز پڑھی جس سے نکلنے کا راستہ ذاتِ حماط میں تھا' زبیر نے ذات الحماط کا ذکر ان وادیوں میں کیا ہے جو وادی عقیق میں آ گرتی تھیں' یہ قبلہ کی طرف بقیع کے قریب مغرب میں تھی' پھر انہوں نے یہ حدیث روایت کی اور پھر ان وادیوں میں کہف اعشار کو بھی شمار کیا اور پھر بتایا کہ حضور ﷺ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر کہف اعشار میں ٹھہرے اور وہاں نماز پڑھی تھی۔

مسجد مقمل

انہی میں سے مسجد مقمل بھی تھی' یہ نقیع کے درمیان تھی' حضور ﷺ کی چراگاہ تھی اور مدینہ سے دو دن کے فاصلے پر درب المشبان کی طرف تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد کے دادا کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نقیع کے درمیان میں مقمل کے مقام پر سامنے آئے اور اس پر نماز پڑھی چنانچہ وہاں آپ کی مسجد ہے۔

ابو ہیصمدنی کہتے ہیں کہ ابو البختری وھب بن وھب نے مدینہ میں حکمرانی کے موقع پر مجھے اسّی درہم بھیجے تھے چنانچہ میں نے اسے تعمیر کیا۔

ابو علی ھجری کہتے ہیں کہ مقمل چھوٹے سے ٹیلے پر تھا' یہ مسجد اسی پر تھی البتہ علامہ مجد کو وہم ہوا تو انہوں نے اسے مدینہ کی مسجدوں میں شمار کیا ہے۔

فصل نمبر 8

باقی مسجدیں اور حضور ﷺ سے متعلق مقامات

مسجد العصر

ان میں سے ایک مسجد العصر ہے اور عصر کے متعلق آتا ہے کہ وہ مدینہ سے ایک مرحلہ کی مسافت پر ہے چنانچہ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب مدینہ سے خیبر کو تشریف لے گئے تو عصر پہنچے اور وہاں آپ کے لئے مسجد بنائی گئی

اور پھر صہباء پہنچے۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ مسجد عصر ان مشہور مسجدوں میں سے ہے کہ جب آپ خیبر کو چلے تو اس میں نماز پڑھی۔

مسجد الصہباء

ان میں سے ایک مسجد صہباء میں ہے اور یہ خیبر سے اتنی دور ہے جیسے زوال سے شام تک کے سفر کا فاصلہ چنانچہ حضرت مالک کے مطابق حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ وہ خیبر کے سال حضور ﷺ کے ساتھ نکلے اور جب صہباء پہنچے (یہ خیبر کے قریب ہے) تو اُتر آئے اور نمازِ عصر پڑھی' پھر کھانا مانگا تاہم ستو پیش کئے گئے چنانچہ آپ نے استعمال فرمائے اور ہم نے بھی لئے' پھر نماز مغرب کے لئے اُٹھے تو کلّی کی' ہم نے بھی کی اور پھر بغیر وضو کئے نماز پڑھ لی۔

علامہ مطری فرماتے ہیں کہ یہ مسجد وہاں مشہور ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہم سورج پلٹانے کا قصہ مسجد الفضیخ کے بیان میں بتا چکے ہیں جو مدینہ ہی کی ایک مسجد تھی۔

خیبر کے نزدیک دو مسجدیں

انہی میں سے دو مسجدیں خیبر کے قریب ہیں چنانچہ اقشہری نے لکھا تو میں نے انہی سے نقل کی کہ حضور ﷺ جب خیبر کے نزدیک ایک مقام پر پہنچے تو پتھر سے آپ کے لئے ایک مسجد بنائی گئی جسے ''المنزلہ'' کہتے تھے' آپ رات کا کچھ وہاں ٹھہرے اور نوافل پڑھے' آپ کی اونٹنی لگام گھسیٹتے ہوئے آ رہی تھی' اسے جگہ جگہ روکا گیا لیکن آپ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے اور جب وہ پتھر کے قریب پہنچی تو بیٹھ گئی' رسول اللہ ﷺ اس پتھر کی طرف اس کی طرف پھر گئے' صحابہ بھی اسی کی طرف پھر گئے اور وہاں ایک مسجد بنا دی گئی' آج انہی کی وہ مسجد موجود ہے۔

شق اور نطاۃ کے درمیان ایک مسجد

خیبر کے مقام پر شق اور نطاۃ کے درمیان ایک مسجد موجود ہے چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت حسن بن ثابت بن ظہیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خیبر کی طرف تشریف لائے' راستہ دکھانے والا اشجع میں سے ایک شخص تھا' وہ آپ کو لے کر وادیوں کے بیچوں بیچ چلا' نماز کا وقت ہو گیا' آپ قرقرہ میں پہنچے تو نماز پڑھے بغیر وہاں سے آگے نکل گئے اور اھل شق و اھل نطاۃ کے درمیان جا ٹھہرے' وہاں عوسجہ پر نماز پڑھی اور اس کے گرد پتھر رکھ دئے۔

مسجد شمران

انہی میں سے ایک مسجد شمران میں تھی چنانچہ ابن زبالہ کے مطابق حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خیبر میں پہاڑ کی چوٹی پر نماز پڑھی جسے شمران کہتے تھے' وہیں آپ کے لئے مسجد بنی۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ آج کل یہ پہاڑ شمران کے نام ہی سے مشہور ہے۔

مساجد تبوک

انہی میں وہ مسجدیں ہیں جو مقامِ غزوۂ تبوک میں ہیں چنانچہ ابن رشد اپنے بیان میں کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے تبوک اور مدینہ کے درمیان سولہ مسجدیں بنوائیں جن میں پہلی تبوک میں اور آخری ذی خشب میں' ابن زبالہ نے بھی یہی گنتی لکھی ہے اور ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ مسجد جانی پہچانی ہیں اور ہر ایک کا ایک نام رکھا گیا تھا اور پھر چودہ مسجدیں ذکر کر دیں' انہوں نے ابن زبالہ کے لکھے مقامات سے کچھ اختلاف کیا ہے۔یہی مسجدیں حافظ عبد الغنی نے ذکر کی ہیں اور حاکم کے حوالے سے ایک اور کا اضافہ کیا ہے اور یوں ساری جمع کرنے سے کوئی بیس ہو جاتی ہیں چنانچہ وہ یہ تھیں:

(۱) ان میں سے ایک تو تبوک میں ہے چنانچہ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ اسے مسجد التوبہ بھی کہتے ہیں۔مطری لکھتے ہیں' یہ ان مسجدوں میں شامل ہے جنہیں حضرت عمر بنِ العزیزؒ نے بنایا تھا۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ میں اس میں کئی مرتبہ گیا' اس کی کئی محرابیں ہیں جو پتھر سے بنی ہیں۔

(۲) دوسری مسجد ثنیۂ مدران میں ہے اور تبوک کے عین سامنے دکھائی دیتی ہے۔

(۳) تیسری مسجد ذات الزراب میں تبوک سے دو مرحلوں کے فاصلے پر ہے (ایک دن پیدل سفر مرحلہ ہوتا ہے)۔

(۴) چوتھی اخضر میں ہے اور تبوک سے چار دن کے سفر کے فاصلے پر ہے۔

(۵) پانچویں مسجد ذات الخطمی کے مقام پر ہے' مطری نے اسے ''ذات الخطم'' لکھا ہے' یہ تبوک پانچ مرحلوں کی مسافت پر ہے۔

(۶) چھٹی ''بَـاْلِیٰ'' کے مقام پر ہے' یہ بھی تبوک سے پانچ مرحلوں پر ہے' ابن زبالہ کے نسخہ میں ''نقیع بولا'' کا مقام لکھا ہے۔

(۷) ساتویں ''بتْراء'' (اَبتر کی مؤنث) کے مقام پر ہے' ابن اسحاق ''ذنب کوکب'' پر بتاتے ہیں' ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ یہ کوکب جبل' بنو حارث بن کعب کے علاقے میں ہے۔

(۸) آٹھویں مسجد ''شق تاراء'' میں ہے' ابن زبالہ نے کہا کہ یہ مقام ''جویرہ'' میں سے ہے۔

(۹) نویں ذو الحلیفہ میں ہے' ابن زبالہ وغیرہ بھی یہی لکھتے ہیں تاہم یہ کمزور بات ہے جسے شہروں کا ذکر کرنے والوں نے نہیں لیا۔

(۱۰) دسویں بھی ذو الحلیفہ میں ہے' صرف علامہ مجد نے اسے پہلی مسجد کے ساتھ ذکر کیا ہے' کسی اور نے نہیں' وہ کہتے ہیں کہ خاء پر زیر ہے' کچھ نے زبر پڑھی' کچھ جیم پڑھتے ہیں' کچھ زبر والی حاء بتاتے ہیں اور بستیوں کے ناموں میں جیم کے نیچے زیر پڑھی جاتی ہے اور تہذیب ابنِ ہشام میں پہلی مسجد کی جگہ صرف اسی کو ذکر کیا ہے

جبکہ ابن زبالہ نے اُلٹ کیا ہے۔

(۱۱) گیارہویں ''شوشق'' میں ہے۔

(۱۲) بارہویں ''صدر حوضیٰ'' کے مقام پر ہے۔ علامہ مجد اسے شہروں میں شمار کر کے لکھتے ہیں کہ اس کی حاء پر زبر ہے اور آخر میں مدٗ یہ وادی القریٰ اور تبوک کے درمیان ہے پھر کہا کہ وہاں حضور ﷺ کا مقامِ سجدہ ہے۔ انتہیٰ اور یہ بات مسجد ذی الحلیفہ اور مسجد صدر حوضیٰ کے الگ الگ ہونے کے خلاف ہے اور ذوالحلیفہ میں ایک اور مسجد ہے جو صدر حوضیٰ کے مقام پر ہے' یہ مخالفت وہی ہے جو تہذیب میں درج ہے اور شاید یہ وہی صدر حوضیٰ ہے جو روایت ابن زبالہ میں ''سمنہ'' کے نام سے مذکور ہے کیونکہ جیسے آ رہا ہے' یہ نالہ ہے جو وادی القریٰ کے قریب ہے چنانچہ مجد کے نسخہ میں ہے کہ: ذنب حویصی کے مقام پر ایک مسجد ہے' انہوں نے سمنہ کا نام نہیں لیا۔

(۱۳) تیرہویں ''حجر'' کے مقام پر ہے' ابن زبالہ نے اس کی جگہ ''العلاء'' لکھا ہے اور یہ دونوں وادی القریٰ میں ہیں۔

(۱۴) چودھویں صعید یعنی صعید قزح کے مقام پر ہے۔

(۱۵) پندرہویں وادی القریٰ میں ہے' حافظ عبد الغنی نے مسجد الصعید کے بارے میں لکھا ہے کہ آج کل یہ مسجد وادی القریٰ کہلاتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ اور اس سے پہلی مسجد وادی القریٰ میں ہیں۔ ابن زبالہ کی روایت میں ہے کہ وادی القریٰ میں دو مسجدیں ہیں' ایک تو اس کے بازار میں ہے اور دوسری بنی عذرہ کی بستی میں تو شاید یہ وہی ہے جو بنی عذرہ کی بستی میں ہے اور جو اس سے پہلے مذکور ہے' وہ بازار میں ہے لیکن مجد نے ظاہری عبارت کی بنا پر تینوں الگ الگ شمار کی ہیں اور اس لئے بھی کہ ابن زبالہ کی ایک اور روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جو وادی میں سعید قزح کے مقام پر ہے' ہمیں اس کے مصلّے کا پتہ چلا کہ پتھر اور ہڈی سے بناء ہے چنانچہ یہ وہی مسجد ہے جس میں اھل وادی جمع ہوتے ہیں۔

(۱۶) سولہویں مسجد بنو عذرہ کی بستی میں ہے' ابن اسحاق نے اس کا ذکر نہیں کیا البتہ ابن زبالہ نے کیا ہے۔

(۱۷) سترہویں ''رقعہ'' کے مقام پر ہے' یہ لفظ رقعۃ الثوب (کپڑے کا ٹکڑا) سے لیا گیا ہے۔ ابن زبالہ یہاں سقیاء کا نام لیتے ہیں چنانچہ مجد نے شہروں کے ناموں میں لکھا کہ: سقیا عذرہ کے شہروں میں ہے جو وادی القریٰ کے قریب ہے۔

(۱۸) اٹھارہویں مسجد ''ذی المروہ'' میں ہے چنانچہ مطری لکھتے ہیں کہ یہ مدینہ سے آٹھ برد کے فاصلہ پر ہے (ایک برد' بارہ میل) وہاں نالے ہیں' کھیتیاں ہیں اور باغات ہیں جن کے نشانات اب بھی موجود ہیں۔

میں کہتا ہوں' اس کی وضاحت میں آتا ہے کہ حضور ﷺ یہاں تشریف لے گئے تھے۔

(۱۹) انیسویں فیفاء کے مقام پر ہے جسے فیفاء الخلتین کہتے ہیں۔علامہ مطری کہتے ہیں کہ وہاں اولادِ صحابہ وغیرہ کے چشمے (کنوئیں) اور باغات ہیں۔

(۲۰) بیسویں مسجد ذی خشب میں ہے جو مدینہ سے دو مرحلوں پر ہے' روایت ابن زبالہ یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس دومہ کے نیچے نماز پڑھی جو ذی خشب کے مقام پر عبید اللہ بن مروان کا باغ تھا۔

پھر سنن ابو داؤد میں ہے کہ نبی کریم ﷺ دومہ کے نیچے ایک مسجد میں اُترے' تین دن تک قیام رہا اور پھر تبوک کی طرف نکل گئے' جہینہ میدان میں آپ کے ہمراہ تھے' آپ نے ان سے فرمایا: اھلِ مروہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جہینہ میں سے بنو رفاعہ ہیں۔فرمایا: میں بنو رفاعہ کو جاگیر دیتا ہوں لہٰذا انہوں نے اسے تقسیم کر لیا چنانچہ کچھ نے تو یہ جائیداد بیچ دی اور کچھ نے اپنے پاس رکھی اور اپنے کام میں لائے۔

عنقریب ہم اپنے اپنے مقام پر ان کے بارے میں اس سے کچھ زیادہ تفصیل بیان کریں گے۔

مسجد الکدید

ان میں سے حضور ﷺ کی ایک سجدہ گاہ باغ میں تھی اور کدید سے ایک میل کے فاصلے پر ایک مسجد تھی چنانچہ ابنِ زبالہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور درخت کے نیچے نماز پڑھی۔وہاں کھیتی سے لوگوں کو ضرر پہنچا تو مالک نے وہ درخت کاٹ دیا۔کہتے ہیں کہ پھر حضور ﷺ بطن نخل میں اُترے اور کدید سے ایک میل آگے نکل گئے' ایک درخت کے نیچے اُترے اور وہاں نماز پڑھی چنانچہ آپ کی یہ سجدہ گاہ آج کل معروف ہے پھر آپ نے اشجع کے شہروں میں ایک پہاڑ پر نماز پڑھی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ نخل' نجد میں ایک جگہ ہے اور کدید اس کے قریب ہی ہے' یہ وہ کدید نہیں جو خلیص اور عسفان کے درمیان ہے۔

حضرت اسدی نے فید اور مدینہ کے درمیانی راستے کی وضاحت کرتے ہوئے اس مسجد کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھا کہ: کدید ایک وادی ہے' ایک راستہ اسے کاٹتا ہے' اس میں رسول اللہ ﷺ کی سجدہ گاہ ہے' یہیں بنو کنانہ کے عربوں کے خیمے تھے اور یہ نخیل اسی کے قریب ہے اور پھر بتایا کہ اس نخیل اور بیر السائب کے درمیان بیالیس میل کا فاصلہ ہے' انہوں نے نخل کی بجائے نُخَیل کا لفظ بولا ہے اور آج کل یہ کدید کے قریب مشہور ہے۔

حدیبیہ میں مسجد الشجرہ

انہی میں سے حدیبیہ کے مقام پر ایک مسجد ہے جسے مسجد الشجرہ کہتے ہیں' یہ معروف نہیں بلکہ مطری کہتے ہیں کہ میں نے سرزمین مکہ میں ایسا کوئی نہیں دیکھا جو حدیبیہ کو جانتا ہو۔انتہی۔یہ وہ مقام ہے جہاں حضور ﷺ عمرۂ حدیبیہ کے لئے مکہ کو جاتے ہوئے ٹھہرے تھے اور مشرکین نے آپ کا راستہ روکا تھا۔

ابن شبہ کہتے ہیں کہ حدیبیہ وہ وادی ہے جو بلدح کے قریب ہے۔صاحب مطالع کہتے ہیں کہ یہ ایک بستی ہے جو زیادہ بڑی نہیں، وہاں کے ایک کنوئیں کے نام پر اس کا نام رکھا گیا ہے جو مسجد الشجرہ کے قریب ہے۔تقی فاسی لکھتے ہیں: کہتے ہیں کہ حدیبیہ وہ جگہ ہے جس میں جدہ کے راستہ پر بئر شمیس مشہور ہے۔

مسجد ذات عرق

انہی میں سے ایک مسجد ذاتِ عرق کے قریب اڑھائی میل کے فاصلے پر ہے۔علامہ اسدی نے نجد اور عراق کی طرف سے ذاتِ عرق کا راستہ بتاتے ہوئے لکھا ہے: برکتہ یا طاس راستہ سے بائیں طرف مجہ سے الگ جگہ ہے، اس کے بعد ایک مسجد ہے، اس میں حضور ﷺ نے قیلولہ فرمایا اور ذات عرق سے اڑھائی میل کے فاصلے پر حضور ﷺ کی سجدہ گاہ ہے، یہ احرام والوں کا میقات ہے، یہ پہلا تہامہ ہے اور جب تم آٹھویں میل تک پہنچو گے تو وہاں پہاڑ میں کئی گھر دیکھو گے جن کی حالت خراب ہے اور وہ راستہ کی دائیں طرف ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ ذات عرق جاہلیہ ہے اور ذات عرق والے کہتے ہیں کہ سارا پہاڑ ذات عرق ہے ۔بعض اھل علم پسند کرتے ہیں کہ اس ذات عرق جاہلیہ ہی سے احرام باندھیں۔

مسجد الجعّرانہ

انہی میں سے ایک مسجد جعرانہ کے مقام پر ہے چنانچہ محرس کعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ رات کے وقت عمرہ کے لئے جعرانہ سے چلے، رات کو مکہ پہنچے اور عمرہ ادا فرمایا پھر رات ہی کو وہاں سے چلے اور صبح کو جعرانہ پہنچے جیسے رات ہی کو پہنچے ہوں اور جب سورج ڈھلا تو بطنِ شرف کو نکلے اور راستے پر چل پڑے، یہی وجہ تھی یہ عمرہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا۔

علامہ واقدی کہتے ہیں کہ جعّرانہ سے حضور ﷺ کا احرام اٹھارہ ذی القعدہ بدھ کی رات کو باندھا گیا' یہ احرام آپ نے وادی کے نیچے دور ایک مسجد سے باندھا اور جب آپ جعرانہ میں تھے تو یہی جگہ آپ کے مصلّے کی تھی' رہی قریب والی تو اسے ایک قریشی نے بنایا تھا اور نزدیک ہی ایک باغ لیا۔حضور ﷺ اس وادی سے احرام کے بغیر نہیں گذرے۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ سے احرام باندھا جو وادی کی پچھلی طرف تھا' وہاں ایک پتھر گڑا ہوا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ٹیلے پر یہ مسجد کس نے بنائی تھی' اسے ایک قریشی نے بنایا تھا اور پھر اس کے قریب اراضی اور باغ بھی خریدا تھا پھر ایک اور روایت میں بتایا کہ وادی کی پچھلی دور والی مسجد کے ہاں حضور ﷺ کا مصلّے تھا اور قریبی مسجد ایک اور قریشی نے بنائی تھی۔

مسجد لیہ

انہی میں سے ایک مسجد لیہ تھی' وادی لیہ اور وادئ طائف کے درمیان آٹھ میل کا فاصلہ تھا چنانچہ ابنِ اسحاق کہتے

ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ حنین سے فارغ ہو کر طائف کی طرف متوجہ ہوئے تو نخلہ یمانیہ پہنچے' پھر قرن (اہلِ نجد کا میقات) پھر ملیح اور پھر بحرۃ الرغا پہنچے' وہاں مسجد بنائی اور اس میں نماز پڑھی۔

حضرت مطری کہتے ہیں کہ یہ مسجد وادئ لیہ میں آج کل مشہور ہے' میں نے اسے دیکھا ہے اور وہاں پتھر میں ایک نشان ہے' کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے پاؤں کا نشان ہے۔ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بحرۃ الرغا کے مقام پر اس دن قصاص لیا تھا۔یہ اسلام میں پہلا خون تھا جس کا قصاص لیا گیا' بنولیث میں سے ایک آدمی نے ھذیل کا ایک شخص قتل کر دیا تھا جس کے بدلے میں اسے قتل کر دیا گیا۔

مسجد الطائف

انہی میں سے ایک مسجد طائف میں ہے چنانچہ ابن اسحاق اپنے پہلے بیان کے بعد کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ پھر ضیقہ کے راستے چلے اور اس کا نام پوچھا' بتایا گیا کہ "ضیقہ" ہے' آپ نے فرمایا کہ اسے "یسریٰ" کہا جائے پھر وہاں سے نخب کی طرف چلے اور سدرہ کے نیچے جا ٹھہرے جسے صادرہ کہا جاتا تھا' یہ ثقیف کے ایک شخص کا مال تھا پھر وہاں سے چلے اور طائف کے قریب اُترے چنانچہ وہاں آپ کے کچھ ساتھی قتل ہو گئے کیونکہ آپ کا لشکر طائف کے باغ سے قریب تھا' آپ کے ہمراہ آپ کی دو بیویاں بھی تھیں جن میں سے ایک اُم سلمہ تھیں' آپ کے لئے دو خیمے لگائے اور دونوں کے درمیان نفل پڑھے اور جب بنوثقیف مسلمان ہو گئے تو حضرت عمرو بن امیہ بن وھب نے حضور ﷺ کے مصلّٰے کی جگہ ایک مسجد بنائی' اس مسجد میں ایک ستون تھا جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ جب بھی وہاں سورج دکھائی دیتا تو اس سے آواز سنائی دیتی۔انتہیٰ۔

علامہ واقدی نے بھی حضور ﷺ کے مصلّٰے کی جگہ عمرو بن امیہ کی تعمیر کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھا کہ: اس مسجد میں ایک ستون تھا جہاں سے آواز آتی تھی' ایسا تقریباً دس مرتبہ ہوا' لوگوں کے ذہن میں یہ بات آتی تھی کہ یہ تسبیح پڑھتا ہے۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ ایک بڑی جامع مسجد ہے' اس میں ایک بلند و بالا منبر ہے' یہ الناصر احمد بن المستضیئ کے دور میں بنایا گیا' اس کے ایک کونے میں بلند و بالا گنبد کے نیچے حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر مبارک ہے جبکہ اسی مسجد کے صحن میں دو چھوٹے گنبدوں کے درمیان حضور ﷺ کی سجدہ گاہ ہے' کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں گنبد حضور ﷺ کی بیویوں حضرت اُم سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبوں کی جگہ پر بنائے گئے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ: حضرت تقی فاسی کہتے ہیں' وہ مسجد جو نبی کریم ﷺ کے نام سے وہاں موجود ہے اس مسجد کے آخر میں ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر مبارک ہے کیونکہ اس کے قبلہ والی دیوار میں باہر کی طرف پتھر لگا ہے جس میں لکھا ہے کہ: اُم جعفر بنت ابو الفضل نے طائف میں مسجد رسول اللہ بنانے کا حکم دیا تھا جو مسلمانوں کے عہد حکومت والوں کی ماں تھیں پھر اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ۲۷اھ میں بنی تھی۔

پھر بتایا کہ جس مسجد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر مبارک ہے' اسے مستعین عباسی نے حضرت ابن عباس کی قبر کے ساتھ بنایا تھا۔ انتہٰی لہٰذا اگر وہ مسجد جس کا ذکر علامہ فاسی نے کیا ہے کہ اس جامع مسجد کے اخیر میں اس کے صحن کے اندر ہے تو اس میں کوئی مخالفت نہیں کیونکہ اسے مطری نے ذکر کیا ہے ورنہ یہ اس کے مخالف ہے۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ میں نے طائف میں ایسے بیری کے درخت دیکھے' بتایا جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کے ہیں' اہل طائف اپنے بزرگوں سے یہ بات سنتے آئے ہیں' ان میں سے ایک کی جڑیں پینتالیس بالشت' دوسرے کی چالیس بالشت سے زیادہ' ایک اور کی سینتیس بالشت کی تھیں ایک اور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کے قریب سے گذرے' آپ اونٹنی پر سوار تھے تو اس کی جڑ دو حصے ہو گئی' آپ کی سواری اس کے اندر داخل ہو گئی جبکہ آپ اونگھ رہے تھے۔

مطری کہتے ہیں کہ میں نے ۶۹۶ھ میں اسے ویسے ہی دیکھا ہے اور اس کا پھل بھی کھایا ہے اور برکت کے لئے اپنے گھر بھی لے گیا تھا پھر ۷۲۹ھ میں میں نے اسے دیکھا تو وہ گر کر خشک ہو چکا تھا' اس کی جڑ الٹی ہوئی تھی' اسے کوئی بھی چھیڑتا نہیں تھا کہ اس کی عزت کی ضرورت ہے۔ انتہٰی اور شاید اس کا کچھ بچ گیا تھا' اس لئے علامہ فاسی نے اس کا ذکر کیا ہے چنانچہ کہا: کہ یہ درخت حضور ﷺ کی خاطر پھٹ کر دو حصے ہو گیا تھا۔ اس میں سے کچھ ابھی بھی محفوظ ہے' لوگ اسے متبرک سمجھتے ہیں۔ انتہٰی۔

علامہ مرجانی کہتے ہیں کہ میں نے طائف میں وَج کے مقام پر ایک بیری کا درخت دیکھا جو جبر کے سامنے اور اس کے قریب تھا' کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کے نیچے بیٹھے تھے جہاں آپ کے پاس عدلیس آئے تھے انہوں نے کہا تھا کہ محمد نے جادو کر دیا ہے۔ مرجانی کہتے ہیں کہ میں نے وہاں پہاڑ میں دیکھا کہ ایک کنواں تھا بتایا جاتا ہے کہ آپ اس کے پاس بیٹھے تھے۔ انتہٰی۔

حضرت زبیر کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بلیہ سے آئے (حمیدی کے مطابق یہ طائف میں ایک جگہ ہے) اور جب ہم سدرہ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ قرنِ اسود کے پاس کھڑے ہو گئے پھر نخب کی طرف رُخ فرمایا پھر آپ کھڑے ہو گئے اور پھر فرمایا کہ صیدوَج اور عضاھہ اللہ کے حرم ہیں۔ یہ بات آپ نے اس وقت فرمائی جب ابھی آپ طائف میں نہیں گئے تھے اور نہ ہی ثقیف کا محاصرہ کیا تھا۔

ابن زبالہ نے اپنی کلام میں ان مساجد کے ذکر کے بعد اس حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ختم کی ہے کہ: "جو اللہ کی رضا کے لئے مسجد بناتا ہے' اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دیتا ہے خواہ چھوٹا ہی سہی۔" آپ بتاتی ہیں' میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مکہ اور مدینہ کے درمیان مسجدیں بنانے کا بھی یہی اجر ہے؟ فرمایا' ہاں۔

میں کہتا ہوں کہ مناسب یہ ہے کہ ان مسجدوں کا دھیان رکھا جائے اور ان کی تعمیر کی جائے جو مدینہ وغیرہ میں ہیں۔

ساتواں باب

مدینہ کی وادیاں، چراگاہیں، بستیاں، پہاڑ، اعمال (حکمران)، مدینہ کا اردگرد، وہاں کی مشہور وادیاں اور نالے سب جگہوں کے اپنے اپنے مقرر نام، اس میں آٹھ فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

وادئ عقیق کی فضیلت، اس کا پھیلاؤ اور اس کی حد بندی

وادئ عقیق کے بارے میں احادیث فضیلت

صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے، فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے وادئ عقیق کے بارے میں سنا، فرمایا: ''آج رات میرے پاس کوئی آیا اور کہنے لگا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھئے اور کہہ دیجئے کہ عمرہ حج ہی میں ہے۔'' پھر مسجد معرس میں انہی کی روایت سے آیا ہے: جب آپ ذوالحلیفہ میں اپنے معرس میں تھے اور وادی کے اندر تھے تو آپ سے کہا گیا: آپ مبارک بطحاء میں ہیں۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: عقیق ایک مبارک وادی ہے۔

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عقیق میں لیٹے تھے کہ اس دوران آپ سے کہا گیا کہ ''آپ ایک مبارک وادی میں ہیں۔''

حضرت ابن زبالہ کے مطابق حضرت عامر بن سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عقیق میں سوئے تو آپ کے ایک صحابی آپ کو بیدار کرنے کے لئے اُٹھے، اتنے میں ایک اور آدمی درمیان میں آ گیا اور کہنے لگا کہ آپ کو بیدار نہ کرو کیونکہ آپ کی نماز فوت نہیں ہوئی، اس پر بحث کے دوران آپ کو کسی کا کچھ حصہ لگ گیا جس سے آپ بیدار ہو گئے۔ فرمایا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے بات بتائی اھ پھر فرمایا: تم نے مجھے بیدار کر دیا، مجھے ایک مبارک وادی دکھائی جا رہی تھی۔

حضرت زکریا بن ابراہیم بن مطیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ دو آدمیوں نے عقیق میں رات گذاری پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آئے، آپ نے پوچھا: تم نے رات کہاں گذاری؟ انہوں نے عرض کی کہ عقیق میں، آپ نے فرمایا: تو پھر تم نے تو ایک مبارک وادی میں رات بسر کی۔

حضرت ابوغسان کہتے ہیں، مجھے بہت سے اہلِ مدینہ پختہ لوگوں نے بتایا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ پتہ چلتا کہ وادئ عقیق بہنے لگی ہے تو آپ کہتے: ہمیں اس مبارک وادی میں لے چلو اور اس پانی کی طرف لے چلو جو اگر ہمارے پاس آ جاتا تو ہم اسے ہاتھ لگاتے۔

حضرت عامر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عقیق کی طرف سوار ہو کر تشریف لے گئے اور پھر واپس تشریف لے آئے اور فرمایا اے عائشہ! ہم اس وادی سے ہو کر آئے ہیں' یہ کتنی نرم اور آرام دہ ہے اور اس کا پانی کتنا میٹھا ہے۔ آپ فرماتی ہیں' میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم ادھر منتقل نہ ہو جائیں؟ فرمایا' یہ کیسے ممکن ہے' لوگوں نے عمارتیں بنا رکھی ہیں۔

حضرت خالد عدوانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عقیق کے میدان کے بارے میں فرمایا: یہ بہت اچھا ٹھکانہ ہے اگر یہاں بہت سے درندے نہ ہوں۔

حضرت محمد بن ابراہیم تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنگ کی طرف نکلے' کھلے راستے پر چلے اور جب کھلے میدان میں پہنچے تو فرمایا: یہی بہتر ٹھکانہ ہے اگر یہاں کثرت سے درندے نہ ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وادیٔ عقیق کی طرف نکلے تو آپ نے فرمایا' اے انس! یہ لوٹا لو اور اس وادی سے بھر لاؤ' یہ وادی ہم سے محبت رکھتی ہے اور ہم اس سے' چنانچہ میں نے پکڑا اور بھر لایا۔ الحدیث

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں جانوروں کا شکار کرتا اور گوشت حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرتا' ایک دن میں نظر نہ آیا تو آپ نے فرمایا' اے سلمہ! تم کہاں شکار کرتے پھر رہے تھے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! شکار دور تھا تو میں ثیب میں صدور قنات کی طرف جا نکلا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم عقیق میں شکار کرتے تو میں بھی تمہارے ساتھ جاتا اور واپسی پر میں آگے سے ملتا' مجھے عقیق سے محبت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہرن کا شکار کرتے اور اس کا تازہ یا خشک گوشت حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے' حضور ﷺ نے انہیں نہ دیکھا تو فرمایا اے سلمہ! جو کچھ تم لایا کرتے ہو' کیوں نہیں لائے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! شکار دور تھا ہم ثیب اور صدور قناۃ کی طرف نکل گئے فرمایا: اگر تم عقیق میں شکار کرتے تو جاتے وقت میں تمہارے ساتھ ہوتا اور واپسی پر بھی آگے کے ملتا کیونکہ میں عقیق سے پیار رکھتا ہوں۔

میں کہتا ہوں حدیث میں یہ واقعہ مدینہ میں شکار حرام ہونے سے پہلے کا ہو گا یا عقیق میں شکار کا مطلب اس جگہ شکار کرنا ہے جو حرم سے باہر تھی' یوں ساری دلیلیں جمع ہو سکتی ہیں۔

عقیق کی حد بندی

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے کہ عقیق' قصر مراجل سے نقیع تک شمار ہوتا ہے اور اور جو قصر مراجل سے نیچے ہے' وہ زغابہ میں شمار ہوتا ہے۔

عبد اللہ حرانی کہتے ہیں کہ انہوں نے اہلِ علم سے سنا کہ جرف' مجۃ الشام سے قصاصیں تک کے علاقے کو کہتے

ہیں (یعنی اصحاب قصہ) جب کہ وَطیف الحمار' سقایۂ سلیمان سے زغابہ تک ہے' پھر عرصہ' ایک مجہ سے مجہ الشام تک کے علاقہ کو کہتے ہیں اور مجہ سے عقیق واضح ہے لہٰذا چڑھتے ہوئے نقیع تک چلے جاؤ۔

میں کہتا ہوں' مجھے دوسرے لوگوں نے بتایا کہ عقیق' شروع سے عرصہ تا نقیع رہا ہے۔

زبیر کہتے ہیں' میں اہلِ علم وسنن سے سنتا آیا ہوں' وہ کہتے ہیں کہ عقیق کبیر' حرہ سے ملتا ہے اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین سے شروع ہو کر قصر جمیل تک جاتا ہے اور جو جماء سے ملتا ہے' وہ عبد العزیز بن عبد اللہ عثمانی کے محلات سے قصر مراجل تک جاتا ہے اور پھر تم عقیق میں جا کر اوپر چڑھ کر نقیع کے آخر تک پہنچ جاؤ گے۔ سب کہتے ہیں کہ مراجل کی نچلی جانب سے عرصہ کے آخر تک عقیق صغیر کہلاتا ہے چنانچہ عقیق کی وادیوں میں سے اعلیٰ' نقیع ہے۔

ابو علی هجری۔ کہتے ہیں کہ نقیع کی ابتداء برام سے ہوتی ہے اور عقیق کی ابتداء حفیر سے ہوتی ہے اور عقیق صغیر تک جا کر زغابہ میں داخل ہو جاتی ہے نیز یہ بھی نقل ملتی ہے کہ حفیر نقیع کے آخر میں ہے اور عقیق کی ابتداء میں اور عقیق کے آخر میں زغابہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زغابہ وہ مقام ہے جہاں سارے پانی جمع ہوتے ہیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کے مغرب میں ہے جو اضم کی سب سے اعلیٰ وادی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تو عقیق اور عرصہ کی انتہاء ہے اور اس کی ابتداء حفیر ہے' یہ نقیع کے قریب مشہور زرعی جگہ ہے اور نقیع کے قریب ہے' مدینہ سے ایک دن کی مسافت سے کچھ زیادہ دور ہے۔

حضرت عیاض کہتے ہیں کہ نقیع' عقیق کے اگلے حصے میں ہے اور عقیق وہ وادی ہے جہاں اہلِ مدینہ کی اراضی ہے' کہتے ہیں کہ یہ مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے' کچھ تین میل اور کچھ چھ یا سات میل دور کہتے ہے' دونوں ہی عقیق کہلاتے ہیں جن میں سے نزدیک عقیق مدینہ ہے' یہ چھوٹا بھی ہے اور بڑا بھی' چھوٹے میں تو بئر رومہ ہے اور اکبر میں بئر عروہ ہے اور دوسرا عقیق اس سے قریب ہے اور وہ مزینہ کے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ یہی وہ عقیق ہے جو حضور ﷺ نے بلال بن حارث کو دیا تھا اور حضرت عمر نے لوگوں کو دے دیا تھا اور وہ عقیق جس کے بارے میں آیا ہے کہ "تم مبارک وادی میں ہو" وہ بطنِ وادیٔ ذو الحلیفہ والا ہے اور یہ ان دونوں (عقیقوں) سے قریب ہے' ان میں سے ایک چھوٹا اور ایک بڑا کہلاتا ہے لہٰذا یہ عقیق کے حرہ سے ملنے والے حصے کے قریب ہونے کی نفی نہیں کرتا علاوہ ازیں عنقریب آ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بن حارث کو پورے عقیق' قریبی اور دور والے کا مالک بنایا تھا اور اس کا وہ حصہ جو حضرت عمر نے لوگوں کو دیا تھا' وہ مدینہ سے قریب ہے' وہی قریب اور بعید حصوں میں تقسیم ہے اور حضرت زبیر وغیرہ کی کلام اس بارے میں واضح ہے' درست یہ ہے کہ مدرج والی پہاڑی کا دامن وادیٔ عقیق کا اولین کنارہ ہے جو تعمیر کے وقت مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ بات مجھے اس وقت معلوم ہوئی جب میں نے مسجد نبوی اور مسجد ذو الحلیفہ کا درمیانی فاصلہ ناپا تھا اور متقدمین میں سے حضرت اسدی یہی کہتے ہیں چنانچہ بتایا: عقیق مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے' پہلا میل مدینہ کے گھروں کے پیچھے ہے اور دوسرا وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں عقبہ سے نیچے مدرج کے آخر تک جاتے ہیں تو گویا جس

نے تینوں کا ذکر کیا ہے' اس نے مسجد نبوی سے بطنِ وادی کے اوّل تک کی مسافت کا لحاظ رکھا ہے جو قلعۂ ابو ہشام کے نام سے مشہور محل کے بعد ہے اور جس نے چھ مراد لئے ہیں' اس نے دو والی جانب کا خیال کیا ہے اور وہ وہاں ہے جسے ذوالحلیفہ کہتے ہیں چنانچہ اس نے بطن وادی کو بھی مسافت میں شمار کیا ہے یا یہ اس بناء پر ہے کہ میل' ہزار ہاتھ کا ہے لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے' وہ ساڑھے تین ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے۔

حضرت مطری کہتے ہیں کہ وادیٔ عقیق کی نقیع سے روانگی کی اصل جگہ مدینہ منورہ کی طرف سے مشبان کے راستے مشبان کا راستہ ہے' اس کے اور قباء کے درمیان ڈیڑھ دن کی مسافت ہے اور یہ جگہ بئر علی (خلیفہ) تک پہنچتی ہے اور پھر جبل عیر کے مغرب تک جاتی ہے اور ذوالحلیفہ میں بئر علی تک پہنچتی ہے' پھر مشرق کو آتی ہے تو اس حمراء کے قریب تک جاتی ہے جہاں سے مدینہ کو جاتے ہیں پھر تھوڑا سا اوپر کو ہو جاتی ہے' بئر محرم سے اس کا نام عقیق رکھا ہوا ہے تو یہ بئر رومی کے غربی حصے تک پہنچتی ہے۔ انتہٰی۔

یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ ''بئر محرم سے اسے عقیق کہا جاتا ہے'' اس کا مطلب یہ کہ ان کے زمانے میں' جیسے ہمارے زمانے میں کہتے ہیں' یہ عقیق کلام عیاض میں' قریبی عقیق کو کہتے ہیں' پھر انہوں نے اپنے قول و العقیق الّذی جاء فیه (تا) وھو الا قرب منهمَا '' کے بعد کہا ہے: یہ وہی ہے جس کے بارے میں آیا ہے کہ وہ اہلِ عراق کے لئے ذاتِ عرق سے تلبیہ پڑھنے کا مقام ہے اور یہ غلط ہے' ہاں اگر اس کا مطلب لیا جائے جو انہوں نے ذکر کیا ہے کہ عقیق' ذاتِ عرق ہے جس کی وادی عقیق مدینہ سے متصل ہے تو اور بات ہے جبکہ شروع سے مشہور یہ ہے کہ یہ نقیع تک جاتی ہے جیسے گذر چکا چنانچہ حضرت زبیر کہتے ہیں کہ میں نے سلیمان بن عیاش سعدی سے پوچھا: عقیق کو عقیق کیوں کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا' اس لئے کہ اس کا سیلاب حرہ میں پھیل جاتا ہے۔ یہ حضرت سلیمان کلام ہے جو عرب میں بہت سمجھدار تھے۔

عقّ سے مراد پھٹ جانا اور حرہ میں بکھر جانا ہے۔ جب ''تبع'' اپنے گھر قناۃ سے چلا اور اس ''عرصہ'' سے گذرا (پہلے اس کا نام سلیل تھا) تو کہنے لگا کہ یہ ''عرصۃ الارض'' ہے چنانچہ اس کا نام عرصہ پڑ گیا اور پھر عقیق سے گذرا تو کہا کہ یہ ''عقیق الارض'' ہے لہٰذا اسے عقیق کہا جانے لگا نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں کی زمین سرخ ہونے کی وجہ سے اسے عقیق کہتے ہیں۔

فصل نمبر۲

جاگیریں دینا اور مکانات بنانا

رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "عقیق" دیا

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال بن حارث کو مکمل عقیق دیا اور جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو کہا: رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یہ عقیق اس لئے نہیں دیا کہ آپ اکیلے ہی اسے روک رکھیں چنانچہ آپ نے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

حضرت محمد بن یحییٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے آل حزم کے ایک پختہ شخص نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال بن حارث مزنی کو عقیق دیا اور ایک تحریر بھی لکھ دی جو یہ تھی: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وہ ٹکڑا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے بلال بن حارث کو دیا' یہ عقیق اس لئے دیا کہ اسے استعمال میں لائیں۔" اور معاویہ نے لکھا کہ بلال نے اسے استعمال نہ کیا تو حضرت عمر نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں کہا' اگر آپ اسے استعمال میں لانے کی ہمت رکھتے ہیں تو اس میں کھیتی باڑی کیجئے' سارا فصل آپ کا ہوگا کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو دے رکھا ہے اور اگر آپ اسے استعمال نہیں کرتے تو میں اسے لوگوں میں تقسیم کرتا ہوں' آپ لوگوں کے برتنے میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔ اس پر حضرت بلال نے کہا' آپ رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ حصہ مجھ سے لے سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے دیتے وقت استعمال کی شرط رکھی تھی چنانچہ حضرت عمر نے اسے لوگوں میں تقسیم کر دیا' اس زمین میں کوئی فصل وغیرہ نہ تھی اور یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر نے ان سے لے لیا تھا۔

حضرت محمد بن سلمہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معادنِ قبیلہ اور عقیق عطا فرمایا پھر ہمیں معلوم ہوا کہ انہوں نے رومہ' حضرت عثمان کو بیچ دیا' اس پر حضرت عمر نے ان سے عقیق کا باقی حصہ لے کر لوگوں کو دے دیا اور ساتھ ہی کہا: رسول اللہ ﷺ نے تو آپ کو کھیتی باڑی کے لئے دیا تھا' آپ کا یہ مقصد نہ تھا کہ اسے اپنے پاس روک رکھیں۔

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال کو عقیق کی زمین عطا فرمائی' وہ خالی پڑی رہی کہ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آ گیا' انہوں نے حضرت بلال کو بلایا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کسی مانگنے والے کا انکار نہیں فرماتے تھے' آپ نے ان سے عقیق مانگا تو انہوں نے عطا فرما دیا' ان دنوں لوگ اتنے نہ تھے اور ان کو ضرورت نہ تھی' اب اہلِ اسلام بہت زیادہ تعداد میں ہیں اور انہیں اس کی ضرورت ہے لہٰذا اب آپ اتنا حصہ رکھ لیں جتنا استعمال میں لا سکتے ہیں اور جو باقی ہے' ہمیں دیدیں کہ اسے تقسیم کر سکیں۔ حضرت بلال نے انکار کیا

تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ حصہ حضرت بلال کے قبضہ میں رہنے دیا اور باقی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن ابوبکر کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر خلیفہ بنے تو حضرت بلال سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے لمبی چوڑی زمین کا مطالبہ کیا تھا تو انہوں نے تمہیں دے دیا کیونکہ آپ کسی سائل کا انکار نہیں فرماتے تھے لیکن آپ اسے استعمال نہیں کر سکے' حضرت بلال نے کہا' ہاں بات تو یونہی ہے۔ حضرت عمر نے کہا' آپ جتنا حصہ کاشت کر سکتے ہیں' اپنے پاس رکھ لیں اور باقی ہمیں دیدیں کہ لوگوں میں تقسیم کر دیں' انہوں نے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' بخدا ہم یہ کام کر کے رہیں گے چنانچہ انہوں نے اتنی زمین ان سے لے لی جسے کاشت نہیں کر سکتے تھے اور مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔

حضرت عروہ کا محل اور کنواں

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال سے عقیق کی زمین لے لی تو حضرت عروہ بن زبیر کے کنوئیں پر پہنچے' وہ کنواں جاری تھا' حضرت عمر نے پوچھا' کس کس کو اس کے پانی کی ضرورت ہے؟ چنانچہ آپ نے حضرت بن جبیر انصاری کے مانگنے پر انہیں کنوئیں کا بہتر حصہ دیدیا چنانچہ میں نے حضرت عروہ بن زبیر کو عقیق میں ملنے والی زمین کی تحریر دیکھی تو وہ حرہ ٔ وبرہ سے لے کر ضغیرہ ٔ مغیرہ بن اخنس تک تھی۔

حضرت ہشام کے والد کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے جب عقیق تقسیم کر دیا تو حضرت عروہ کے محل کی جگہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ آج تک ضرورت مند کہاں رہے ہیں' بخدا اس جیسا قطعہ ٔ زمین تو میں نے دیکھا ہی نہیں' اس پر کچھ حضرات نے سوال کر دیا چنانچہ حضرت عمر نے انہیں دیدیا' اس جگہ کو ''خیف حرۃ الوبرہ'' کہا جاتا تھا اور جب سال ۱۴۱ھ آیا تو مروان بن حکم نے حضرت عبد اللہ بن عیاش بن علقمہ کو مدینہ کے چوتھے میل سے ضغیرہ تک کا حصہ دیدیا۔ عقیق میں جبل احمر تک حضرت مغیرہ بن اخنس کی زمین تھی۔ ہشام کہتے ہیں کہ حضرت عروہ نے اپنے محل کی جگہ اور زمین حضرت عبد اللہ بن عیاش سے خرید لی۔

حضرت ابن ابی ربیعہ کہتے ہیں کہ وہ حضرت عروہ کے ہاں سے گذرے' وہ عقیق میں اپنا محل بنا رہے تھے' ابن ابی عروہ نے پوچھا' کیا کوئی جنگ کا خطرہ ہے؟ انہوں نے کہا' نہیں البتہ مجھے معلوم ہوا کہ مدینہ میں کوئی مصیبت آنے والی ہے تو میں نے سوچا کہ اگر ایسا ہوا تو میں اس سے الگ تھلگ ہوں گا۔

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوع حدیث میں بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخری دور کے اندر میری امت گہن' تہمت سازی اور مسخ (شکل بدلنا) میں گرفتار ہو گی اور یہ ان میں اس وقت ہو گا جب وہ لوط کی قوم جیسے کام کرنے لگیں گے۔ حضرت عروہ نے کہا' مجھے پتہ چلا کہ کچھ کچھ ایسا ہونے لگا ہے چنانچہ میں مدینہ سے دور ہو رہا ہوں کہ ایسا نہ ہو' میرے ہوتے' ایسا ہو جائے اور پھر مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایسا معاملہ اھلِ قصبہ (بڑا گاؤں) یعنی مدینہ

والوں کے ساتھ ہو گا۔

حضرت ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب حضرت عروہ نے اپنا محل بنایا تو لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ نے مسجد رسول اللہ ﷺ سے اسے اونچا اور بہتر بنا کر ظلم کیا ہے۔ آپ نے کہا: میں نے ان کی مسجدوں کو کھیل کود کی جگہ بنتے دیکھا ہے' ان کے بازاروں میں بکواس ہونے لگا ہے' کھلے راستوں میں وہ گندے کام کرنے لگے ہیں تو ان سے وہ معاملہ ہونے لگا ہے جس سے یہ لوگ بچے ہوئے تھے۔

حضرت عروہ نے اپنا یہ محل' زمین اور کنواں مسلمانوں کو دے دئے' ولید بن عبد الملک کو وصیت کر دی چنانچہ انہوں نے یحییٰ اور عبد اللہ کو والی بنا دیا پھر یحییٰ تو فوت ہوئے اور عبد اللہ اس میں چالیس سال تک رہے' پھر ان کے بعد ہشام بن عروہ اس کے والی بنے اور پھر عبد اللہ بن عروہ بنے تو انہیں کہا گیا: آپ کو کیا ہوا' مدینہ کیوں چھوڑ دیا ہے' آپ نے کہا' اس لئے کہ میں دو آدمیوں میں گھرا ہوا ہوں' کچھ تو نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور کچھ مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔

جب ہشام بن عبد الملک کی طرف سے ابراہیم بن ہشام مدینہ کے امیر بنے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ فُرع کے اندر بنو عروہ کے گھروں میں دخل دیں' اس میں عبد اللہ اور یحییٰ' اس کے اس معاملے میں دخل انداز ہو گئے چنانچہ عروہ کا محل گرا دیا گیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ چنانچہ عبد اللہ نے ہشام بن عبد الملک کو اس بارے میں لکھا' انہوں نے دیوانِ مدینہ پر اپنے عامل ابن ابی عطا کو لکھا کہ اسے پہلے کی طرح بحال کر دیا جائے جیسے میخ اپنی جگہ پر گاڑ دی جاتی ہے چنانچہ انہوں نے ایک ہزار دینار اور تین ہزار درہم ادا کئے۔

حضرت عبد اللہ' ابن ہشام کی سواری کی انتظار کرتے اور جب وہ حرّہ کے اوپر دکھائی دیتے تو آپ لوگوں سے کہتے اللہ اکبر کہو' تمہیں ذبح شدہ اونٹنی ملے گی' وہ ایسا کرتے تو وہ اونٹنی ذبح کر دیتے' اس سے وہ ابن ہشام کو غصہ دلاتے اور جب ہشام بن عبد الملک کے دور میں ولید بن یزید آئے کہ موسم میں لوگوں کو ہٹائیں اور عبد اللہ بن عروہ کو عقیق میں ٹھہرائیں تو انہیں کہا گیا: یہ ولی العہد ہے جس نے برکت مکہ میں نماز پڑھی ہے؟ تو عبد اللہ انہیں حرّہ پر ملے اور جب ولید نے بنو امیہ میں سے عنبسہ بن سعید' مروان بن سعید بن عاص اور عبد اللہ بن عامر کے محل دیکھے تو عبد اللہ بن عروہ سے پوچھا: یہ کس کے ہیں؟ انہوں نے بتایا اور جب عروہ کے محل کو دیکھا تو پوچھا' یہ کس کا ہے؟ تو بتایا گیا کہ عروہ کا ہے۔

زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ سے مکہ وغیرہ کی طرف نکلنے والوں کو دیکھا جو عقیق سے گذرتے' وہ حضرت عروہ کے کنوئیں سے پانی لے جاتے اور جب وہ لے کر اپنے اہل وعیال کے پاس آتے تو واپس آ کر اسے اپنے گھروں میں پیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے باپ کو دیکھتا' وہ مجھے اُبالنے کو کہتے' ابال کر وہ پانی بوتلوں میں بھر کر رقہ میں امیر المؤمنین ہارون کو پہنچایا جاتا۔

حضرت نوفل بن عمارہ کہتے ہیں کہ جب میری والدہ نے اپنا محل بنایا تو ہشام بن عروہ نے ان کو پیغام بھیجا کہ

آپ دو ستھرے پانیوں کے درمیان ہیں، بئر عروہ اور بئر مغیرہ بن اخنس میں، تو میں رشتہ داری کی بناء پر آپ سے کہتا ہوں کہ آپ بئر عروہ سے پانی پیئیں اور بئر مغیرہ سے وضو کریں، چنانچہ میری والدہ بئر عروہ ہی سے پانی پیتیں اور بئر مغیرہ سے وضو کرتیں، یہ سلسلہ ان کے وصال تک جاری رہا۔

مرزوق بن والرۃ نے ہشام بن عروہ سے کہا کہ میں نے دیکھا کہ جنت کا چشمہ بئر عروہ میں گر رہا ہے چنانچہ سری بن عبد الرحمٰن انصاری نے کہا:

''میں فوت ہو جاؤں تو مجھے اروی کی زرہ میں کفن دینا اور بئر عروہ سے پانی پلانا' یہ پانی سردیوں میں گرم ہوتا ہے اور گرمیوں میں سرد اور تاریک رات میں چراغ کا کام دیتا ہے۔''

علامہ مجد کہتے ہیں کہ اہلِ مدینہ میں سے مجھے ایسا کوئی شخص نہیں ملا جو اس کنوئیں کے بارے میں کچھ جانتا ہو۔

اسدی کہتے ہیں کہ مدینہ سے تیسرا میل، بئر عروہ سے ذرا پیچھے ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آج کل وہ بند پڑا کنواں ہی بئر عروہ ہے، جو ذوالحلیفہ کو جاتے ہوئے ابو ہاشم کے مشہور قلعے سے تہائی میل گذر کر تمہاری دائیں طرف آتا ہے اور جماء کے قریب ہے۔

قصرِ عاصم بن عمرو بن عمر بن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ جماءِ تضارع سے پہلے قصر عروہ سے دکھائی دیتا ہے اور وادی پر بئر عروہ بن زبیر کے سامنے ہے، یہ جماء قصر عاصم اور بئر عروہ کے قریب بہتی ہے، عبد اللہ جعفری اور عمر بن عبد اللہ بن عروہ نے قصر عاصم کی ہجو کی تھی۔

قصر المغیرہ

ابو ہاشم مغیرہ بن ابو العاص کا محل اور کنواں

حضرت زبیر کہتے ہیں کہ جب میں نے عقیق میں محل بنانے کا ارادہ کیا تو اسے کہا کہ دو گھر بناؤ، پھر میں انہیں دیکھنے کے لئے گیا اور دس دن تک وہاں رہا۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس میری ایک باندی آئی اور کہنے لگی اے ابو ہاشم! آپ نے عقیق میں محل بنانے کا ارادہ کر لیا ہے؟ میں نے اسے کہا کہ ہاں۔ اس نے کہا، عقیق میں بہترین محل بنا دو چنانچہ میں نے یہ محل تیار کیا اور اس پر بہت سی رقم خرچ کی۔ وہ کہتے ہیں، یہ وہی محل ہے جو بنت المرازقی کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت عبد اللہ بن ذکوان کہتے ہیں کہ بنو امیہ، عقیق میں مروان بن حکم کے حوض کی نگرانی کرنے والے کا نام دفتر میں لکھتے جو اسے درست کرتا اور اس کا بھی لکھتے جو بئر مغیرہ میں ڈول وغیرہ ڈالا کرتا۔

قصرِ عنبسہ بن عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ محل جماء کی طرف تھا' جب تم بطحاء کا ارادہ لے کر چلو تو مصعد سے گزر کر آتا ہے۔

قصرِ عنبسہ بن سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ عقیق صغیر میں تھا' ہشام بن عبد الملک سوار ہوئے اور ان کے ساتھ عنبسہ بن سعید تھے' عنبسہ کے محل کی جگہ سے گذرنے تو کہا کہ اے ابو خالد! محل کی جگہ بہت اچھی ہے' یہ میں تجھے دیتا ہوں۔انہوں نے کہا' اسے بنانے کی کس میں ہمت ہے؟ انہوں نے کہا' یہ لو میں تمہیں بیس ہزار دینار کی مدد دیتا ہوں۔انہوں نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو دئے اور کہا' تم بڑوں میں ہوتے ہو' دیکھو' کیسے بناؤ گے' یہ پہلے شخص تھے جو محلات کے درمیان محل بنا رہے تھے' وہ حضرت عبد اللہ بن عامر کے پہلو میں محل بنانے لگے اور جب عمارت سے فارغ ہوئے تو اینٹوں سے اس پر برجیاں بنا دیں۔اس پر حضرت عنبسہ نے کہا کہ یہ پتھروں سے بناؤ۔

میں کہتا ہوں کہ شاید ''عنابس مزارعِ عنبسہ'' کے نام سے مشہور جگہ یہی ہے۔

حضرت عنبسہ کے اولاد میں سے ایک نے کہا کہ ایک دن عبد اللہ بن عنبسہ اپنے محل کے کھلے میدان میں سوئے ہوئے تھے' ایک شخص پہرہ دے رہا تھا' ان کا ایک غلام تھا جو پانی لایا کرتا تھا' وہ اندر آیا تو دیکھا کہ عبد اللہ سو رہے ہیں' اس نے مشکیزہ اُتار کر رکھا اور خنجر لے کر اس کی طرف بڑھا' نوکر درمیان میں آ گیا' وہ قتل ہو گیا' اتنے میں عبد اللہ جاگ اُٹھے' محل کے اندر رہنے والے آگے بڑھے اور قاتل کو پکڑ لیا' عبد اللہ نے حکم دیا تو اسے سولی پر چڑھا دیا گیا۔

جب جعفر بن سلیمان مدینہ کے والی تھے تو وہ اس مکان میں ٹھہرے' وہاں نوکر چاکر رکھے' پھر کھلے میدان کی طرف پھرے' وہاں عمارت بنائی اور اس میں رہائش کی' اسی دوران وہ معزول ہو گئے اور اس سے نکل گئے۔

محمد بن ضحاک کہتے ہیں کہ میرے والد اور ابن عبد اللہ بن عنبسہ کچھ لوگوں کے ہمراہ عقیق صغیر میں عنبسہ کے محل کی طرف گئے' میرے والد مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے' میں ابھی بچہ ہی تھا' وہاں انہوں نے اونٹ ذبح کیا' وہ ایک دوسرے سے ٹھٹھا وغیرہ کرنے لگے' کبھی یہ شعر پڑھتا اور کبھی وہ۔

قصر ابوبکر زبیری یعنی مستقر

ابوبکر بن عبد اللہ بن مصعب زبیری کا محل جسے ''مستقر'' کہتے تھے انہوں نے خریدا' وہ ایک یا دو گھر تھے' اسے گرایا اور محل بنا دیا۔

عبد اللہ بن ابو بکر عثمانی

محمد بن معاویہ کہتے ہیں کہ میں اور محمد بن عبد اللہ بکری (قاضی مدینہ) عقیق کے مقام پر ابن بکیر کے محل میں راضی خوشی رہتے تھے کہ محمد بن عبد اللہ نے دیوار کے بارے میں لکھا:

''کہاں ہیں اہلِ عقیق اور قریش کہاں ہیں' عبد العزیز کہاں ہیں اور ابن بکیر کہاں ہیں' کاش یہ سب لوگ زندہ ہوتے۔''

پھر اس شعر کے نیچے لکھا کہ جو اس مصرعۂ اخیر کو مکمل کریگا' میں اسے مان جاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ عمر بن عبد اللہ بن نافع' ابن بکیر کے محل میں پہنچے اور وہ مصرعہ لکھا ہوا دیکھا تو آدھا مصرعہ پورا کرتے ہوئے کہا: ''اس میں ہمیشہ سے ابن زبیر رہتے چلے آئے۔''

محمد بن معاویہ کہتے ہیں کہ محمد بن عبد اللہ یہاں پہنچے' دیکھا تو وہ شعر پورا کر دیا گیا تھا' پوچھا کہ اسے کس نے مکمل کیا ہے؟ میں نے کہا: عمر بن عبد اللہ نے۔ انہوں نے کہا: اگر میں اس سے بات کرتا تو اسے سراہتا' اس نے اچھی اور سچی بات کی ہے حالانکہ عمر بن عبد اللہ اسے چھوڑ چکے تھے۔

عنقریب ''جماوات'' میں اور محلات کا ذکر آ رہا ہے۔ ابو علی ھجری کہتے ہیں کہ وادی کا سیلاب وہاں تک جاتا تھا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محرم تھا' اس محل کے ساتھ ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زرعی زمین تھی اور پھر اس کے ساتھ ہی دائیں بائیں محلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھی جہاں اشراف کے محلات بنائے جا رہے تھے جن میں سے کچھ وہ ہیں جو مکہ سے فج عیر کی طرف جانے والوں کی دائیں جانب تھے۔

کچھ اور محلات اور کنوئیں (نالے)

ان میں سے ایک اسحٰق بن ایوب مخزومی کا محل تھا' ایک ابراہیم بن ہشام کا' ایک آلِ طلحہ بن عمر بن عبید اللہ کا تھا' پھر راستے کی دائیں طرف نچلی جانب بھی آلِ سفیان بن عاصم بن عبد العزیز بن مروان کا محل تھا' اس کے سامنے' جماء تضارع کے بالمقابل عبد العزیز بن عبد اللہ بن عمرو بن عثمان کے گھر تھے' اس کے ساتھ ہی عبد اللہ بن بکیر بن عمرو بن عثمان کے گھر تھے اور یہ طاہر بن یحییٰ اور اس کے لڑکے کے محلات ہیں۔ انہی کے سامنے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زرعی زمین اور ان کنواں تھا اور اس کی نچلی طرف وہ کنواں تھا جو حضرت مغیرہ بن ابو العاص کے نالے کے نام سے مشہور تھا پھر اس کی نچلی طرف زیاد بن عبد اللہ مدانی کا نالہ اور حوض تھا' قصر مراجل کے کنگرے بنے تھے' اس سے کچھ دور سیّدہ سکینہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا محل تھا اور ساتھ ہی کئی محل اسحاق بن ایوب کے تھے اور پھر ان کی اوپر کی جانب کئی ایک کے کئی گھر تھے پھر مزارقی کی بیٹی زھریہ کے محلات تھے' پھر جعفر بن ابراہیم جعفری کے محلات تھے اور یہ سلسلہ بئر رومہ تک چلا جاتا تھا' پھر دائیں بائیں بہت سے محل تھے جن میں

سے عبد اللہ بن سعید بن عاص کے محل تھے اور بطن وادی میں عبد اللہ بن عبد اللہ بن علی بن عبد اللہ بن العباس کے کنوئیں تھے اور دائیں بائیں محلات تھے۔

پھر اس کے بعد کھلی جگہ پر موجود محلات کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ سلسلہ ''جرف'' تک جاتا تھا اور اسی میں سلیمان بن عبد الملک کا حوض تھا۔

فصل نمبر ۳

کھلے میدان اور اس میں محلات

قصرِ خارجہ

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ بنو امیہ کھلی جگہ کے اردگرد عمارت بنانے سے منع کرتے تھے اور مدینہ کا حکمران' خلیفہ کی اجازت کے بغیر کسی شخص کو زمین کا ایک ٹکڑا بھی نہیں دیتا تھا حتیٰ کہ خارجہ بن حمزہ بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن عوام' ولید بن عبد الملک کی طرف گئے اور ان سے اس کھلے میدان میں محل بنانے کے لئے جگہ مانگی تو انہوں نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ انہیں محل کی جگہ حرہ کے پاس دیدیں چنانچہ وہ محل انہی کے ہاتھ میں رہا اور پھر یحییٰ بن عبد اللہ بن حسین بن علی بن حسین کو مل گیا۔

رومہ میں عبد اللہ بن عامر کا محل

واقدی لکھتے ہیں کہ اس عقیق میں اول ہی سے انہوں نے محل بنایا' صرف ایک محل وہاں موجود تھا جو انہوں نے بقل کے میدان میں بنا رکھا تھا' انہوں نے یہاں قیدی رکھے تھے۔

ابن ابی عوف کہتے ہیں کہ جب مدینہ لوٹ مار ہوئی تو وہ قصر ابن عامر کی طرف چلے گئے اور پھر جنہوں نے قتل ہونا تھا' ہو گئے۔

قصر مروان بن حکم

حضرت زبیر کہتے ہیں کہ مروان نے عرصۃ البقل میں عمارت بنائی' کھدائی کی اور نالہ بنا کر کھیتی باڑی شروع کی۔

قصر سعید بن عاص بن سعید بن عاص بن امیہ

یہ مشہور سخاوت کرنے والے تھے' انہوں نے کھلے میدان کے درمیان میں محل بنایا تھا' اس میں گڑھے کھود کر کھجور کا باغ لگایا۔ یہاں کی کھجور مدینہ میں آنے والی پہلی شے ہوتی تھی۔ اس محل کو عرصۃ الماء کہتے تھے۔

یحییٰ بن کعب کہتے ہیں کہ عرصہ میں سعید کا باغ ایسا تھا کہ وہاں کا کبوتر اڑتا نہ تھا' اس میں تین نالے تھے' ان میں سے بلند دائیں طرف تھا جسے شمر دلیہ کہتے تھے اور جو اس کے ساتھ تھا وہ نچلی جانب تھا جسے واسطیہ کہتے تھے اور تیسرا نچلی جانب والا میں بھول گیا۔ انہوں نے اپنے محل کے پاس کھلے میدان میں تعمیر کی جس کے بارے میں عمر بن ولید بن عقبہ نے کہا:

''یہ محل کھجور کے درختوں والا ہے' جماء ان دونوں کے درمیان ہے جو جیرون کے دروازوں سے زیادہ دل کو لبھاتا ہے۔''

علامہ ھجری کہتے ہیں: یہ عقیق کی ندی عرصۃ البقل اور عرصۃ الماء تک چلی جاتی تھی اور جعفر بن سلیمان کا عرصہ جماء عاقر سے پہلے تھا جو پہاڑ کے قلعے میں اُبھرا ہوا تھا اور پھر کھلے اور بڑے میدان میں سعید بن عاص کے دو میدان تھے جس کے بارے میں ایک شاعر نے اوپر والا شعر کہہ کر تعریف بیان کی ہے۔

فضالہ بن عثمان کہتے ہیں کہ جب سعید کی موت کا وقت آیا تو اپنے فصیح و بلیغ لڑکے سے کہا کہ میں تمہیں تین وصیتیں کرتا ہوں: مجھ پر بہت بڑا قرض ہے میرے بہت سے مال میں سے اسے ادا کر دینا' میرے بھائیوں کو دیکھنا' اگر وہ میرا چہرہ نہ دیکھ سکیں تو میری نیکیاں نہ بھلائیں اور میری بیٹیوں کو قریبی رشتہ داروں میں بیاہنا اور پھر فوت ہو گئے۔

اس کے بعد عمرؓ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سوار ہو گئے۔ دربان نے حضرت معاویہ سے کہا کہ دروازے پر عمرو آئے ہیں۔ حضرت معاویہ نے کہا کہ سعید فوت ہو گئے' انہیں آنے دو' پھر ان س سعید کے بارے میں افسوس کا اظہار کیا۔ انہوں نے اپنے والد کی وصیت بتائی تو حضرت معاویہ نے کہا' ہم ان کا قرض اتار دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میرے والد کی وصیت' اپنے اصل مال میں سے ادا کرنے کی ہے' آخر انہوں نے معاویہ سے رقم لے لی اور مدینہ میں آ کر ان کا قرض اُتار دیا۔

سعید کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میرا ''عرصہ'' میں یہ مکان ریت کا ڈھیر نہیں' یہ خوشگوار گھر ہے' یہ معاویہ کے ہاتھ بیچ کر میرا قرض اُتار دینا اور میرے کئے ہوئے وعدے پورے کر دینا اور میرا قرض اُتارنے کے لئے معاویہ سے کوئی رقم نہ لینا۔

نوفلؒ بن عمارہ نے بتایا کہ سعید نے اپنے بیٹے سے کہا' میں تجھے چار وصیتیں کرتا ہوں' میرے فوت ہونے تک مجھے میرے محل سے نہ نکالنا کیونکہ یہ جگہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے اور میری قوم میں سے بہت کم لوگ ہوں گے تو میری قبر تک لے جانے کے لئے مجھے اپنے کندھوں پر اُٹھالیں گے۔ اس کے بعد پہلی تین وصیتیں کیں اور جب وہ فوت ہو گئے تو انہیں قریش نے اُٹھایا اور بقیع میں لے جا کر دفن کر دیا' ان کا محل مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ اس کے بعد ان کے لڑکے حضرت معاویہ کی طرف گئے اور ان کے پاس پہنچے' بال بکھرے ہوئے تھے۔ حضرت معاویہ نے کہا' کیا بات

ہے؟ انہوں نے کہا ابو عثمان فوت ہو گئے' ان پر رحم کیجئے۔ انہوں نے کہا اپنی ضرورت بتایئے' انہوں نے ان کی وصیتیں بتائیں' حضرت معاویہ نے قرض کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ تیس لاکھ درہم قرض ہے۔ حضرت معاویہ نے کہا کہ یہ میرے ذمہ رہا۔ ابن سعید نے کہا کہ والد کی وصیت یہ ہے کہ ان کے ذاتی مال سے ادا کروں۔ معاویہ نے کہا' یہ مجھے بیچ دو' انہوں نے کہا' یہ میدانی زمین میں آپ کو بیچتا ہوں' انہوں نے کہا دس لاکھ میں محل' دس لاکھ میں کھجور کا باغ اور دس لاکھ میں زرعی زمین لیتا ہوں۔ پھر کہا اے اہلِ شام' اسے تحریر کر لو تاکہ شرمساری نہ ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ سعید نے کہا کہ انہوں نے مجھے قرض کے بدلے بیچنے کو کہا تھا۔ حضرت معاویہ نے کہا تو جو چاہتے ہو' مجھے بتا دو' سعیدؓ نے کہا کہ ان کی نسبت سے اچھی اور انہیں پیاری جگہ کھلے میدان میں ان کا گھر ہے۔ انہوں نے کہا' افسوس' اسے تو وہ نہیں بیچیں گے' کوئی اور جگہ بتاؤ۔ کہا تم جلدی قرض اُتارنا چاہتے ہو؟ اور کہا کہ میں تین لاکھ میں لیتا ہوں' کہا کہ درہموں کے بدلے درہم کا وزن دیدو۔ انہوں نے کہا یونہی کرتا ہوں۔ کہا کہ اسے تم مدینہ لے جاؤ گے۔ اس نے کہا' یہ ہم کر دیں گے۔

عمرو آ گئے اور دیوان میں اسے بکھیر دیا۔ اسی دوران ان کے پاس ایک قریش کا ایک جوان آ گیا۔ اس کے پاس چمڑے کی تھیلی تھی جس میں بیس ہزار درہم تھے' سعید کے غلام کا خط تھا اور خود سعید کے اس پر دستخط تھے۔ اس نے خط پہچان لیا اور اس بات سے انکار کر دیا کہ اس محتاج جوان کو دیدیں۔ پوچھا: اس مال کا سبب کیا ہے؟ کہا: میں نے دیکھا کہ وہ معزول ہے اور اکیلا چل پھر رہا ہے چنانچہ میں اس کے گھر کے دروازے تک اس کے ساتھ چلا' وہ جا کر رُک گیا اور پوچھنے لگا: کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ؟ میں نے کہا کہ میں نے تمہیں اکیلے چلتا دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ تمہارا ساتھ دوں۔ اس نے کہا: تمہیں رحم کا لحاظ آ گیا تو اس چمڑے کا ٹکڑا مجھے فروخت کر دو' میں اس کے پاس یہ ٹکڑا لے آیا ہوں' چنانچہ اس کے غلام نے یہ خط لکھ دیا جس پر اس نے اپنی شہادت ڈال دی اور پھر کہا: اے بھتیجے! آج ہمارے پاس کوئی شے نہیں لہٰذا یہ خط لے لو۔

محمد زھری کہتے ہیں کہ عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز' عبد اللہ بن حسن بن محمد اور محمد بن جعفر بن محمد اپنے اپنے خچروں پر سوار ہوئے اور جب وادیٔ عقیق میں پہنچے تو بارش نے انہیں گھیر لیا۔ وہاں کانٹوں کے بغیر ایک بڑا درخت تھا' یہ اس کے نیچے چلے گئے۔ پھر آسمان صاف ہو گیا' وہ تھوڑی دور چلے اور پھر اس کے نیچے آ گئے۔

انصار کا ایک آدمی بتاتا ہے کہ وہ وادیٔ عقیق کے اندر ایک بے کانٹوں کے درخت کے نیچے تھا کہ اتنے میں حضرت ابن عمر آ ٹھہرے' سلام کہا اور پوچھا کہ تمہیں اس کا پتہ کس نے بتایا؟ اس نے کہا کہ جس نے آپ کو بتایا ہے۔ ابن عمر نے کہا تو کیا تم جانتے ہو کہ سرح کا سایہ کیونکر اچھا ہوتا ہے؟ اس نے کہا: اس لئے کہ اس کا سایہ گہرا ہوتا ہے اور پھر اس کے کانٹے بھی نہیں ہیں۔ ابن عمر نے کہا: دیکھو جب تم منیٰ میں اخشبین میں ہو تو تمہارے اور سورج چڑھنے کے درمیانی مقام میں ایک وادی ہے جسے وادی سرر کہتے ہیں' اس میں ستر نبیوں کو خوشی ہوئی' ان میں سے ایک کو بے

کانٹے درخت کے نیچے رہ کر خوشی ہوئی تو اس نے اس درخت کو بلایا' وہ دوپہر کو ایسے نہیں سوتا تھا جیسے دوسرے درخت سوتے تھے۔

محمد بن معن غفاری کہتے ہیں کہ محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عثمان نے مکہ جانے کا ارادہ کیا تو اس بات کا ذکر عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز سے کیا۔عبد العزیز نے کہا: کیا یہ کر سکتے ہو کہ تم اور تمہارے ساتھی دوپہر کو میرے پاس آرام کرو اور پھر یہاں سے چلے جانا؟ اس وقت وہ عمر بن عبد العزیز کے محل میں تھا۔اس پر محمد نے کہا' ٹھیک ہے' ہم ایسا کر لیں گے چنانچہ عبد العزیز نے ان کے ٹھہرنے کا انتظام کیا۔محمد نے کہا: آپ نے جو کچھ ممکن تھا' سارا انتظام کر دیا ہے' صرف جنگل کے کھانے کا انتظام نہیں کیا۔اس نے پوچھا' وہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ کھجور اور مکھن کا کھانا۔عبد العزیز نے کہا کہ بکریاں تو عاصم بنت سفیان بن عاصم بن عبد العزیز کی ہیں (ان کی بیوی کی) اور میں اس کی اجازت کے بغیر پیش نہیں کر سکتا البتہ میں کھانے کا انتظام کروں گا۔اس پر اس نے اپنی بیوی کو لکھا:

''میری جان تم پر فدا' میرے پاس مہمان آئے ہیں' ان میں بوڑھوں اور جوانوں کا ہم پر حق ہے' وہ یہاں آٹھہرے ہیں اور مہمان کی قدر ضروری ہوتی ہے' وہ کھجور اور مکھن مانگتے ہیں۔''

اس پر محمد نے کہا: تم یونہی راضی خوشی زندگی گزارتے رہو۔عبد العزیز نے کہا: ہاں بخدا میں نے اس کے علاوہ کسی کو ہاتھ نہیں لگایا اور نہ ہی کسی اور کو جانتا ہوں اور نہ ہی اپنی خواہش کے مقابلہ میں اس کی مخالفت کی ہے' چنانچہ ان کی بیوی نے کھجور اور مکھن بھیج دیا۔

عبد العزیز بن ابو حازم کہتے ہیں کہ عروہ بن زبیر اپنے محل کے صحن میں دوپہر کے وقت کھڑے تھے کہ اہلِ مدینہ میں سے ایک شیخ آ گئے' ان کے پاس کبوتر تھا' وہ میل کے پاس کھڑے ہو گئے' اپنے کبوتر پر ہاتھ پھیرا' اس کے پیروں کو سیدھا کیا اور اسے چھوڑ دیا۔پھر عروہ کے کنوئیں پر آئے اور اس سے پانی پیا۔عروہ نے ان سے کہا: تم اس وقت یہاں آئے ہو اور بچے معلوم ہوتے ہو کیونکہ تم نے کبوتر کو چھوڑ دیا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ شیطان کی طرح ہوتا ہے جس کے پیچھے بھی شیطان لگا ہوتا ہے۔یہ سن کر وہ شیخ بولا:

''اے دوست! اس سے زیادہ کچھ نہ کہو کیونکہ اس کام میں کوئی برائی نہیں۔''

عبد العزیز بن عبد العزیز بتاتے ہیں کہ میں عقیق میں تھا کہ ایک شخص کبوتر لئے آیا' میں نے کہا: یہ کبوتر کیوں اُٹھا رکھا ہے؟ مجھے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ تم نے اسے قید کر رکھا ہے۔اس نے کہا: ہاں' تو اس میں برائی کونسی ہے؟ میں نے کہا کہ اسے یوں قید کر لینا حرام ہے۔اس نے کہا کہ یہ گھوڑا بھی قید کیا جاتا ہے۔میں نے کہا کہ یہ سنت ہے۔اس نے کہا' یہ بھی تو ایک جانور ہی ہے اور پھر چلا گیا۔انتہی۔

فصل نمبر٤

مدینہ کی ندیاں، درختوں والی زمین اور شرید پہاڑی وغیرہ

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ مدینہ کی تین ندیاں مشہور ہیں:

جماءِ تضارع

ایک "جماءِ تضارع" ہے جو عاصم کے محل اور بئر عروہ کے قریب سے چلتی ہے۔ هجری کہتے ہیں کہ ان ندیوں میں سے پہلی "جماءِ تضارع" ہے جو عاصم کے محل سے گزرتی ہے۔ یہاں ابو القاسم طاہر بن یحیٰ اور اس کی اولاد کے گھر ہیں اور اس کی نچلی طرف مکیمن الجماء تھی۔ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ جب تضارع بہتی تھی تو یہ سال ربیع ہوتا تھا۔

ابن شبہ حدیث بتاتے ہیں کہ تضارع صرف سال ربیع میں بہتی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ تضارع وہ پہاڑی تھی کے ابوبکیر عثمانی کے محل کے دامن میں تھی جبکہ عبد العزیز بن عبد اللہ عثمانی مدینہ کے گھر مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھے اور مکہ جانے والے کی دا ہنی طرف تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ پہاڑی وہ ہے کہ جب تم مکہ کی طرف جاتے ہوتو تمہارے سامنے آتی ہے اور جب تم عقیق میں داخل ہوتے ہوتو تمہاری دا ہنی طرف ہو جاتی ہے اور مکیمن الجماء پہاڑی اس کے متصل ہی ہے، یہ بھی مکہ جانے والے کی دا ہنی طرف آتی ہے۔

جماءِ اُمِ خالد

دوسری ندی جماءِ ام خالد کہلاتی ہے جو محمد بن عیسیٰ جعفری کے محل اور اس کے قریب ہی بہتی ہے اور اس کی نچلی طرف اشعث کے گھر تھے نیز یزید بن عبد الملک بن مغیرہ نوفلی کا محل تھا۔

ابن شبہ نے عبد العزیز بن عمران سے یونہی نقل کی ہے البتہ انہوں نے کہا کہ اس کی نچلی طرف اشعث کے گھر اور فیفاء الخبار تھا، اس کے اور جماء العاقر کے درمیان راستہ تھا جو بئر رومہ اور فیفاء الخبار کی طرف سے گذرتا تھا اور جماء ام خالد سے ہوتا ہوا نچلی طرف وادی عقیق کے شمال میں گرتا تھا اور فیفاء الخبار ان دونوں میں سے تھا۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ جماءِ ام خالد کی نچلی طرف ایک پہاڑی تھی جسے "سفر" کہتے تھے۔

حضرت زبیر، محمد سے بیان کرتے ہیں کہ جماءِ امِ خالد کے سرے پر ایک آدمی کی قبر دکھائی دی جس پر لکھا تھا کہ "میرا نام اسود بن سوادہ ہے اور میں اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا ایلچی ہوں جو اس بستی کی ہدایت کی خاطر مقرر تھا۔"

ابن شہاب کہتے ہیں کہ جماءِ ام خالد پر ایک قبر دکھائی دی جو چالیس چالیس ہاتھ مربع شکل کی تھی، اس کے ایک

پتھر پر لکھا تھا کہ ''میں آلِ نینویٰ میں سے عبد اللہ ہوں اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا ایلچی تھا جسے اس بستی کی ہدایت کے لئے مقرر کیا گیا تھا' مجھے موت آ گئی تو میں نے بوقت مرگ وصیت کی تھی کہ مجھے جماء اُمِ خالد میں دفن کرنا۔''

عبد العزیز بن عمران کہتے ہیں کہ نینویٰ نام کی دو جگہیں تھیں' ایک تو طف کے مقام پر ارض سواء کہلاتی تھی جہاں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل کئے گئے اور دوسری موصل میں ایک جگہ تھی' اسی میں حضرت یونس علیہ السلام تھے اور ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ابن شہاب نے ان میں سے کس جگہ کا نام لیا ہے۔

تیسرے باب کی ابتداء میں اس بارے میں دو روایتیں گذر چکی ہیں جن میں سے ایک میں انہوں نے کہا: ''اچانک دیکھا تو وہاں یہ لکھا ملا کہ میں عبد اللہ اسود ہوں' حضرت عیسیٰ بن مریم رسول علیہ السلام کی طرف سے عرینہ بستی والوں کی ہدایت کے لئے مقرر تھا۔'' دوسری روایت میں ہے: اچانک دیکھا تو وہاں سے لکھا ملا: میں اللہ کا بندہ ہوں' اللہ کے نبی حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی طرف سے مجھے اہلِ یثرب کے لئے مقرر کیا گیا تھا' اس وقت میں شمال میں تھا۔

جماءِ العاقر (العاقل)

تیسری ندی جماء عاقر نامی تھا۔ ابن شبہ اپنے گذشتہ بیان کے بعد کہتے ہیں کہ جماءِ عاقر وہ پہاڑی تھی جس کی پچھلی طرف ''مشاش'' تھی' وہ کھلے مقام پر جعفر بن سلیمان بن علی کے محل تھے۔ ھجری کہتے ہیں کہ تیسری جماء العاقل تھی جس میں سے جماءِ امِ خالد کی طرف راستہ جاتا تھا اور یہ جعفر بن سلیمان کے گھر سے بہتی تھی جس کے پیچھے مشاش تھی' یہ وہ وادی تھی جو عرصہ میں داخل ہوتی تھی۔ زبیر کہتے ہیں کہ جماء العاقل ایک راستہ تھا جو اس کے اور جماءِ امِ خالد کے درمیان تھا' اس کے پیچھے مشاش تھی۔

ابن زبالہ نے یہاں یہ حدیث بتائی ہے کہ: اس وقت تک قیامت نہ آ سکے گی جب تک جماء کے پہلو میں جھونپڑی کے قریب دو آدمی ایک دوسرے کو قتل نہ کریں گے' ایک اور حدیث بتائی کہ اگر سرداروں کی کثرت نہ ہوتی تو جماء رہنے کی بہترین جگہ ہوتی۔

حضرت بیہقی ''المعرفۃ'' میں حضرت شافعی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: سعید بن زید اور حضرت ابوہریرہ کم از کم چھ میل کے فاصلے پر ہوتے تو جمعہ کے لئے آتے اور اس جگہ کو چھوڑ دیتے۔

حضرت زبیر' حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ جب سعید بن زید بن عمرو بن نفیل پر جمعہ کے دن' سورج سر پر آنے کے وقت چیخ ماری گئی تو ابن عمران کے پاس عقیق میں آئے اور جمعہ چھوڑ دیا۔

علاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: اروی بنت اویس نے سعید بن زید کے خلاف ان کی درختوں والی زمین میں مروان بن حکم کی مدد کی اور کہا کہ اس نے اپنی زمین میں میری چوٹی ڈال دی ہے' اس نے کہا کہ

میں کیسے ظلم کروں، میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے سن رکھا ہے کہ جو کسی کی انگشت بھر زمین پر قبضہ کرے گا تو قیامت کے دن ساتوں زمینیں اس کے گلے کا ہار بن جائیں گی چنانچہ سعید نے اسے وہ جگہ دیدی جس کا وہ دعویٰ کرتی تھی اور کہا: الٰہی! اگر اروی نے مجھ پر ظلم کیا ہے تو اس کی آنکھیں اندھی کر دے اور اس کی قبر اس کے کنوئیں میں بنا دے چنانچہ اروی اندھی ہوگئی۔ ادھر سیلاب آیا اور سعید کے حق سے باہر اس کی چوٹی ظاہر کر دی چنانچہ سعید نے مروان پر قسم کھائی کہ ضرور اس کے ہمراہ سوار ہوگا اور اس کی چوٹی کے بال دیکھے گا چنانچہ سوار ہوا' لوگ دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں اروی کسی ضرورت سے باہر نکلی' کنوئیں میں گری اور مرگئی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے سعید سے کہا تھا کہ اس کے لئے دعا کریں کیونکہ اس نے ان پر ظلم کیا ہے۔ سعید نے کہا کہ میں وہ حق اللہ پر نہیں لوٹا سکتا جو اس نے مجھے دیا ہے۔

ابراہیم بن حمزہ کہتے ہیں: اہلِ مدینہ ایک دوسرے کے خلاف دُعا کرتے رہتے اور کہتے کہ اللہ تمہیں ویسے ہی اندھا کر دے جیسے اس نے اروی کو اندھا کر دیا تھا' وہ لوگ اروی کے ارادے سے کہتے' پھر جاہلوں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ تجھے اللہ یونہی اندھا کر دے جیسے اروی کو کیا تھا یعنی پہاڑ کی طرح اندھا کر دے' ان کا خیال تھا کہ پہاڑ بہت اندھا ہوتا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ سعید نے کہا تھا: اے اللہ! اگر اروی جھوٹی ہے تو تو اسے دنیا سے جانے سے پہلے اندھا کر دے اور اسے کنوئیں میں موت آئے چنانچہ وہ اندھی ہوگئی' اس کی ایک لونڈی تھی جو اسے لئے پھرتی تھی۔ وہ اس لونڈی سے کہتی کہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ تو وہ اسے بتاتی' وہ انہیں کہتی کہ تم ایسے ایسے کر رہے ہو اور پھر چلانے لگتی۔ ایک دن لونڈی غافل ہوگئی تو وہ لوگوں کی طرف چلی اور اپنے کنوئیں میں گر گئی اور مرگئی' اسی وجہ سے اسے کہتے کہ اروی اندھی ہوگئی۔

یحیٰی بن موسیٰ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ زراعت سے پہلے درختوں کے پاس گئے' مروان وہاں سے گذرا' وہ حضرت معاویہ کی طرف سے حاکم مدینہ تھا' کہا کیا بات ہے' میں آپ کو یہاں دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ ذوالحلیفہ کی جانب نکلا کہ مسجد رسول اللہ ﷺ میں نماز پڑھوں' مروان نے انہیں زمین کا ایک ٹکڑا دیدیا اور یوں ان کی مدد کی' حضرت ابوہریرہ نے وہ قطعہ اپنے بیٹے کو دیدیا۔ عقیق میں کھجور کے بہت سے درخت ہو گئے تو انہوں نے وہاں کنوئیں بنا دئے۔

ثنیۃ الشرید

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ ثنیۃ الشرید بنو سلیم کے ایک شخص کی تھی جو اپنے گھر والوں میں سے اکیلا رہ گیا تھا' اسے شرید کہا گیا' اس میں انگور اور کھجوریں ایسی تھیں جو اور کہیں دکھائی نہ دیتی تھیں۔ حضرت معاویہ مدینہ آئے تو ان سے مانگیں

لیکن انہوں نے دینے سے انکار کر دیا پھر ایک دن سوار ہوئے اور اپنے کارندوں کو دھوپ میں دیکھا' پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا؟ انہوں نے کہا ہم کنوؤں پر آنسو بہا رہے ہیں۔ وہ سوار ہو کر حضرت معاویہ کی طرف گئے اور کہا اے امیر المؤمنین! میرے دل میں ہمیشہ یہ بات رہی کہ جو کچھ آپ مجھ سے مانگتے ہیں' نہ دوں' اب میں آپ کو پیش کرتا ہوں۔ انہوں نے ابن ابی احمد کو لکھا کہ انہیں قیمت ادا کر دیں چنانچہ انہوں نے قیمت ادا کر دی۔

ثنیۃ الشرید کی زرعی زمین' محرمین کی زمین سے منصور بن ابراہیم کی زمین تک تھی۔ ھجری کہتے ہیں کہ عُقیق کا سیلاب ثنیۃ الشرید تک آ جاتا' وہ بہت سے گھر اور کنوئیں تھے' وہاں کانٹوں والے درخت اور بہت سے ٹیلے تھے' یہ وادی کئی قسم کی گھاس اُگاتی تھی جو مویشیوں کے کام آتی' اس ثنیہ کو مشرقی جانب سے عیر الوادی گھیرے ہوئے تھی اور مغرب میں پہاڑ تھا جسے فراء کہتے تھے' پھر درختوں کی طرف جاتی جہاں محرم اور معرس نامی بوٹیاں تھیں۔

کتب سیرت میں سے ابن نجار کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے عقیق پر ھیصم مزنی نامی شخص کو مقرر کر رکھا تھا' مدینہ کے حکمران ہمیشہ اس وادی پر قابض رہے اور جب داؤد بن عیسیٰ کا دورِ حکومت آیا تو اس نے ۱۹۸ھ میں اسے چھوڑ دیا۔

میں کہتا ہوں کہ ابن زبالہ اور زبیر نے اسے نقیع کی چراگاہ میں ذکر کیا ہے اور ابن زبالہ نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی کو حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس وقت منع کیا جب وہ عقیق میں تھا' اس کے باپ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ انہیں شجرہ میں جمعہ پڑھاتا تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اسے جمعہ پڑھانے سے اس لئے منع کر دیا کہ اس کے والد کا نام معلوم نہ تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وادیٔ عقیق میں جمعہ پڑھایا جاتا تھا چنانچہ وادیٔ عقیق میں اب تک مکانوں کے آثار موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں اونچے محل' دلکش مناظر' پانی کے میٹھے کنوئیں اور ایسے باغ تھے جو ٹہنیوں سے لدے ہوئے تھے' وقت گذرنے پر سب برباد ہو گئے' کچھ کنوئیں باقی رہ گئے اور کچھ نشانات محفوظ تھے جنہیں دیکھ کر دلوں کو اطمینان ملتا تھا اور طبیعتیں خوش ہو جاتی تھیں۔ ایک بدو نے کہا تھا:

> "اے سوار ہو کر جانے والے غمزدو! کیا تمہیں عقیق اور گھروں والوں کے بارے میں بھی کچھ علم ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں' یہاں اپنے زمانے میں ٹیلے ہوا کرتے تھے جو چمکتے دمکتے تھے' ہمیں سب کچھ معلوم ہے۔"

خاتمہ

عقیق میں وادیاں اور کنوئیں

ابو عبیدہ کی "جزیرۃ العرب" میں ابو عبد اللہ کی ایک روایت ہے کہ: وادیٔ عقیق طائف کی طرف سے آتی تھی اور مدینہ کی طرف بہتی تھی اور پھر اضم البحر میں جا گرتی تھی۔ انتہی۔

عنقریب وادیٔ قناۃ کے بارے میں آ رہا ہے کہ یہ بھی وجّ طائف سے آتی تھی لیکن زبیر وغیرہ نے کہا ہے کہ عقیق کی وادیوں میں سے اعلیٰ وادی نقیع تھی، پھر ذو العش، پھر ذو الضرورۃ، پھر ذو القریٰ، پھر ذوا لمیث، پھر ذو المکبر، پھر ذات القطب، پھر حد المولیٰ، پھر حد الابانی، پھر ذو تعقیہ، پھر قویع، پھر ذو الصوائر، پھر فلجہ، پھر وشیجہ، پھر مخائل الوغائر، پھر مخائل الرمضہ اور یہ دونوں حصین میں گرتی تھیں، پھر ذو العشیرہ، پھر رتاحہ، پھر ذو سمر، پھر یمنی اور شامی مرخی الحرہ جو برابر چلتی تھیں، پھر ذو سمر اور مرخان جمع ہو جاتیں تو سب کو مجتمعہ کہا جاتا، پھر ذات السلیم، پھر ذو الغصین، پھر شوظی، پھر خاخ، پھر مناصفہ تھیں اور پھر حمری، فراء اور عیرین کی گھاٹیاں تھیں۔

زبیر کہتے ہیں کہ مغرب میں قبلہ کی طرف اس کی وادیوں میں ذات الرابوقہ اور پھر نفع تھیں پھر عقیق کے ابتدائی حصے میں وہ وادیاں تھیں جو قدس سے نقیع میں پہنچتی تھیں اور جو حرّہ سے پہلے نقیع اور ثنیۂ عمق کے پیچھے تھیں وہ فرع میں گرتی تھیں اور جو حرّہ سے پہلے عقیق میں گرتی تھیں، انہیں بطاویح کہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ فرش موزذ، پھر رایۃ الاعمیٰ، پھر رایۃ الغراب، پھر خائع، پھر ذو عاصم، پھر بلغۃ السرح، پھر بلغۃ برام، پھر بلغۃ رماذ، پھر بلغۃ المعیراء، پھر بلغۃ الرمس، پھر نبعۃ العشرہ، پھر نبعۃ الطوی، پھر حتینہ، پھر نبعہ، پھر ضاف، پھر بلغۃ التمر، پھر عیج الاضاۃ، پھر اتمہ یعنی اتمۂ عبد اللہ بن زبیر، پھر ذات الحماط تھیں اور پھر ایک حدیث میں گذرا کہ نبی کریم ﷺ نے ضیقہ میں موجود مسجد میں نماز پڑھی تھی جو ذات الحماط سے نکلتی تھی، پھر وادیٔ ھاوان، پھر فریقان، پھر ساھیہ، پھر اعشار تھیں اور حضور ﷺ کے غارِ اعشار میں اترنے اور وہاں نماز پڑھنے کی حدیث گذر چکی، پھر وادیٔ ریم، پھر لای، پھر ذو سلم العظیم، پھر ذو بدوم، پھر حفیہ، پھر قسبان، پھر صھوہ، پھر بقرہ، پھر ذو سنیہ، یہ سنیہ مزینہ کی ایک قوم کا نام تھا، پھر رمامیہ، پھر موقیہ، پھر ضبع، پھر مہر، پھر ملیحہ، پھر ملیجہ، پھر نخیل، پھر ردیہہ، پھر انفہ، پھر منقبہ، پھر مراح الصحرہ، پھر ابو یسار کی بہنے والی وادی تھی جو مخرمی کے محل کے پاس بہتی تھی، پھر شعاب الفراء، پھر ذات الجیش اور وہ حدیث گذر چکی جس میں حرمِ مدینہ کے اعلام کا ذکر تھا جو ذات الجیش کی بالائی جانب تھے، پھر وادیٔ ابو کبیر بن سعید بن وھب بن عبد بن قصی تھی اور ذات الجیش اسی میں گرتی تھی، یہیں آلِ ابو کبیر کا محل تھا جو رماد نامی تھا، فراء کی طرف ان کا کنواں تھا جہاں وہ اپنے ستّر یا اسّی اونٹ لایا کرتے چنانچہ زبیر کہتے ہیں کہ میں نے فراء کی طرف ایک کنواں دیکھا جس میں مٹی بھر چکی تھی اور صلصلین سے پہلے کی وادی ابو عاصیہ کے کنوئیں میں گرتی تھی اور پھر ذات الجیش میں جا گرتی اور پھر وادیٔ ابو کبیر میں جا گرتی اور جو ان دونوں کے پیچھے تھی، وہ بطحاء میں گرتی تھی چنانچہ غربی عظیم

جانب ذات الحبش میں گرتی اور شامی بطحاء میں گرتی جو وادیٔ عقیق میں دو پہاڑوں کے درمیان تھی اور پھر تین وادیاں تھیں جن کے مسائل ان میں موجود تھے جیسے ہم بیان کر چکے۔

پھر زبیر نے زغابہ کے مقام پر مدینہ کے سیلابوں کے جمع ہونے کا ذکر کیا' یہ وادیٔ اضم کا بالائی مقام تھا۔ کہتے ہیں کہ عقیق کے سیلابی پانی کے نالے جو وادی کے اندر تھے اور حرّہ سے ملتے تھے وہ ذوالعش کی بالائی جانب تھے' پھر غدیر سلیم تھا' پھر ذوالتحامیم' پھر الاعوج' پھر غدیر الجبال' پھر یماحم' پھر غدیر الذباب' پھر غدیر الحمیر' پھر غدیر فلیج الاعلیٰ' پھر غدیر فلیج الاسفل اور یہ تینوں منحنیا تفلیج الزبیری کے نام سے جانے جاتے تھے' پھر غدیر السیالہ' پھر الطویل اور یہ بھی منحنیات فلیج سے شمار ہوتا تھا' پھر عبد اللہ عمری کے گھروں کا غدیر البیوت' پھر غدیر رتیجہ' پھر بکبین' پھر غدیر سلافہ' پھر غدیر رعاء' پھر غدیر الاحمیٰ' پھر غدیر حصیر' پھر حصیر کی نچلی جانب ندبہ' پھر مرج کی بالائی جانب العرابہ' پھر مرج' پھر غدیر السدر' پھر غدیر النخم' پھر مستوجبہ' پھر حلیف' پھر حقن' پھر ذوالطفیتین' پھر ذوالکلبین' پھر ذوالابنہ' پھر غدیر مریم' پھر غدیر الحجاز' پھر غدیر المرس اور رابوع نامی کنوئیں تھے' ان میں کبھی کبھار پانی کی کمی آتی تھی اور جب کمی آ جاتی تو تہ میں پانی ہوتا۔ عقیق میں پائے جانے والے کنوؤں میں سے یہ سب سے نچلی جانب تھا البتہ ایک کنواں اس سے بھی نچلی جانب تھا جسے غدیر السیالہ کہتے تھے۔

ابن شبہ کہتے ہیں کہ عقیق کا سیلابی پانی اس جگہ سے آتا تھا جسے بطاویح کہتے تھے' یہ حرّہ میں سے محفوظ مقام پر تھا اور شطای کی غربی جانب تھا اور یہ نقیع میں جا گرتے تھے' یہ کھلی ہموار زمین میں مدینہ سے یمن کی طرف اڑتالیس میل کے فاصلے پر تھا' پھر یہ غدیر یلیلن اور برام میں گرتا تھا اور اسی میں وادیٔ بقاع گرتی تھی اور اسی میں لقع گرتی تھی اور پھر یہ ایک نشیبی مقام میں جمع ہو جاتے جسے نقع کہتے تھے پھر یہ سیلاب مشرق کی طرف جاتا اور بائیں طرف رواوتین میں جا گرتا اور اسی میں ایک وادی گرتی جسے حلوان کہتے تھے پھر یہ سب جمع ہوتیں تو نچلی طرف سے الحلیفہ العلیا مل جاتی اور پھر یہ اتمہ اور الجام میں گر جاتیں' پھر وادیٔ الحمیراء کی طرف جاتیں اور اس وادی میں چلی جاتیں پھر اس میں مشرقی اور غربی حرّہ گرتا اور ثنیۃ الشرید تک پہنچ جاتیں اور وادی تک پہنچ جاتیں پھر ذوالحلیفہ سے شروع ہو کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین میں جا پہنچتی اور یونہی عاصم بن عدی بن عجلان کی زمین میں پہنچ جاتی پھر وادی کے بیچ گر جاتی تو وہاں اس میں جماء اور نمیر کی شاخیں گر جاتیں اور یوں مل کر حضرت عروہ بن زبیر اور ان کے کنوئیں تک پہنچ جاتی' پھر وادی کے اندر چلی جاتی تو وہاں سے شطیب شروع ہوتی اور خلیج حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچ جاتی جو میدانی علاقے کی نچلی طرف کھودی گئی تھی اور جسے خلیج بناتِ نائلہ کہتے تھے' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بیٹیاں انہی نائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھیں۔

پھر یہ سیلابِ عقیق حضرت عبد اللہ بن عنبسہ بن سعید کے گڑھوں سے نکل کر دائیں بائیں میدان میں پھیل جاتا جسے وادی کی ایک نہر قطع کرتی تھی اور پھر یہ سب پانی جمع ہو کر زغابہ میں گر جاتا۔ انتہیٰ۔

علامہ ہجری نقل کرتے ہیں کہ عقیق کا یہ سیلاب جب نقیع سے چلتا تو نچلی طرف اس مقام پر آ جاتا جہاں کوئی

درخت نہ تھا اور اس کی نچلی طرف حصیر تھا' پھر یہ مرج کی طرف چلا جاتا اور وہاں سے مستوجبہ میں آ جاتا پھر اس کنوئیں کی طرف جاتا جیسے دیوا الفرس کہتے تھے' پھر غدیر مجاز کو جاتا اور پھر اس کنوئیں کی طرف جاتا جسے روا وہ کہتے تھے پھر غدیر الطفیتین میں آتا' پھر ابنہ میں آتا' پھر اس کی نچلی جانب رابوع میں آتا' پھر اسے وادیٔ بریم مل جاتی اور جب یہ جمع ہو جاتے تو حلیفۂ عبد اللہ بن ابو احمد بن جحش میں گر جاتے اور پھر نقیع' صحرۂ مراج اور انفہ کے سیلابی پانی ایک پہاڑ کے قریب اوپر اُٹھتے جسے واسطہ المسطح کہتے تھے اور پھر جنجانہ میں جمع ہوتے جو زبیری کے غلاموں کی اراضی تھی پھر حمراء الاسد جاتے' پھر ثنیۃ الشرید اور پھر اس شجرہ کو جاتے جہاں محرم تھا۔

فصل نمبر ۵

مدینہ منورہ کی باقی وادیاں' وہ مقام جہاں سے شروع ہوتی تھیں اور جہاں آ کر جمع ہو جاتیں

وادیٔ بطحاء

ان وادیوں میں سے ایک وادیٔ بطحان تھی۔ ابن شبہ اور بزار کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' فرماتے تھے کہ "وادیٔ بطحان جنت کے دروازے پر ہے۔" ابن شبہ کہتے ہیں' رہی سیلِ بطحان جو مدینہ کے گھروں میں چلتی تھی (یعنی ابن شبہ کے دور میں) اور ذوالجدر سے شروع سے ہوتا تھی۔ یہ وہ سیلاب تھا جو حرّہ کے میدانی علاقے میں چلتا تھا ابن زبیر کی مشرقی زمین میں گرتا پھر جفاف' مرفینہ اور حساۃ کی طرف جاتا اور پھر بنو خطمہ واعراس کی کھلی جگہ پر پہنچتا اور پھر سیدھا جسر میں چلا جاتا اور وادیٔ بطحان کے بیچوں بیچ زغابہ میں جا گرتا۔

آگے مذینیب میں آ رہا ہے کہ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ وادیٔ بطحان حضرت مصعب کے دو حلابوں سے آتی تھی جو مدینہ سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر تھا اور ایک روایت میں آتا ہے کہ یہ بطحان جفاف کی ابتداء سے شروع ہوتی تھی تو واضح ہو گیا کہ یہ وادیٔ حلابین سے آتی تھی چنانچہ پہلے تو وادیٔ جفاف تک پہنچتی اور پھر وادیٔ بطحان تک چنانچہ اسی وجہ سے ابن زبالہ وغیرہ نے صرف جفاف کا ذکر کیا پھر مطری اور ان کے بعد والوں سے جفاف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ جفاف بالائی حصے میں ایک جگہ پر تھی جو مسجد قباء کی مشرقی جانب تھی۔

ابن شبہ کی کلام سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وادیٔ بطحان کی ابتداء جسر بطحان سے ہوتی تھی اور یہ ماجشونیہ کے قریب تھی اور اس کا آخری حصہ مساجد فتح کی غربی جانب تھا اور اس کی روانگی میں رانونا اس کے ساتھ شریک تھی جو اس جگہ سے شروع ہوتی تھی جو مصلّے کی غربی جانب تھی کیونکہ یہ اس میں گرتی تھی اور ابن شبہ کے علاوہ کے کلام سے پتہ چلتا

ہے کہ ماجشونیہ اور تربت صعیب بطحان وادی میں سے تھے۔

وادئ رانونا

انہی وادیوں میں سے ایک وادئ رانونا تھی' اسے رانون بھی کہتے تھے۔ابن شبہ کہتے ہیں' رہا رانون کا سیلاب تو یہ مغمہ سے آتا تھا جو جبلِ عیر کی دائیں طرف اور حرہ کی مشرقی جانب پہاڑ میں تھی پھر یہ قرین صریح میں گرتی تھی اور پھر عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے بند میں جاتی تھی پھر صفاصف میں بکھر جاتی اور اسماعیل ومحمد کی سرزمین میں گرتی جو قصبہ میں ولید کے بیٹے تھے' پھر یہ قصبہ میں داخل ہوتی اور قباء میں جا کر دائیں بائیں پھیل جاتی تھی پھر غوس میں داخل ہوتی پھر ذی خصب میں اور پھر حرّہ اور ذی خصب سے آنے والا سیلاب جمع ہو جاتا اور ذی صلب میں مل جاتا' پھر سرارہ میں جا کر برکۃ کی نشیبی جگہ سے گذر کر دوحصوں میں بٹ جاتا جن میں سے ایک حصہ تو بئر جشم سے گذر کر خلیج میں چلا جاتا اور وادئ بطحان میں جا گرتا اور دوسرا بھی اسی وادی میں چلا جاتا۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت عبداللہ بن سائب نے کہا کہ رانونا عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے بند اور حرہ کے درمیان سے آتی پھر یہ اور دوسری وادی اس پہاڑ کے نزدیک مل جاتیں جسے مقمن یا مکمن کہتے تھے۔

ابن زبالہ کہتے ہیں' رہی ذوصلب تو یہ بند سے آتی اور ذوریش حرّہ کے درمیان سے آتی تھی۔

ایک اور روایت میں کہتے ہیں کہ ذی صلب کے سیلاب کی ابتداء رانونا سے ہوتی اور رانونا کی ابتداء تجنیب سے ہوتی' پھر ذوصلب اور رانونا عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے بند میں جا گرتیں پھر ساخطہ میں اور عصبہ کی سرزمین میں گرتیں' پھر غوسا اور پھر بطحان میں چلی جاتیں' پھر یہ اور بطحان' دار الشواترہ میں جا کر مل جاتی تھیں۔

اس طرف بند موجود ہے لیکن آج کل یہ عبداللہ کی طرف منسوب نہیں۔علامہ مراغی کہتے ہیں کہ آج کل یہ بند اس نام سے یاد نہیں کیا جاتا' شاید یہ زرعی زمین ہے اور غوس بھی نامعلوم ہے' شائد انہوں نے حوسا سے مراد لیا ہے جو قباء میں مشہور ہے اور رانونا سے پانی حاصل کرتا ہے' ممکن ہے کہ نام میں تبدیلی ہو چکی ہو' جبکہ نصر کہتے ہیں کہ عوس' قباء کے قریب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ''قرین صریحہ'' کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ آج کل قرین صرطہ پر سچا آتا ہے۔علامہ مطری کہتے ہیں کہ وادئ زانونا' بنوسالم کی مسجد جمعہ تک چلی جاتی ہے اور پھر بطحان میں جا گرتی ہے۔ علامہ مراغی کہتے ہیں: جو کچھ ابن زبالہ نے روایت کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ذی صلب کے مقام پر بنوسالم میں نماز پڑھی تھی' رانونا میں نہیں اور ابن زبالہ کا پہلا کلام ان دونوں میں علیحدگی بتاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں اگرچہ کچھ مقامات پر الگ الگ ناموں والی ہیں تاہم ایک مقام پر دونوں اکٹھ ہو جاتا ہے' اسی لئے ابن شبہ نے کہا ہے: یہ دونوں ذی صلب میں مل جاتی ہیں' اسے رانونا کہہ دیتے ہیں کیونکہ یہ وہاں سے

گذرتی ہے' اسی لئے ابنِ اسحاق نے جمعہ کے بارے میں کہا ہے: میں نے آپ کو بنو سالم بن عوف میں دیکھا تو آپ نے اس وادی میں نماز پڑھی جسے وادیٔ رانونا کہتے تھے چنانچہ انہوں نے ذی صلب کی جگہ رانونا کا نام لیا بلکہ اس سے قبل ابن زبالہ سے بتایا گیا کہ وہ حرّہ کے اندر سے آئے تھے تو شاید ابن شبہ کے اس کلام سے یہی مراد ہے: ''جو حرّہ سے آتا ہے' وہ جمع ہو جاتا ہے۔'' اس حرہ سے مراد وہ حرّہ بنو بیاضہ لیتے ہیں کیونکہ ان کے گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے کہ حبیب بن عبد حارثہ بن مالک بن عضب بن جشم نے وہ قلعہ بنایا جو بنو بیاضہ کے گھروں کے قریب تھا' جس کے پاس جسر تھا اور جو ذی ریش کے قریب تھا۔

رہا وہ ''سرارہ'' جو ابن شبہ کے کلام میں مذکور ہے تو اس کا ذکر بھی پہلے بنو بیاضہ کے گھروں کے بیان میں آچکا کہ یہ وہ باغ تھا جو آج کل ''سرارہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

رہا بئر جشم تو اس کے بارے میں آج کل کچھ معلوم نہیں' شاید یہ جشم بن خزرج اکبر کی طرف منسوب تھا جیسے مجھے مالک بن عضب نے بتایا: یہ بنو بیاضہ میں موجود تھے' آئندہ اس کی ترجیح ثابت کی جا رہی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جشم بن حارث کی طرف منسوب ہو' ان کے گھر ''سنح'' میں تھے لیکن یہ مفہوم لے لینا بعید ہے۔

وادیٔ قناۃ

انہی وادیوں میں سے ایک وادیٔ قناۃ ہے' یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ جب تُبّع مدینہ پر حملہ آور ہونے کو تھا تو یہاں ٹھہرا تھا' جب اس نے اپنی اس مقام پر نظر ڈالی تو کہا تھا: یہ زمین کی نالی (نشیبی جگہ) ہے لہٰذا اسے وادیٔ قناۃ کہنے لگے پھر اسے وادیٔ شظاۃ بھی کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ یہ وادی مدینہ کے قریب ہے یعنی جو اس کے سامنے ہے' وہ قناۃ کہلاتی ہے اور اس سے بالائی مقام پر' بند کے قریب یعنی وہ بند جسے حرّہ کی آگ نے بنا دیا تھا' اسے شظاۃ کہتے ہیں۔

ابن شبہ کہتے ہیں کہ وادیٔ قناۃ' وجِ طائف کی طرف لے آتی تھی۔

شریح بن ہانی شیبانی سے روایت ہے کہ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا' اس کے ہمراہ اس کی بیوی اُم الغمر بھی تھیں جو ایمان لے آئیں جس کی وجہ سے حضرت عمر نے ان دونوں میں علیحدگی کر دی' اس پر اس نے کہا کہ مجھے میری بیوی واپس کر دیجئے' آپ نے فرمایا: اب وہ تمہارے لئے تب حلال ہو سکتی ہے جب تم اسلام لاؤ چنانچہ شریح وادیٔ قناۃ میں اُترا اور کہا:

''سن لو! بطن وج میں میرے دونوں ساتھیو' میرے پیچھے بیٹھنے والے ہیں' میں تمہارے لئے کوئی مقام نہیں پاتا' تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ اُم الغمر قریب ہی ہے لیکن میں اس سے کلام نہیں کر سکتا۔''

چنانچہ اس نے بطن قناۃ کو بطن وج قرار دیا کیونکہ سیلاب اسی سے آتا تھا۔

علامہ مدائنی کہتے ہیں: قناۃ ایک وادی ہے جو طائف سے آتی تھی جو ارخصیہ اور قرقرۃ الکدر میں گرتی تھی' پھر بئر

مغویہ کی طرف آتی اور پھر اُحد میں شہداء کی قبروں کی نچلی طرف راستے میں تھی۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ قناۃ کے سیلاب جمع ہوتے تو طائف سے آتے۔ کہتے ہیں کہ سب وادیاں پھر پھرا کر وادیٔ قناۃ اور اضم میں آ جاتیں جہاں سیلاب اکٹھے ہوتے اور جہاں وادیٔ نخلہ تھی۔ اسے مُحول اس لئے کہا گیا کیونکہ اس کے آنے کی جگہ دور تھی اور رکاوٹیں کافی تھیں۔

وادیٔ قناۃ مشرق سے آتی تھی' پھر اس بند تک پہنچتی تھی جسے حجاز کی مشہور آگ نے بنا دیا تھا۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ وادی اسی وجہ سے کٹ گئی تھی اور سیلاب یہاں آ کر رُک گیا تھا جو دائیں بائیں حد نگاہ دریا دکھائی دیتا تھا اور پانی کی کثرت کی وجہ سے دریائے نیل معلوم ہوتا تھا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ میں نے اسے ۷۲۷ھ میں یونہی دیکھا تھا اور یہ بھی گزر چکا کہ یہ نچلی طرف سے پھٹ گیا تھا' یہ ۶۹۰ھ کی بات ہے تو پھر وادی سال بھر بہتی رہی' اس نے دونوں جانبوں کو بھر دیا اور دوسرے سال اس سے گھٹ گئی' پھر ۷۰۰ھ کے بعد پھٹ گیا تو ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک جاری رہی' پھر یہ ۷۳۴ھ میں پھٹ گیا کیونکہ بہت سی بارشیں ہوئی تھیں' پانی ہی پانی ہو گیا اور بے پناہ سیلاب آ گیا تھا۔ یہ سیلاب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے پاس چلا تھا اور اس نے پہلی وادی اور مزارِ حمزہ کے پاس ایک اور وادی بنا دی' یہ وادی جبل عینین سے پہلے سیلاب کے درمیان تھی' یہ دونوں وادیاں چار ماہ تک یونہی رہیں' بغیر مشقت کے ان تک کوئی بھی پہنچ نہیں سکتا تھا' اگر یہ سیلاب ایک ہاتھ اور بلند ہو جاتا تو مدینہ میں داخل ہو جاتا اور پھر یہ سال بھر قبلہ اور شمال کی وادیوں میں یونہی ٹھہرا رہا جس سے قدیم چشمہ پھر کھل گیا جسے امیر مدینہ نے بنا دیا اور حدیث استنشاق (ناک میں پانی ڈالنے والی) میں یہی وادی مراد ہے' حدیث یہ ہے: ''وادیٔ قناۃ سال بھر جاری رہی'' قناۃ کا یہ سیلاب وہاں پہنچ جاتا تھا جہاں سارے سیلاب اکٹھے ہوتے تھے۔

وادیٔ مذینب

انہی میں سے ایک وادیٔ مذینب تھی' اسے مذیبیب بھی کہتے تھے۔ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ مذینب بطحان کے سیلاب ہی کا ایک حصہ تھا' یہ وادیٔ مذینب بنو امیہ کے باغ تک جاتی تھی پھر یہ پندرہ حصوں میں بٹ جاتی اور بنو امیہ کی اراضی میں چلی جاتی اور پھر وہاں سے نکل کر بطحان اور صدیر میں جاتی' مذینب و بطحان' حلابین سے آتیں یعنی صعب کے حلابین سے جو مدینہ سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر تھیں اور یہ دونوں زغابہ میں اس جگہ گر جاتیں جہاں سیلاب جمع ہوتے۔

ان کا قول: ''بطحان کے سیلاب سے'' یہ بتاتا ہے کہ اس سے وہ یہ مراد لیتے ہیں کہ یہ حلابین سے شروع ہوتا تھا جیسے آخر میں انہوں نے بیان کیا اور بنو امیہ کے گھروں کا بیان ہو چکا' انہی کی ملکیت میں بڑا تہن بھی تھا۔

عنقریب ابن شبہ سے اس کی مخالفت کا بیان آ رہا ہے' انہوں نے مہزور کے بارے میں کہا کہ: یہ بنو قریظہ کے

حلاۃ تک جاتی تھی پھر وہاں سے شعیب چلتی اور وادی میں گھروں کے درمیان بنو امیہ بن زید کے پاس پہنچتی' اس وادی کو مذینب کہتے تھے پھر یہ اور بنو قریظہ کا سیلاب بنوخطمہ کے کھلے میدان میں جا پہنچتا اور وہاں مہزور و مذینب کی وادیاں جمع ہو جاتیں جس کا حاصل یہ ہے مذینب' مہزور سے نکلتی تھی' اسی لئے مجد نے کہا: احمد بن جابر کہتے ہیں کہ مہزور سے مذینب تک ایک حصہ ہے جس میں یہ وادی گر جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بطحان' مذینب اور مہزور کا ابتدائی بالائی حصہ ایک حرّہ تھا لہٰذا ان دونوں میں سے مذینب کا بکھر جانا صحیح ہے۔ یہی وجہ ہے' علامہ مجد نے ابوعبیدہ سے روایت کیا ہے کہ یہودی جب مدینہ میں داخل ہوئے تو انہوں مدینہ میں وباء کا اثر دیکھا چنانچہ اس کے بالائی حصے کی طرف جاسوس بھیجا جس نے بطحان اور مہزور کو دیکھا جو حرّہ سے گرتی تھیں جس میں میٹھا پانی تھا۔ وہ واپس آیا اور بتایا کہ میں نے ایک ستھرا شہر دیکھا ہے اور کچھ وادیاں بھی دیکھی ہیں جو میٹھے پانی والے حرّہ میں گرتی ہیں چنانچہ یہودی وہاں سے ہٹ گئے' بنونضیر تو بطحان میں ٹھہرے جبکہ قریظہ' مہزور میں جا ٹھہرے حالانکہ پہلے گھروں کے بیان میں گذر چکا ہے کہ بنونضیر مذینیب میں ٹھہرے تھے اور ان کے گھر نواعم میں تھے چنانچہ جس نے ان کا ٹھکانہ بطحان لکھا ہے تو اس نے ان کے اصل کے اتحاد کی وجہ سے لکھا ہے کیونکہ مذینیب بھی بطحان میں گرتی تھی۔ ہمارے اس دور میں بنو قریظہ سے پہلے یہ حرّہ شرقیہ میں بٹ جاتی تھی' اور قدیم بستی میں چلتی تھی جو عہن اور نواعم کے مشرق میں تھی اور ان زمینوں میں بکھر جاتی تھی اور جو زائد پانی تھا وہ نقیع ردیدی اور ناصریہ سے نکلتا تھا اور اس وادی میں جا گرتا تھا جو ضفاف سے آتی تھی جو مسجد فضیح کی مشرقی جانب تھی اور پھر نورہ کے کنوؤں کی کھلی جگہ میں آ جاتی تھی جو ماجشونیہ کے پیچھے تھے' یہاں اس کے ساتھ مہزور کا کچھ حصہ مل جاتا تھا اور پھر یہ سب وادیاں بطحان میں گر جاتی تھیں۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ مذینیب' جفاف کے مشرق میں تھی' یہ اور جفاف' مسجد شمس کی بالائی جانب مل جاتی تھیں اور پھر بطحان میں گر جاتی تھیں اور بطحان ہی میں وادئ رانونا سے مل جاتی تھیں اور مدینہ میں مصلّے کے مغرب میں گذرتی تھیں۔

وادئ مہزور

انہی وادیوں میں سے ایک وادئ مہزور تھی۔ ابن زبالہ لکھتے ہیں کہ یہ بنو قریظہ کی طرف آتی تھی پھر اسی روایت میں لکھتے ہیں: رہا معجب تو اس کا سیلاب آتا اور مسجد نبی کریم ﷺ سے گذرتا جبکہ انصار کہتے تھے کہ مسجد نبوی سے گذرنے والی وادی مہزور تھی۔ ابن زبالہ نے معجب کے سیلاب کی ابتداء نہیں بتائی' یونہی ابن شبہ نے بھی نہیں بتائی چنانچہ کہتے ہیں:

رہی وادئ مہزور تو یہ وہ وادی تھی جس سے مدینہ کے غرق ہونے کا اندیشہ رہتا۔

مذینیب کے بارے میں لکھنے کے بعد ابن زبالہ لکھتے ہیں کہ مہزور کا سیلاب حرّۂ سوران سے شروع ہوتا تھا اور بنو قریظہ کی اراضی میں جا گرتا تھا پھر مدینہ کو آتا اور اسے سیراب کرتا اور یہی وہ سیلاب تھا جو مسجد نبوی تک پہنچ جاتا تھا

اور پھر زغابہ میں جا گرتا' یہ اور وادیٔ بطحان زغابہ میں اس جگہ گرتیں جہاں سیلاب گرتے تھے' اس کا زغابہ کے مقام پر بطحان میں جمع ہونا تو یہ قناۃ کے جاری ہونے کی جگہ سے تھا' لہٰذا ابن شبہ نے کہا: مہزور کا سیلاب حرہ کے مشرق اور حکر حرۂ صفہ سے شروع ہوتا تھا اور بنو قریظہ کے حلاۃ کی بالائی جانب آتا تھا' پھر اس سے شعیب چلتا تو بنو امیہ بن زید پر وادی میں گھروں کے درمیان آتا جسے مذینیب کہتے تھے پھر یہ دونوں وادیاں (مہزور اور مذینب) جمع ہوتیں پھر اراضی میں بکھر جاتیں اور حضور علیہ السلام کے تمام صدقات میں داخل ہوتیں' صرف مشربۂ اُمِ ابراہیم کو چھوڑ دیتیں اور پھر یہ سیلاب مروان بن حکم کے محل پر سورین کی طرف جاتا پھر بطن وادی سے شروع ہو کر بنو یوسف کے محل کی طرف جاتا پھر بقیع کی طرف جاتا اور بنو حدیلہ کی طرف نکل جاتا اور بطن مہزور کی مسجد کی طرف چلا جاتا' آخر میں کومۂ ابو الحمرہ پر جا ٹھہرتا پھر چلتا اور وادیٔ قناۃ میں گر جاتا۔ انتہٰی۔

اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ شاخیں جو مہزور سے چل کر مذینب میں جمع ہوتی تھیں اس کے بعد سیراب کرتی تھیں چنانچہ یوں سمجھو کہ صدقات سے پھر کر بطحان کی طرف آ جاتی تھیں یا ان کے کلام میں تاویل کرنا ہوگی کیونکہ آج کل مشہور یہ ہے کہ جو شاخیں مہزور میں سے مذینب سے ملتی تھیں وہ اکٹھی ہو کر بطحان میں گر جاتی تھیں اور جو سیراب کرتی تھی وہ تھی جس کا ذکر صدقات میں ہے اور جو بقیع سے گذرتی تھی' یہ بقیع مہزور کی ایک اور شاخ تھی جو مذینب کے ساتھ جمع نہیں ہوتی تھی بلکہ صافیہ پر گذرتی تھی' یونہی صدقات پر گذرتی تھی اور پھر بقیع الغرقد اور اس باغ کو ڈھانپتی تھی جو اس کے گرد تھا خصوصاً حضاری کو چنانچہ اس کے لئے شیخ الحرم زینی مرجان تقوی بطحان کی طرف راستہ بنایا اور صدقات والی زمین کی طرف سے کھدائی کر دی چنانچہ وادی کی یہ شاخ بھی بطحان میں گر جاتی اور بقیع سے نہ گزرتی۔ ابن شبہ اس شاخ کو بیان کرنے کے درپے نہیں ہوئے جو مہزور سے عریض کی طرف پھٹ کر جاتا تھا حالانکہ یہ اس کا بڑا حصہ تھا کیونکہ وہاں بنے ہوئے بند کی وجہ سے بنا تھا' علامہ مطری نے اسی کو بیان کرنے پر بس کر دی چنانچہ کہہ دیا: وادی مہزور بالائی حصے کی مشرقی جانب اور مذینب کی شمالی جانب تھی اور یہ حرۂ شرقیہ سے الگ ہو کر عریض کی طرف جا گرتی تھی اور پھر وادیٔ شظاۃ میں گر جاتی تھی۔

علامہ زین مراغی لکھتے ہیں کہ ابن زبالہ کے کلام میں مذکور حرۂ شوران' یہی حرۂ شرقیہ تھا۔ ابن شبہ کہتے ہیں کہ وادی مہزور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایک بڑے سیلاب کی صورت میں چلی تھی جس سے مدینہ کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا چنانچہ حضرت عثمان نے وہ بند باندھ دیا تھا جو بئر مدری کے قریب تھا تاکہ مسجد اور مدینہ منورہ کی حفاظت ہو سکے۔

ابن زبالہ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ دلال اور صافیہ نامی وادیاں' حضرت عثمان بن عفان کی سرح وادی سے سیراب ہوتی تھیں جسے مدری کہتے تھے اور جو مہزور سے چل کر اریس اور اس کی نچلی جانب تک آتی اور صورین میں داخل ہو جاتی تھی چنانچہ انہوں نے مسجد سے ہٹا کر اسے بئر اریس کی طرف پھیر دیا' پھر عقد اریم اور پھر بلحارث بن

خزرج کی طرف پھیر دیا اور پھر بطحان کی طرف کر دیا۔ انتہی۔

ابن شبہ لکھتے ہیں کہ پھر یہ وادی عبد الصمد بن علی کے دور ۱۵۶ھ میں چلی' یہ خلافت منصور میں مدینہ کے والی تھے' مدینہ ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا چنانچہ اس نے عبد الصمد عبید اللہ بن ابوسلمہ عمری قاضی کو بھیجا' لوگوں کو جمع کیا چنانچہ وہ عصر کے بعد اس کی طرف روانہ ہوئے' اس کے رُخ موڑنے پر توجہ کی چنانچہ صدقۂ نبی کریم ﷺ کی اراضی میں کھدائی کی' نقش دار پتھر دکھائی دئے' انہوں نے انہیں کھول دیا تو پانی وہاں چلا گیا اور وہاں سے بطحان میں جا گرا۔ یہ بات انہیں ایک بڑھیا نے بتائی تھی جو مدینہ کے بالائی حصے میں رہتی تھی' اس نے کہا تھا: میں لوگوں سے سنا کرتی تھی' وہ کہتے تھے کہ جب قبر انور کے مہزور کے سیلاب سے ڈوبنے کا خطرہ ہو تو اس جانب کو گرا دینا اور پھر قبلہ کی طرف اشارہ کیا تھا چنانچہ لوگوں نے اس جانب کو گرا دیا اور یہ پتھر دیکھ لئے۔ انتہی۔

ابن زبالہ نے اسے ذکر کیا ہے لیکن تاریخ یہ نہیں بتائی' چنانچہ کہتے ہیں: عبد الصمد کے دور محرم ۱۵۸ھ میں بدھ کی رات جب اس سیلاب سے مسجد تک پانی پہنچا تو قبر انور کے نقصان سے بچنے کے لئے مہزور کے سیلاب سے خطرہ ہوا تو لوگوں نے فریادیں کیں چنانچہ لوگ بیلچے وغیرہ لے کر آ گئے' اتنے میں مدینہ کے بالائی حصے سے ایک عورت دکھائی دی اور کہنے لگی: میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو کہا کرتے تھے کہ جب قبر انور کے نقصان کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو اس طرف سے گرا دینا یعنی قبلہ کی طرف سے چنانچہ لوگ اس طرف متوجہ ہوئے اور گرانا شروع کیا جس پر نقش دار پتھر دکھائی دئے چنانچہ پانی کا رُخ اس طرف سے پھر گیا اور وہ محفوظ رہے۔ یہ وہی رات تھی جس میں بطحان اور بنو جشم کے گھر گرائے گئے تھے۔

اسے مراغی نے بھی نقل کیا ہے البتہ میں نے ان کی یہ تحریر دیکھی ہے کہ: انہوں نے نقش دار پتھر ظاہر کئے۔ اس کے بعد مراغی نے لکھا ہے کہ بنو جشم کے بارے میں کوئی علم نہیں' مشہور دشم ہے' یہ مسجد فعلہ کی شامی جانب تیر پھینکنے کی مسافت پر ایک باغ تھا' شاید یہ ان کے گھر تھے' نام میں تبدیلی ہو گئی۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد "دسخ" میں بنو جشم بن حارث کے گھر تھے کیونکہ یہ بطحان کے قریب تھے چنانچہ جب انہوں نے پانی کا رُخ بدلا تو اس میں طغیانی آ گئی تھی۔

تتمہ

ان وادیوں میں حضور ﷺ کے فیصلے

انصار کے ایک شخص اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فیصلہ

بخاری و مسلم میں ہمیں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث ملتی ہے کہ انصار کے ایک شخص

حضرت زبیر سے جھگڑے، یہ جھگڑا حرہ کی ایک جگہ کے بارے میں تھا جس سے وہ باغ کو سیراب کرتے تھے، انصاری نے کہا تھا کہ پانی کو چلنے دو لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا چنانچہ یہ جھگڑا لے کر دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس پر آپ نے حضرت زبیر سے فرمایا تھا کہ اے زبیر! اپنی کھیتی سیراب کر کے اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو۔ انصاری نے اس کا برا منایا اور کہنے لگا، یہ آپ کے پھوپھی زاد ہیں، حضور ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا چنانچہ پھر فرمایا: اے زبیر اپنی زمین کو سیراب کر لو اور پھر پانی روک لو تا کہ دیوار تک لوٹ آئے۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ''اس وقت تک پانی کو روکے رکھو جب تک دیوار کی طرف نہیں لوٹے یعنی ٹخنوں تک نہیں ہو جاتا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو کھلی رائے دی تھی اور جب انصاری نے آپ کو ناراض کر دیا تو آپ نے واضح طور پر حضرت زبیر کو ان کا پورا حق دے دیا۔

سنن ابو داؤد میں ہے کہ حضرت ثعلبہ بن ابو مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بڑوں کا ذکر کرتے سنا کہ قریش کے ایک شخص کا بنو قریظہ کے پاس حصہ تھا چنانچہ وہ مہزور کے پانی کی تقسیم کا جھگڑا لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے چنانچہ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ پانی ٹخنوں تک ہے لہٰذا اوپر والی جانب والا نچلی جانب والے پانی کو نہ روکا کرے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے مہزور کے سیلاب میں ایک فیصلہ فرمایا تھا کہ اسے ٹخنوں تک پہنچنے پر روک دیا جائے اور پھر اوپر والی جانب والا نچلے کی طرف پانی چھوڑ دے۔

مؤطا میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مہزور اور مذینب کے سیلاب کے بارے میں فرمایا تھا کہ اپنے کھیت میں ٹخنوں تک سیرابی کر کے، اعلیٰ جانب والا نچلی جانب والے کی طرف پانی چھوڑ دے۔

ابن شبہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے مہزور کے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا کہ اوپر والا، نچلے کی طرف سے پانی روک لے اور جب ٹخنوں اور پانی کے گرد چھوٹی سی دیوار تک پہنچ جائے تو نچلی جانب والے کی طرف چھوڑ دے۔

حضرت جعفر کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مہزور کے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا کہ اہل نخیل سے عقیق تک اور کھیتی والوں سے شراکین تک سیراب کر لیں، پھر اس کے بعد نچلی طرف والوں کے لئے پانی چھوڑ دیں۔

یہ روایت اس بارے میں بالکل واضح ہے جو متولی اور ماوردی نے کہا کہ ٹخنوں تک کی پیمائش کا تعلق نہ تو زمانے سے ہے، نہ شہروں سے، نہ کھیتوں سے اور نہ ہی درختوں سے، کیونکہ ہر ایک شے کی ضرورت الگ ہوتی ہے۔

خاتمہ

وادیوں کے جمع ہونے کی جگہ

عالیہ کے سیلابوں کا اجتماع

حضرت زبیر کہتے ہیں کہ پھر عقیق اور رانونا کا سیلاب ایک اور وادی میں مل جاتا تھا' یونہی وادیٔ ذی صلب' ذی ریش' بطحان' معجف' مہزور اور قناۃ کا سیلاب زغابہ میں جمع ہوتا اور عوالی کے یہ سیلاب ایک دوسرے سے عقیق میں اکٹھے ہونے سے پہلے مل جاتے اور پھر عقیق میں مل کر زغابہ میں داخل ہو جاتے۔

میں کہتا ہوں' حاصل یہ ہے کہ عالیہ جانب والے سیلاب بطحان اور قناۃ کی طرف لوٹ آتے' پھر زغابہ میں عقیق کے ساتھ جمع ہوتے اور یہ حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین میں جمع ہوتے۔ حضرت زبیر کہتے ہیں کہ یہ وادیٔ اضم کا اعلیٰ مقام تھا جس کے بارے میں احق اعرج نے کہا تھا:

"میں نے اضم کی اعلیٰ جانب گھروں کو ڈھانپ لیا جنہیں بوسیدگی اور مختلف سیلابوں نے مٹا کر رکھ دیا"

ھجری کہتے ہیں' اسی وادی کا نام اضم اس لئے رکھا گیا کیونکہ سیلاب یہاں جمع ہوتے تھے اور ابن شبہ نے کہا کہ یہ وادیاں زغابہ میں جمع ہوتی تھیں' یہ وادیٔ اضم کی جانب تھی' اسے اضم اس لئے کہتے تھے کہ سیلاب یہاں اکٹھے ہو جاتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل اضم کو "ضیقہ" کہتے ہیں اور زغابہ نام سیلابوں کے جمع ہونے کی بناء پر تھا' اسی لئے حضرت زبیر نے یہاں یہ حدیث بتائی ہے کہ: نبی کریم ﷺ سوار ہو کر سیلابوں کے اجتماع کے مقام پر تشریف لائے تھے اور فرمایا تھا: میں تمہیں بتا نہ دوں کہ مدینہ سے دجال کے ٹھکانے کا فاصلہ کتنا ہے؟ (الحدیث)

حضرت زبیر کہتے ہیں: یہ سیلاب جمع ہو کر چلتے تھے اور غابہ کے قریب ابو زیاد اور صورین کے چشمے کے نیچے پہنچتے تھے پھر زیاد کے چشمے کی نچلی طرف وادیٔ قمی اور وادیٔ نعمان میں مل جاتے تھے پھر گھاٹیوں سے سیلاب اِدھر اُدھر سے ان کے ساتھ مل جاتے تھے پھر ذی خشب' ظلم اور جنینہ کے مقام پر وادیٔ ملک میں مل جاتے تھے پھر انہیں وادیٔ ذی اوان ملتی اور مشرق سے دوافع ملتی اور مغرب سے ایک وادی ملتی جسے بواط اور حزار کہتے تھے' پھر مشرق سے اسے وادی ائمہ ملتی' پھر یہ وادی چل کر وادیٔ اضم سے ملتی جو اس وادی برمہ سے ملتی جسے ذوالبیضہ کہتے تھے اور شامی جانب تھی اور قبلہ کی طرف سے اسے وادیٔ ترعہ ملتی اور پھر یہ اور وادی عیص قبلہ کی طرف سے ملتی' پھر وادی کے نشیبی حصے ملتے جسے حجر اور وادی جزل کہتے تھے جہاں وادی سقیا اور رحبہ تھیں جو ذوالمروہ کے باغ کے مغرب میں تھیں' پھر ذوالمروہ کی نچلی جانب اسے وادیٔ عمود ان

ملتی تھی پھر اسے دریا میں گرتے وقت وہ وادی ملتی جسے سفیان کہتے تھے یہ پہاڑ کے پاس تھی جسے اراک کہتے تھے' پھر تین وادیوں سے گذر کر دریا (یا سمندر) میں جا گرتی جسے یعبوب' نتیجہ اور حقیب کہتے تھے۔

علامہ مطری کہتے ہیں: سیلاب رومہ میں جمع ہوتے' یہ سیلاب بطحان' عقیق اور زغابہ نقمی کے ہوتے' پھر غابہ کی طرف سے غراب کا سیلاب ملتا اور یہ سارا ایک سیلاب بن جاتا اور وادئ ضیقہ سے اضم تک جا پہنچتا جو ایک مشہور پہاڑ تھا پھر مصر کے راستے کری کو جاتا اور سمندر میں جا گرتا۔انتہی۔

اسی روایت میں کچھ امور آ گئے ہیں تفصیل یوں ہے:

(۱) ایک یہ کہ مطری نے سیلابوں کے جمع ہونے کا مقام رومہ بتایا ہے حالانکہ یہ زغابہ کے مقام پر جمع ہوتے تھے جیسے گذرا' یہ مقام رومہ سے نچلی طرف حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے مغرب میں تھا جیسے ھجری نے کہا' یہ وادئ اضم کا بالائی حصہ تھا۔

مطری نے یہ بات غزوۂ خندق کے بارے میں قولِ ابن اسحق سے لی ہے' وہ کہتے ہیں:

"قریش آئے اور رومہ کے مقام پر سیلابوں کے جمع ہونے کے مقام پر ٹھہر گئے' یہ مقام زغابہ اور جرف کے درمیان تھا' اور یہ بات پہلے قول کے خلاف ہے۔"

(۲) دوسرے یہ کہ انہوں نے اسے زغابہ کے لئے سیلاب بنایا ہے جو رومہ میں گرتا تھا حالانکہ یہ رومہ' زغابہ میں جا گرتا تھا۔

(۳) تیسرے یہ کہ انہوں نے اسے النقمی بنایا ہے یعنی جہاں رومہ کے مقام پر سیلاب جمع ہوتے تھے حالانکہ پہلے اسے نقمی سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ وادی سیلابوں سے مل کر غابہ میں گرتی تھی۔

(۴) چوتھے یہ کہ انہوں نے غراب کے لئے سیلاب بنایا ہے جو رومہ کے ساتھ جمع ہوتا تھا حالانکہ مجھے اس پر کوئی دلیل نہیں مل سکی اور یہ غراب شام کے راستے میں اس طرف ایک پہاڑ ہے۔

(۵) پانچویں یہ کہ انہوں نے اضم' ایک پہاڑ کا نام بتایا ہے' پھر اس کے اور وادئ ضیقہ کے درمیان غیریت بتائی ہے اور یہ بات گذشتہ کے خلاف ہے۔

اہلِ لغت کا اضم کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا "اضم" کسی جگہ کا نام تھا یا وہاں کوئی پہاڑ تھا' ظاہر یہ ہے کہ یہ وہاں ایک پہاڑ اور اس کی وادی کا نام تھا۔

فصل نمبر ۶

چراگاہیں اور حضور ﷺ کی چراگاہ کا مال

حمیٰ کا معنی

حمیٰ (چراگاہ) لغت میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں گھاس پھوس ہو اور چرانے کے کام آتی ہو۔ شرعاً وہ بے آباد جگہ ہوتی ہے جس کی طرف جانا منع ہوتا ہے کہ گھاس پھوس زیادہ پیدا ہو سکے اور خاص قسم کے مویشی وہاں چر سکیں، اسے حمیٰ بھی پڑھتے ہیں اور حماء بھی۔ اصمعی کہتے ہیں کہ حمی دو تھیں، ایک حمیٰ ضریہ اور دوسری چراگاہِ ربذہ اور شاید اصمعی نے نجد میں مشہور چراگاہ مراد لی ہے۔

صاحبِ معجم کہتے ہیں کہ مجھے ''فید'' نامی چراگاہ کا بھی پتہ چلا ہے اور اس کے علاوہ نیز ذی الشریٰ اور نقیع نامی چراگاہیں بھی موجود ہیں۔

حمی النقیع

میں کہتا ہوں کہ حمی النقیع نامی یہ چراگاہ اس سے الگ ہے جو نجد میں تھی، یہ دونوں قریب قریب تھیں بلکہ آگے آ رہا ہے کہ نیر کی چراگاہ ضریہ کی چراگاہ میں داخل تھی۔ یہ ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں بدلے ہوئے رنگ کا پانی ہو اور اسی کی وجہ سے اس وادی کا نام رکھا گیا۔

میں کہتا ہوں، سہیلی نے اسے نون ہی پڑھا ہے۔ قاضی کہتے ہیں کہ وہ جگہ جسے نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد چاروں خلفاء نے چراگاہ قرار دیا تو یہ وہ چراگاہ تھی جس کی طرف لفظ ''غور'' مضاف تھا (غور النقیع) ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ کے پاس ''نقیع'' سے دودھ کا پیالہ لایا گیا۔ نقیع نامی یہ چراگاہ مدینہ منورہ سے بیس فرسخ (تقریباً ایک سو ساٹھ کلومیٹر) کے فاصلے پر تھی، یہیں سے وادیٔ عقیق شروع ہوتی تھی، یہ وہاں سب سے سبزہ والی جگہ تھی، یہ بارہ میل لمبی اور ایک میل چوڑی تھی اور اس میں درخت تھے، درخت اتنے گھنے تھے کہ اس میں سوار چھپ جاتا تھا۔

نصر کہتے ہیں کہ چراگاہ مدینہ کے قریب تھی اور رسول اللہ ﷺ کے نام منسوب تھی۔ علامہ ہجری کہتے ہیں یہ فرع، سیارہ، سنانہ، صابرہ، قرنین جنذ الحل اور تہامہ کی اراضی کی طرف راستہ تھا اور مدینہ سے باہر نکلنے والے کی بائیں طرف سامنے آتی تھی اور کچھ لوگ اسے مکہ کی طرف بناتے ہیں اور یہ تہمہ کے راستے میں تھی۔

یہ بھی منقول ہے کہ چراگاہوں میں سے پہلی، افضل اور اعلیٰ وہ چراگاہ تھی جو نقیع کے نام سے حضور ﷺ کے ساتھ منسوب تھی۔ آپ نے اسے مسلمانوں کے گھوڑوں اور سواریوں کے لئے چھوڑ رکھا تھا چنانچہ آپ نے نماز فجر پڑھی اور ایک بلند آواز والے کو حکم فرمایا تو اس نے عسیب پر چلا کر آواز دی جو بارہ میل تک سنی گئی چنانچہ آپ نے چراگاہ کی

لمبائی بارہ میل مقرر فرمادی اور اس کی چوڑائی ایک میل یا اس سے کم قرار دی' وہ مختلف جڑی بوٹیاں اُگتی تھیں جن کی تعداد بہت تھی' اس میں سوار جاتا دکھائی نہیں دیتا تھا اور اس میں ان کے علاوہ کیکر' بیری' سیال' سلم' طلح' سمر اور عوسج نامی درخت موجود تھے' مشرقی جانب اسے حرۂ بنوسلیم گھیرے ہوئے تھا' وہاں ریاض اور قیعان تھے اور اس کی غربی جانب پتھریلی زمین تھی' غربی جانب بھی مشہور علامات تھیں جن میں برام' وائدۂ ضاف اور شقراء شامل تھیں جبکہ نقیع کے درمیان کنوئیں بھی تھے جن میں سے بالائی جانب یراحم اور پھر البن تھے۔

ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول اللہ کے علاوہ کسی کی چراگاہ نہیں' آپ نے نقیع کی چراگاہ کا نام نہیں لیا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نقیع کی چراگاہ گھوڑوں کے لئے چھوڑی تھی اور ربذہ کی چراگاہ صدقہ کا مال تھا' پھر کبیر میں طبرانی نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے ربذہ کی چراگاہ صدقہ کے اونٹوں کے لئے رکھی تھی۔

ابن شبہ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے کمزور گھوڑوں کے لئے وادیٔ نخیل کو چراگاہ قرار دیا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وادیٔ نخیل کو نقیع کا نام دیا گیا۔

حضرت زبیر بن بکار رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراوح مزنی سے روایت کرتے ہیں' فرمایا: رسول اللہ ﷺ نقیع میں مقمل اور صلیب پر داخل ہوئے اور نقیع کے بارے میں فرمایا: یہ گھوڑوں کے چرنے کے لئے کتنی بہتر جگہ ہے' انہیں یہاں چارہ ملتا ہے اور ان کو لے کر راہِ خدا میں جہاد کیا جاتا ہے۔

حضرت محمد بن ھیصم مزنی کے دادا بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقمل کی طرف دیکھا جو نقیع کے درمیان تھی' وہاں آپ نے نماز پڑھی تو وہاں آپ کے نام سے مسجد تھی۔

ابن ھیصم' حضرت ھیصم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے والد سے فرمایا کہ میں تجھے اس وادی کی نگرانی سونپتا ہوں تو ادھر اُدھر سے آئے (اشارہ مشرق اور مغرب کی طرف تھا) تو اسے منع کرتے رہنا۔ انہوں نے عرض کی' میں وہ شخص ہوں کہ میری صرف بیٹیاں ہی ہیں اور میرا تعاون کرنے والا کوئی نہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جلد اللہ تعالیٰ تمہیں بیٹا عطا فرمائے گا جو تمہارا والی بنے گا۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے وہاں نگرانی کی اور اس کے بعد انہیں بیٹا مل گیا پھر رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر ان کے والی بنتے رہے جنہیں مدینہ کے امیر اس چراگاہ کے والی بناتے رہے۔ پھر وہاں داؤد بن عیسےٰ اُترے' یہ سال ۱۹۸ھ تھا۔ داؤد نے اسے ترک کر دیا تھا کیونکہ لوگ اس وقت کسی خوف کی بناء پر اس سے دور ہو گئے تھے اور ایسا کوئی شخص نہ رہا جسے اس کا نگران بناتے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے مقمل کے مقام پر نماز پڑھی۔

وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ان گھوڑوں کے لئے چراگاہ بنائی جو صبح و شام راہِ خدا میں جانے والے تھے۔ حضور

ﷺ نے اپنے ہاتھ پھیلائے، ہاتھوں کو قریب کیا لیکن ملایا نہیں اور ان پر ابو الحلیس کے دادا کو مقرر کیا۔ اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! میرے پاس صرف بچیاں ہیں اور کوئی دولت نہیں۔

حمیٰ کا حکم

میں کہتا ہوں، اس کا مقصد یہ ہے کہ چراگاہ میں جانور چرانا ہر ایک کے لئے جائز ہے اور وہ سب اس معاملے میں برابر ہیں۔ یہ بات ہمارے مذہب کے مخالف ہے کیونکہ اس میں وہی لوگ داخل ہوتے ہیں جو چراگاہ تلاش نہیں کر سکتے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ آپ کے فرمان: ''اللہ و رسول ﷺ کے سوا چراگاہ کسی کے لئے نہیں ہوتی'' کے دو مفہوم نکلتے ہیں۔

(۱) کسی بھی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ لوگوں کے لئے چراگاہ بنائے لہٰذا کوئی حکمران چراگاہ نہیں بنا سکتا۔

(۲) اگر کوئی چراگاہ بنائے تو وہ اپنے لئے حضور ﷺ جیسی چراگاہ بنائے چنانچہ خلیفہ کے لئے جائز ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرح چراگاہ بنائے۔

ان دونوں اقوال میں سے دوسرا قول ظاہر ہے۔ یہ زہری کا قول ہے۔ وہ کہتے ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ چراگاہ ان گھوڑوں کے لئے بنائے جن پر بیٹھ کر راہِ خدا میں جہاد کو جاتے ہیں۔

یہ بھی کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے، کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے لئے چراگاہ بنائے، صرف حضور ﷺ بنا سکتے ہیں کیونکہ یہ آپ کی خصوصیت تھی اگرچہ آپ نے ایسا نہیں کیا اور اگر ایسا کرتے تو یہ مسلمانوں کے فائدے کے لئے کرتے کیونکہ آپ کی مصلحت ہی میں سب کی مصلحت پوشیدہ ہے۔

امام شافعی ''اُمّ'' میں کہتے ہیں: عرب کے باوقار لوگوں کا کام یہ تھا کہ کوئی بنجر جگہ دیکھتے، اگر پہاڑ ہوتا یا پھر بنجر جگہ ہوتی تو کتا چھوڑتے، اسے آواز نکالنے کے لئے تیار کرتے، پھر دور آدمی کھڑے کرتے اور کتے کی آواز جہاں تک جاتی، وہاں تک وہ اسے چراگاہ بنا لیتے، اس میں کسی کو داخل نہ ہونے دیتے، دوسرے لوگ اپنے جانور کہیں اور چراتے کیونکہ ان کے جانور کمزور ہوتے تو حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ ''چراگاہ اللہ و رسول کے بغیر کوئی نہیں بنا سکتا'' اس معنیٰ کے لئے خاص حیثیت رکھتا ہے۔ حضور ﷺ تو لوگوں کے لئے فائدے کے لئے چراگاہ بناتے، اپنی ذات کے لئے نہ تھی کیونکہ آپ صرف اتنی چیز کے مالک ہوتے جس کے بغیر گذارہ نہ تھا بلکہ آپ کے لئے مقرر شدہ پانچویں حصۂ غنیمت میں سے بھی جو کچھ بچ جاتا، وہ بھی لوگوں ہی میں تقسیم فرما دیتے۔ آپ تو اپنا مال و جان اللہ کی عبادت کے لئے وقف کئے ہوئے

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی چراگاہ

امام شافعی کہتے ہیں کہ آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی زمین کو چراگاہ بنایا جس کے بارے میں آپ کو معلوم نہ تھا کہ حضورﷺ نے اسے چراگاہ بنایا تھا۔ ان کے علاوہ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراگاہ بنائی' حضرت عمر نے ''شرف'' کو چراگاہ بنایا' کچھ کہتے ہیں کہ ''ربذہ'' کو بنایا' کچھ کہتے ہیں کہ اسے حضرت ابوبکر نے بنایا تھا اور کچھ کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے بنایا تھا اور پھر ان دونوں حضرات میں سے ہر ایک نے اس میں اضافہ کیا تھا۔

ھجری سے عنقریب آ رہا ہے کہ سب سے پہلے ''ضریہ'' کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراگاہ بنایا اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں اضافہ کیا تھا۔ جسے حضورﷺ نے چراگاہ بنا دیا' اس میں تبدیلی کا کسی کو حق نہ تھا بلکہ اس کے نشانات ختم بھی ہو جائیں تو اس پر حضورﷺ کا نام بولا جاتا تھا جبکہ دوسرے اماموں کی چراگاہوں کا حکم یہ نہیں ہوتا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حدودِ مدینہ میں درخت کاٹنا مکروہ تھا' یونہی طائف کے مقام وَج کا بھی یہی حکم تھا۔ جس جگہ کو حضورﷺ نے چراگاہ بنایا وہ نقیع تھی' اس میں شکار مکروہ نہ تھا۔

نوٹ:

یہاں کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے۔

ابن عبد البر کہتے ہیں' حضرت عمر کو پتہ چلا کہ یعلی بن امیہ (یا امینہ) نے اپنے لئے چراگاہ بنالی ہے تو آپ نے حکم دیا کہ مدینہ تک پیدل سفر کریں حالانکہ وہ ان دنوں یمن کے گورنر تھے چنانچہ وہ کئی دن تک مدینہ کی طرف پیدل سفر کرتے رہے اور جب انہیں پتہ چلا کہ حضرت عمر فوت ہو گئے ہیں تو سوار ہو گئے۔

حضرت امام شافعی وغیرہ بتاتے ہیں کہ حضرت عمر نے اپنے غلام ھُنَیّ کو ایک چراگاہ پر مقرر کیا اور کہا اے ھُنَی! لوگوں سے نرمی برتو اور مظلوم کی بد دعا سے ڈرتے رہنا کیونکہ مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے' میرے پاس اگر کوئی ضرورت مند اہل و عیال لے کر آ جائے اور کہے' اے امیر المؤمنین! تو کیا میں اس کی پرواہ نہ کروں؟ اگر میں اسے درہم و دینار نہ دے سکوں تو کیا پانی اور گھاس وغیرہ بھی نہ دوں؟ بخدا یہ تو میرے ذمہ ہے ورنہ یہ لوگ سمجھیں گے کہ میں نے ان پر ظلم کیا ہے۔ یہ تو انہیں کے شہر ہیں' دورِ جاہلیت میں یہ انہی میں لڑائیاں کرتے رہے اور دورِ اسلام میں یہیں یہ اسلام لائے۔ اگر میرے پاس انہیں دینے کے لئے مال نہیں ہے تو مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں ان کی ایک بالشت زمین بھی لے لوں۔

حضرت عثمان کے ایک غلام سخت گرمی کے موقع پر بالائی جانب آپ کی اراضی میں آپ کے ہمراہ تھے' انہوں

نے ایک آدمی کو دیکھا کہ دو جانور ہانکے لا رہا تھا' گرمی کی وجہ سے فرش بہت گرم تھا۔ وہ کہتے ہیں: اسے کیا ہو گیا ہے' کاش یہ مدینہ میں ٹھہرا رہتا اور گرمی ختم ہونے پر چلا آتا' اسے دیکھو تو سہی' میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب تھے۔ میں نے کہا: یہ تو امیر المؤمنین ہیں۔ اس پر حضرت عثمان اُٹھے' دروازے سے سر نکال کر دیکھا تو سخت لُو چل رہی تھی۔ آپ نے سر ہٹایا اور ان کے سامنے ہو کر کہا' اس وقت آپ کو نکلنے کی کیا مجبوری تھی؟ انہوں نے کہا یہ دو جانور تھے جو پیچھے رہ گئے تھے' میں نے سوچا کہ انہیں بھی چراگاہ میں پہنچا دوں' مجھے خدشہ تھا کہ کہیں مر نہ جائیں اور مجھے بارگاہِ الٰہی میں جواب نہ دینا پڑے۔ حضرت عثمان نے کہا' آ جایئے' پانی اور گھاس موجود ہے اور آپ کی ضرورت بھی پوری ہو گی۔ حضرت عمر نے کہا کہ آپ سائے میں چلے جایئے اور خود چلے گئے۔ حضرت عثمان نے فرمایا: جو کوئی ایک طاقتور اور امانت دار کو دیکھنے کا ارادہ رکھتا ہے' وہ انہیں دیکھ لے۔

مؤطا میں ہے' حضرت یحییٰ بن سعید نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سال میں چالیس ہزار اونٹوں پر بوجھ لادتے جبکہ شام کی طرف ایک آدمی اونٹ پر بوجھ لادتا اور عراق کی طرف دو آدمیوں کو ایک اونٹ پر بٹھاتے۔

حضرت مالک کہتے ہیں' ہمیں اطلاع ملی ہے کہ وہ گھوڑے جنہیں حضرت عمر نے جہاد کے لئے کے لئے تیار کیا تھا' ان کی تعداد چالیس ہزار تھی۔

کہتے ہیں' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سالِ ''رمادہ'' میں اپنے گھوڑے کی لید میں جَو دیکھا تو کہا: میں اس کے لئے نقیع میں گھاس کا انتظام کروں گا جو اس کے لئے کافی ہو گا۔

فصل نمبر۷

باقی چراگاہیں

چراگاہِ ''شرف''

انہی میں سے ایک چراگاہ ''شرف'' تھی جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراگاہ قرار دیا تھا' یہ شرف الروحاء نہ تھی بلکہ نجد میں ایک جگہ تھی۔

علامہ نصر کہتے ہیں کہ ''شرف'' نجد کے درمیان میں تھی۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ ایک عظیم وادی تھی جسے چراگاہِ ضریہ کے پہاڑ گھیرے ہوئے تھے اور ظاہر ہے کہ جس نے ضریہ اور ربذہ کی چراگاہوں کو الگ الگ شمار کیا ہے' اس کی مراد یہی ''شرف'' ہے۔

علامہ اصمعی کہتے ہیں کہ ''شرف'' نجد کے درمیان تھی اور یہاں بنو آکل المرار رہتے تھے' یہیں آج کل ضریہ نامی چراگاہ ہے اور اس شرف کی ابتداء میں ربذہ ہے' یہ داہنی چراگاہ ہے جبکہ ''شریف'' اس کے پہلو میں ہے' ان دونوں

کے درمیان ''سریر'' واقع ہے' جو مشرق میں ہے' وہ شریف ہے اور جو مغرب میں ہے' وہ شرف ہے۔
یہ احتمال بھی ہے کہ چراگاہِ شرف و ربذہ کہنے سے ان کا مقصد ضریہّ اور ربذہ ہوں کیونکہ آگے ضریہ کے بارے میں آ رہا ہے کہ اس کے نگران کو عاملِ شرف کہتے تھے۔ نجد کی چراگاہوں میں ھجری نے اکیلی شرف کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس کی جگہ بتائی ہے' انہوں نے ضریہّ اور ربذہ کا ذکر کیا ہے اور اس کا ذکر کیا ہے جو ان دونوں میں موجود ہے۔

چراگاہِ ربذہ

انہی میں سے ربذہ کی چراگاہ بھی ہے' یہ نجد میں ایک بستی تھی اور مدینہ کے تابع تھی' مدینہ سے تین دن کی مسافت پر تھی لیکن علامہ اسدی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ چار دن کی مسافت پر تھی' حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراض ہو کر یہاں چلے آئے تھے اور اپنے وصال تک یہیں ٹھہرے رہے تاہم اصمعی کے قول میں گذر چکا ہے کہ یہ ''شرف'' میں تھی جو داہنی طرف تھی۔ علامہ نصر کہتے ہیں کہ یہ سلیلہ اور عقیق کے درمیان حاجیوں کے ٹھہرنے کا مقام تھا یعنی ذاتِ عرق میں تھا۔
تاریخ عبید اللہ اھوازی میں ہے کہ ۳۱۹ھ میں یہ برباد ہو گئی تھی کیونکہ یہاں کے رہنے والوں اور اہلِ ضریہّ کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں پھر اہلِ ضریہّ نے قرامطہ سے امن کا معاہدہ کر لیا' انہوں نے ان کی مدد کی' چنانچہ اہلِ ربذہ وہاں سے چلے گئے تو یہ برباد ہو گئی۔ یہ مکہ کے راستے میں ٹھہرنے کی بہترین جگہ تھی۔
علامہ اسدی کہتے ہیں کہ ربذہ حضرت زبیر کی اولاد کے ایک گروہ کے پاس تھی' پہلے خزارہ کے سعد بن بکر کے قبضہ میں تھی۔ اس کے بعد اسدی نے وہاں کے آثار کا ذکر کیا اور بتایا کہ یہاں ایک کنواں تھا جسے بئر مسجد کہتے تھے یعنی حضرت ابو ذر غفاری کی مسجد کا کنواں تھا۔
ابن ابی شیبہ کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدقہ کے اونٹوں کے لئے یہ چراگاہ چھوڑ دی تھی' یہی وجہ ہے علامہ ھجری نے ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر نے ربذہ کو چراگاہ قرار دیا تھا۔ اس چراگاہ کی پیائش ہر طرف سے بارہ بارہ میل تھی' اس کے درمیان میں پتھریلی جگہ تھی' پھر اس میں بعد کے گورنروں نے اضافہ کیا اور سب سے آخر میں اپنے اونٹوں کے لئے اس میں اضافہ کیا تھا۔ اہلِ مدینہ بھی اس میں جانور چراتے تھے۔
اس کی پہلی نشانی ''رحرحان'' تھی' یہ ربذہ کے مغرب میں چوبیس میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ تھا جو بنو ثعلبہ بن سعد کثیر قتان کی زمین میں تھا' کنوؤں میں سب سے قریبی کنواں ''کدید'' نام کا تھا۔ پھر اس کی نشانی اروم پہاڑ تھا جو مصعد کی بائیں طرف تھا' اسے جندورہ کہتے تھے اور یہ بنو سلیم کی زمین میں تھا' اس کا نزدیکی کنواں بنو سلیم کا تھا جسے ذنوب کہتے تھے' یہ ربذہ سے بارہ میل کے فاصلے پر چراگاہ میں تھا' پھر ''یعملہ'' تھا اور یہاں بہت سے کنوئیں تھے' اس کے اور

ربذہ کے درمیان تیرہ میل کا فاصلہ تھا' پھر مصعد کی بائیں جانب هضبات حمر تھا' یہ ربذہ سے بارہ میل کے فاصلے پر تھا پھر عمود المحدث تھا' یہ سرخ رنگ کا تھا اور محارب کی زمین میں تھا' اس میں بھی کنوئیں تھے جنہیں اقعسیہ کہا جاتا تھا' یہ ربذہ سے چودہ میل کے فاصلے پر تھا اور ایک وسیع شہر تھا۔

چراگاہِ ضریہّ

یہ بھی انہی میں سے ایک تھی۔ یہ ایک بستی تھی جس کا نام اس کنوئیں کے نام پر رکھا گیا تھا جسے ضریہ کہتے تھے۔ ابن کلبی کہتے ہیں کہ ضریہ کا نام ضریہّ بنت نزار کی وجہ سے رکھا گیا تھا۔ یہ اُم حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ تھی۔ اصمعی کہتے ہیں کہ اسے ضریہ بنت ربیعہ بن نزار کہتے تھے۔ علامہ نصر کہتے ہیں کہ ضریہّ نجد میں ایک وسیع گوشہ تھا جس کی طرف ضریہّ منسوب تھا' یہاں امیر مدینہ آتا اور بصرہ کے حاجی آیا کرتے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ ایک قدیم بستی تھی جو بصرہ سے مکہ کو جاتے ہوئے راستے میں آتی تھی اور مکہ کے زیادہ قریب تھی البتہ یہ مدینہ کے کنٹرول میں تھی جس پر مدینہ کے گورنر کا حکم چلتا تھا۔

علامہ اسدی نے بصرہ کے راستے کی وضاحت کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ضریہّ مکہ سے دس دن کی مسافت پر تھی لیکن واقف کاروں نے جو کچھ مجھے بتایا ہے' اس کے مطابق یہ مدینہ سے سات مرحلوں پر تھی اور مدینہ کے زیادہ قریب تھی۔

''شرف'' کے بارے میں اصمعی کے قول کے مطابق یہیں ضریہ موجود تھی' وہ کہتے ہیں: ضریہ ایک کنواں تھا جس کا پانی میٹھا اور ستھرا تھا۔

علامہ مجد لکھتے ہیں کہ سب سے مشہور چراگاہ ضریہّ تھی' یہ کلیب بن وائل کے قبضہ میں تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ جنگل میں ایک مشہور جگہ تھی جسے اکابر لوگ بڑوں سے سن کر بتاتے چلے آئے ہیں' اسی کی ایک جانب کلیب کی قبر تھی جو آج بھی مشہور ہے۔

مجھے یہ بات اہلِ نجد کے رئیس ابو الجود اجود بن جبر نے بتائی تھی جو اچھے عقیدہ کے مالک اور لوگوں پر سخاوت کرنے والے تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ کلیب کی قبر مشہور ہے جہاں عرب لوگ ثواب کی نیت سے جاتے تھے۔ مجھے بھی اس کی راہنمائی ایک شخص نے کی تھی کہ وہاں جاؤں جس پر میں نے کہا کہ وہ تو ایک جاہل شخص تھا۔

علامہ ھجری کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ضریہّ کو چراگاہ قرار دیا تھا تاکہ صدقہ کے اونٹ اور نمازیوں کے اونٹ یہاں چر سکیں چنانچہ اونٹ اپنی مرضی سے چرا کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی اور پھر دورِ عثمان کے ابتدائی زمانے تک یہ یونہی رہی پھر اونٹ بہت ہو گئے اور چالیس ہزار کی تعداد کو پہنچ گئے تو یہ چراگاہ تنگ پڑ گئی چنانچہ حضرت عثمان نے ان اونٹوں کی خاطر اسے وسیع کرنے کا حکم دیا چنانچہ اس

میں بہت سا اضافہ کر دیا گیا البتہ حضرت عثمان نے بنوضبیعہ سے ایک کنواں خریدا جو ضریہ کی طرف غنی کے کنوئیں کے قریب تھا جسے بکرہ کہتے تھے اور یہ ضریہ سے دس میل کے فاصلے پر تھا۔

کہتے ہیں کہ یہ بکرہ حضرت عثمان کی چراگاہ میں شامل ہو گیا اور پھر گورنر مسلسل اس میں اضافہ کرتے رہے اور اسے چارے کا گھر بنا لیا۔ ان گورنروں میں سب سے زیادہ سخی ابراہیم بن ہشام مخزومی تھا' اس نے بھی اس میں اضافہ کیا اور گھر والوں کو تنگی دی' ہر رنگ کا اس میں ایک ایک ہزار اونٹ رکھا۔ ہر طرف سے چراگاہوں کے محافظ اس سے سخت جنگ کرتے رہے اور خون خرابہ ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ ابن ہشام کے محافظوں اور اہل مدینہ کے چرواہوں نے ان سے جنگ کی' یہ لوگ دو سو سے زیادہ تھے' جنگ بہت شدید تھی' غنوی لوگ کامیاب ہوئے اور انہوں نے ان کے بارہ افراد قتل کر دیئے اور پھر ہر ایک کے بدلے سو اونٹ تاوان دینے پر ان سے صلح کر لی۔

ضباب میں سے کچھ لوگ حضرت عثمان کے لڑکے کے پاس آئے اور ان سے اونٹوں کے لئے پانی مانگا' انہوں نے پلا دیا اور وہ اونٹ ان کے قبضے میں رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراگاہ کے باہر غنی کی زمین میں کنواں کھدوایا۔ یہ اس کنوئیں کی طرف تھا جسے لفی کہتے تھے اور یہ اضاخ سے پندرہ میل کے فاصلے پر تھا' آپ کے عاملوں نے وہاں محل بنایا' یہ کنواں نہ چلا تو عاملوں نے پہلے اسے چھوڑ دیا چنانچہ وہ پانی آج تک نہیں چل سکا۔

بنوتمیم کے کنوؤں میں سے اضاخ تک قریبی کنواں اُضیح تھا جو بنوجہیم کا تھا۔ یہ ایک عرصہ تک دفن رہا تو بنوعبد اللہ بن عامر میں سے کچھ لوگوں نے بنوجہیم میں سے اپنے رشتہ داروں سے کہا: ہم آل عثمان سے تمہارے لئے پانی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ انہوں نے اس میں رغبت دکھائی' آل عثمان نے یہ بات مان لی تو جہیمیوں نے اپنی قوم سے ان کی طرف جانے کو کہا' انہیں غنی کے چرواہے ملے' انہوں نے پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ بنوعثمان نے اس معاملے کا والی بنایا ہے' انہیں غنی سے یہ اطلاع مل گئی تو انہوں نے وعدہ کیا کہ ان کے گھروں کے نزدیک ٹھہر جائیں گے چنانچہ بہت سارے جمع ہو گئے' بنوجہیم کو پتہ چل گیا کہ اگر وہ ثابت قدم رہے تو بڑی مصیبت پڑے گی تو رات کے وقت وہ ان کے گھروں کی طرف کوچ کر گئے' کچھ کو پتہ چل گیا کہ انہیں پکڑ لیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے کوچ کا ارادہ ترک کر دیا۔ چنانچہ جہیمیوں کے رشتہ دار ناراض ہو گئے اور انہوں نے آلِ عثمان کو بھی ناراض ہونے کو کہا۔ جب حسن بن زید مدینہ میں آئے' ان کے ساتھ جہیمیوں کے کچھ رشتہ دار بھی تھے تو انہوں نے آلِ عثمان سے کہا' ہم تمہارے پاس تمیم کے اچھے لوگ اور ضاخ کے مشائخ کو لائے ہیں جو تمہیں گواہی دیں گے چنانچہ آل عثمان نے غنی کے خلاف حسن بن زید سے مدد مانگی اور انہوں نے اضاخ کے مقام پر ان سے انصاف کے لئے جھگڑنے کا ارادہ ظاہر کیا کیونکہ وہ بنوتمیم کے قریب تھا' آل عثمان نے عبد اللہ بن عمرو بن عبسہ عثمانی سے بات کی چنانچہ وہ ابومطرف کے پاس جمع ہوئے جو اضاخ میں لشکر کا نگران تھا اور غنی کی طرف سے جھگڑے کا ذمہ دار تھا چنانچہ جب بھی عثمانی تمیم کا گواہ لاتا تو غنوی دو گواہ لے آتے' عثمانی اپنے گھروں کے پاس چلا

گیا۔ان کے درمیان یہ جھگڑا ۱۵۰ھ یا ۱۵۱ھ میں ہوا تھا۔

عبداللہ بن مطیع نے کنواں کھودا' یہ ضباب کے قبضہ میں تھا اور ضریہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر اضاخ کے راستے میں تھا جو شعبی کی جانب تھا' کندی لوگ وہاں سے پانی پیتے تھے' ان کے کنوئیں کا نام ثریا تھا؟

قنیع' عباس کندی کا کنواں تھا جو اہلِ بصرہ کے راستے میں تھا۔جب کندیوں کو قنیع سے جلاوطن کر دیا گیا تو بنو ابوبکر بن کلاب اور بنو جعفر میں جھگڑا پیدا ہو گیا' ابوبکر نے کہا کہ ہم اپنے حلیفوں کے کنوئیں کے زیادہ حقدار ہیں' جعفر یوں نے کہا کہ وہ ہمارے گھر کے نزدیک ہے لہٰذا ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں چنانچہ قنیع کے مقام پر انہوں نے ایک دوسرے کو جمع کر لیا' بنو جعفر کا سردار عبود بن خالد تھا اور ابوبکر کا سربراہ معروف بن عبدالکریم تھا جس کی بہن عبود کی بیوی تھی جو اس کے لڑکے طفیل کی والدہ تھی' بنو جعفر میں سے طفیل اپنے ننھیال کے مقابلے میں سخت تھا۔اس کی والدہ رات کے وقت اپنی قوم کی طرف نکلی اور کہنے لگی کہ بنو جعفر میں تمہارا سخت دشمن تمہاری بہن کا بیٹا ہے' وہ سب سے پہلے قتل ہو گا چنانچہ سلمہ بن عمرو عریقی کے فیصلے پر قوم صلح کے لئے تیار ہو گئی چنانچہ انہوں نے تحریر کر دی' گواہیاں ڈالیں اور وعدہ کر لیا کہ ان کے پاس ہر قبیلے میں سے چالیس آدمی وفاداری کریں گے اور مدتِ وعدہ گزارنے کے لئے وہ سلمہ کے پاس ٹھہر گئے۔وہ ان کے لئے روزانہ ایک اونٹ ذبح کرتا اور ہر ایک پر مہربانی کرتا۔انہوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس اس لئے نہیں آئے کہ تم ہمارے لئے روزانہ ایک اونٹ ذبح کرو۔اس نے کہا کہ اے بنو کلاب! تمہیں مبارک ہو' تم میرے پاس ایسے کام کو آئے ہو جو بالکل واضح ہے' اگر تم لوگ میرا حکم نہ مانو تو میں تمہارا حاکم کس بات کا ہوں' چنانچہ ان سے پختہ وعدے لے لئے اور پھر کہنے لگا اے بنو کلاب! میں دیکھ رہا ہوں کہ ظالم تم ہو! تم رشتہ داری کا لحاظ نہیں کرتے بلکہ قطع رحمی کرتے ہو' یہ تمہارا حق نہیں بنتا چنانچہ وہ سب راضی ہو گئے۔

بنو اردم کا اہلِ ضریہ کے راستے پر قدیم کنواں تھا جو مدینہ کے راستے پر ضریہ سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر تھا' اسے جفر کہتے تھے' ان کے ہمراہ بنو عامر بن لؤی کے کچھ لوگ تھے چنانچہ سعید بن سلیمان ساحقی نے کنواں کھودا اور وہاں میل کے علاقے میں بہت سے درخت لگا دئے چنانچہ وہ علاقہ درختوں سے بھرپور ہرا بھرا ہو گیا۔

جب ابراہیم بن ہشام مدینہ کا حکمران بنا تو چراگاہ میں کنواں کھودا جو ضریہ سے چھ میل کے فاصلے پر تھا اور بکرہ سے ضریہ کے راستے میں تھا جس کا نام انہوں نے ''نامیہ'' رکھا اور دوسرا کنواں شعبی کی جانب ضریہ اور بنو اردم کے کنوئیں کے درمیان کھودا جو ضریہ سے سات میل کے فاصلے پر اس وادی میں تھا جسے فاضحہ کہتے تھے کیونکہ وہ پہاڑوں کے درمیان کھلی جگہ پر تھا اور جب ابن ہشام فوت ہو گیا تو جعفر بن مصعب بن زبیر نے ایک کنواں کھودا جو ابن ہشام کے کنوئیں کی ایک جانب فاضحہ میں تھا اور اپنے لڑکے کے ساتھ وہیں رہا اور وہیں فوت ہو گیا۔اس کا لڑکا اپنے باپ کی جگہ وہاں ٹھہرا حتیٰ کہ محمد بن ابراہیم بن عبداللہ بن حسن نکلا چنانچہ وہ محمد کے ہمراہ نکلا اور جب وہ قتل ہو گیا تو وہ بصرہ کی طرف بھاگ گیا' پھر فاضحہ کی طرف لوٹ آیا اور بنو جعفر میں شادی کر لی پھر بنو الطفیل میں کی' اس کے ہاں عبداللہ پیدا ہوا جس

کی شادی اس نے قاسم بن جندب فزاری کی لڑکی سے کی۔ یہ عرب کے نامور لوگوں میں سے تھا' جھنڈا بردار تھا' قاسم سفر پر نہ جاتا تھا اور نہ ہی اس نے حج کیا اور نہ ہی ضریہ کی طرف آیا جبکہ اس کی بیٹی سے عبد اللہ کی اولاد ان کی باقی اراضی میں رہی۔

پھر ابن ہشام کے غلام جرش نے گڑھا کھودا جو بنو ادوم کے گڑھوں اور مساحقی کے گڑھے سے دو یا تین میل کے فاصلے پر تھا اور اس کا نام جرشیہ رکھا پھر رافع بن خدیج کے لڑکوں سے کچھ لوگوں نے اسے خرید لیا اور پھر اس کے قریب سلطان کی زمین میں گڑھا کھودا' ان سے محمد بن جعفر بن مصعب کا بنو ادرم کے حق میں جھگڑا ہوا' یہ بہت سخت قسم کا تھا' وہ اکیلا ان سے لڑا چنانچہ وہ اکٹھے ہوئے اور ان میں سے دو آدمیوں نے اس کے سر پر ہلکی ضربیں لگائیں' اس نے دونوں کو قید کر لیا اور ضریہ میں سے گیا پھر مدینہ میں حسن بن زید سے ان کے خلاف مدد چاہی' انہوں نے انہیں ڈنڈوں سے مارا اور پھر معاف کر دیا پھر وہ جرشیہ اور حفیرہ کے بارے میں جھگڑے تو انہوں نے بنو ادرم اور مساحقی کے حق میں فیصلہ دیا۔

بنو ادرم اور بجیر قریشی تھے۔ان میں شرارت پڑ گئی' ان کے ہمسائے قیس تھے جو ان کی عزت کرتے تھے' جب ان میں فساد برپا ہوا تو دونوں طرف کے لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف چور بھیجے چنانچہ بنو کلاب اور بنو خزارہ نے انہیں لُوٹا اور ان کے کچھ لوگ قتل کر دیے۔وہ مدینہ چلے گئے اور بکھر گئے۔

وسط

یہ ایک پہاڑ ہے جو ضریہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہے جس کی چوٹی پر حاجی چڑھتے تھے اور اس کی بائیں طرف کھلا میدان ہے جو تین یا چار میل کشادہ ہے' قنیع اس کی بالائی جانب ہے اور یہ وسط اور عسعس کے درمیان ہے' اسے عسعس کا میدان بھی کہتے ہیں اور عسعس ایک سرخ رنگ کا پہاڑ ہے جو بیٹھے ہوئے آدمی کی شکل کا معلوم ہوتا ہے جس کا ایک سر اور دو کندھے دکھائی دیتے ہیں۔

رہا ضریہ کا چشمہ اور اس کا پانی تو کہتے ہیں کہ یہ عثمان بن عنبسہ بن ابو سفیان کے قبضے میں تھا' انہی کا کھودا ہوا تھا' انہوں نے ہی اس میں باغ لگوایا اور پتھر سے گڑھا بنایا تاکہ اس میں پانی ذخیرہ کیا جا سکے۔یہ وہ بند تھا جو وادی کے درمیان آ گیا' اس نے پانی کی روک کر دی جس سے وہ ایک عرصہ کے لئے گڑھے میں محفوظ ہو گیا جب ابو العباس ان کی قبضہ شدہ جگہ پر قائم ہوا تو اس کے آخری دور میں (جبکہ بنو جعفر بن کلاب میں سے اُم سلمہ مخزومیہ اس کی بیوی تھی جو معروف بن عبد اللہ نے اس کے حوالے کی تھی) اس معروف کی عزت کی' اس نے اس سے عین ضریہ کا سوال کیا تو اس نے اسے دیدیا' یہ ایک بدو شخص کا شتکار تھا۔جب اس میں تروتازگی آ گئی تو اس نے اپنے اہل وعیال یہاں آباد کر لئے۔جب لوگوں نے وہاں کے پھل کا مطالبہ کیا تو اس نے کھجور کا پھل دیا۔وہ مہمانوں کو وہاں کی کھجوریں پیش کرتا اور

اپنی اونٹنیوں کا دودھ لا کر دیتا۔ وہاں وہ دو ماہ ٹھہرا رہا' جب کھجوریں اس کے قبضے میں آ گئیں تو اس کے پاس مہمان آئے' اس نے انہیں تھوڑی سی کھجوریں دیں۔ ایلچی نے کہا: جو کچھ تم دیکھ رہے ہو' اس کے علاوہ کھجوریں ختم ہو گئیں۔ اس نے کہا: مجھے یہ بات بری لگتی ہے کہ میں اپنے مہمانوں کو تمہاری کھجوریں دوں۔ وہ اپنے کھیت سے ککڑیاں اور کچھ خربوزے لے آیا۔ اس نے کہا' یہ تم کیا لے آئے ہو۔ دیکھو کہیں میری بیوی اسے نہ دیکھ لے۔ اس نے باغ ناپسند کرتے ہوئے بیچنے کا ارادہ کیا چنانچہ حاکم یمامہ عبداللہ ہاشمی نے اس سے خرید لیا اور دو ہزار درہم ادا کر دئے۔

چراگاہ کے پہاڑوں میں سے مصعد کے قریب والا پہاڑ جبل ستار تھا جو بصرہ کے راستے میں تھا' یہ سرخ رنگ کا مستطیل پہاڑ تھا' اس سے بصرہ کو راستہ جاتا تھا' اس کے اور اِمرہ کے درمیان پانچ میل کا فاصلہ تھا۔

متالع

یہ سرخ رنگ کا بڑا پہاڑ تھا اور اِمرہ کی بائیں جانب تھا جو تین میل کے فاصلے پر تھا۔
''ولبنی عبس'' گھاٹی میں ایک کنواں تھا جسے ''اسودہ'' کہتے تھے۔

شعر

یہ بھی ایک بڑا پہاڑ تھا جو ''وضخ'' کے پہلو میں تھا' اس کے قریب ایک کنواں تھا جسے ''شطون'' کہتے تھے۔ شاعروں نے اس کا بہت ذکر کیا ہے چنانچہ خضری نے کہا تھا:

'' اللہ تعالیٰ شطون شعر نامی کنوئیں میں کمی نہ آنے دے اور نہ ہی کواکب وغدیر میں پانی کی کمی آئے۔''

''وضخ'' کے مقام پر ''عرائس'' کی بائیں جانب پہاڑیاں تھیں جن میں چھوٹے چھوٹے کنوئیں تھے جن پر ریت پڑی تھی جو مہزول کی بالائی جانب تھے' یہ ''اقبال بز'' میں ایک وادی تھی' وہاں کی وادیوں کو ''عشاعث'' کہتے تھے۔ پھر اس عشاعث کے ساتھ ہی ذوعشث کی وادی تھی جو ''تسریر'' میں جا گرتی تھی اور پھر وادئ ''مرعی'' میں جاتی تھی' یہ چراگاہ کے پہلو میں تھی' اس کے ساتھ ہی ''نضاذ'' تھی' یہ حقوق عنی میں داہنی طرف والے کنوئیں کی جانب تھی۔ اس کنوئیں کے ساتھ ہی بہت سے پہاڑ تھے' تسریر کے سیلاب اسی سے نکلتے تھے اور یہ نضاد اور عشث میں جا کر مل جاتے تھے پھر ثجاث اور بقر نضاد کے آگے تھیں' چراگاہ سے مراد یہی تھی' پھر مصعد کی بائیں طرف سے اقعس سے جا ملتی تھیں' اس کا قریبی کنواں ''دیلبین'' تھا۔ هضب الیلبین اور ربذہ کے درمیان بیس سے کچھ زیادہ میل کا فاصلہ تھا پھر مصعد کی بائیں طرف هضب الیلبین قنان ملتی تھی' اس کے اور ربذہ کے درمیان پندرہ میل کا فاصلہ تھا جو ربذہ سے شمالی جانب تھی' ان دونوں کے درمیان هضب تھی جسے سنام کہتے تھے پھر جمارہ کے ساتھ پہاڑیاں تھیں جنہیں حاربیہ کہا جاتا تھا' ان کے اور ربذہ کے درمیان چودہ میل کا فاصلہ تھا' اس کے بعد هضب المنحر اور رحرحان تھیں۔

چراگاہِ فید

ان میں سے ایک چراگاہِ فید تھی' یہ نجد میں ایک مقام تھا جو عراقی حاجیوں کے راستے میں تھا۔اس میں کھجوروں کے درخت اور نالے تھے۔کہتے ہیں کہ اس کا نام فید بن حام کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ سب سے پہلے یہاں اسی نے سکونت کی تھی۔

ابن جبیر کہتے ہیں کہ وہ مدینۂ منورہ سے نکلے' ہفتے کا دن تھا' عراقی سواروں کے ہمراہ چلے اور فیدا میں ہفتہ کے دن پہنچے' گھر سے نکلے انہیں نواں دن تھا۔علامہ اسدی کہتے ہیں کہ اس میں بنونبہان کی رہائش تھی اسد اور حمدان وغیرہ کے لوگ رہتے تھے اور وہاں تین کنوئیں تھے' ایک عین النخل تھا جسے حضرت عثمان بن عفان نے کھدوایا تھا' دوسرا ''حارہ'' کے نام سے مشہور تھا جو حصن اور ستون کے درمیان تھا جسے منصور نے کھدوایا تھا اور تیسرا باردہ کے نام سے مشہور تھا جو گھر سے باہر راستے میں تھا جسے مہدی نے کھدوایا تھا جس میں ڈول کی چھوٹی رسیاں ڈالی جاتی ہیں۔

علامہ ھجری کہتے ہیں : رہا فید کا معاملہ تو مجھے ایسا کوئی شخص نہیں ملا جو اس کے بارے میں کچھ جانتا ہو کہ اسے کس نے بنایا تھا' اتنا پتہ چلا ہے کہ یہ فید اس مقام پر تھا بنو اسد اور بنو طے کے درمیان بنجر زمین تھی' یہ طے پہاڑ کے قریب تھا۔یہاں سب سے پہلے جس شخص نے دورِ اسلام میں گڑھا کھودا تھا وہ فزارہ کا غلام ابو الدیلم تھا' اس نے وہ چشمہ کھودا جو آج کل قائم ہے اور وہاں درخت لگائے تھے' یہ انہی کے قبضے میں رہا اور پھر آخر میں اس پر بنو عباس نے قبضہ کر لیا چنانچہ آج کل یہ انہی کے قبضہ میں ہے۔

میں کہتا ہوں' لگتا یہ ہے کہ شاید ھجری کو حضرت عثمان کے اس چشمے کا علم نہیں جس کا ذکر علامہ اسدی نے کیا ہے۔شاید سب سے پہلے انہوں نے ہی اسے چراگاہ بنایا تھا۔

علامہ ھجری کہتے ہیں' رہے اس چراگاہ کے پہاڑ تو ان میں سے ایک کوفہ کے راستے پر تھا' فید اور اجفر کے درمیان ایک پہاڑ تھا جسے جبیل کہتے تھے' یہ سرخ رنگ کا عظیم پہاڑ تھا اور بنو اسد کی سرزمین میں تھا جو فید سے سولہ میل کے فاصلے پر تھا' فید اور کوفہ کے درمیان کوئی اور پہاڑ نہ تھا پھر اس کے ساتھ ہی عمر پہاڑ تھا' یہ سرخ رنگ کا تھا جو فید سے بیس میل لمبا تھا اور مکہ سے مصعد کی بائیں طرف تھا' اس کے پہلو میں کنواں تھا جسے رخیمہ کہتے تھے' ایک اور کنواں تھا جو مکہ سے مصعد کی بائیں طرف تھا' ایک اور کنواں تھا جسے ثعلبیہ کہتے تھے اور یہ سب چراگاہ میں تھے' پھر مصعد کی بائیں طرف ایک سیاہ ''قبہ'' تھا جسے ''اذنہ'' کہتے تھے' یہ فید سے سولہ میل کے فاصلہ پر تھا اور یہ بنو اسعد کی زمین میں تھا' اس کی ایک جانب کنوئیں تھے جنہیں وراقہ کہا جاتا تھا پھر مصعد کی بائیں جانب بنو اسد کا ھضب الوراق تھا' اس کی ایک جانب کنوئیں تھے جنہیں افعیٰ کہا جاتا تھا اور کچھ کنوئیں تھے جنہیں وراقہ کہتے تھے۔پھر دو سیاہ پہاڑ تھے جنہیں قرنین کہتے تھے اور یہ بنو اسد کی زمین میں تھے' یہ فید سے سولہ میل کے فاصلے پر تھے' مکہ کی طرف جانے والا راستہ ان کے درمیان تھا پھر مصعد کی

دائیں طرف راستے میں سیاہ پہاڑ تھا جسے احول کہتے تھے اور یہ طے کی زمین میں تھا' یہ فید سے سولہ میل کے فاصلے پر تھا' اس کا سب سے قریبی کنواں ابضد تھا پھر مصعد کی دائیں طرف ایک پہاڑ تھا جسے دخنان کہتے تھے اور جو بنو طے کی سر زمین میں تھا' یہ فید سے بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ پھر ایک اور پہاڑ تھا جسے غمر کہتے تھے' پھر دو اور پہاڑ تھے جنہیں جاش اور جلذ یہ کہتے تھے اور یہ بنو طے کی زمین میں تھے' یہ فید سے تیس میل سے زیادہ فاصلے پر تھے' یہاں چراگاہ وسیع تھی' پھر صدر پہاڑی تھی جو فید سے سینتیس میل کے فاصلے پر تھی' پھر صحراء تھا جس میں کوئی پہاڑ نہ تھا جسے صحراء مخلّہ کہتے تھے' یہ اجفر کی دائیں طرف تھا اور یہ فید سے چھتیس میل کے فاصلے پر تھا' اس کے کنوؤں (یا مومنوں) میں سے قریبی جنجاشہ تھا۔

کبد منی

پھر کبد منی پہاڑی تھی۔ یہ ایک عظیم چوٹی تھی' تنہا تھی اور منی کے مشرق میں تھی۔ یہ وہ پہاڑی تھی جو اردگرد کی پہاڑیوں سے اونچی دکھائی دیتی تھی' حاجی لوگ جب حج کر کے واپس آتے تو یہ سامنے دکھائی دیتی۔ حلیت اور منی کے درمیان ایک پہاڑ تھا جسے قادم کہتے تھے اور اسی کے پہلو میں قویدم تھا' ان دونوں میں چشمے تھے جنہیں قادمہ کہا جاتا تھا جن کا پانی بہت ستھرا تھا۔ ان کی مٹھاس کی مثال دی جاتی تھی' اس کے اور منی کے درمیان دارۃ الفہیدہ تھا۔

بحمدہٖ تعالیٰ 9 رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ رات ایک بجے وفاء الوفاء شریف کی تیسری جلد کا ترجمہ مکمل ہوا۔



اللُّمَع

تألیف
أبي نصر عبد الله بن علي السرّاج الطوسي
المتوفی سنة ۳۷۸ھ

مترجم: شاہ محمد چشتی

سُنن ابن ماجہ شریف مترجم

تألیف
امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی رحمۃ اللہ علیہ
المتوفی ۲۷۳ ہجری

ترجمہ: محمد جاوید

مُعجزات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الامام ابن کثیر
المتوفی سنة ۷۷۴ھ

مترجم: شاہ محمد چشتی

تألیف
أبي المواهب عبد الوهّاب بن أحمد بن علي بن أحمد
الشافعي المصري المعروف بالشعراني
المتوفی سنة ۹۷۳ھ

المیزان الکبری الشعرانیة

مترجم: محمد حیات سنبھلی
نظرِ ثانی: محمد محسن

راہنمائے زندگی
الادب المفرد

تصنیف
امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری
متوفی ۲۵۶ھ

مترجم: شاہ محمد چشتی

الرسالة القشیریة

مصنف
امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری
۳۷۶ھ - ۴۶۵ھ

مترجم: شاہ محمد چشتی
تدوین و ترتیب: محمد محسن

اسٹاکسٹ

حسیب پبلشنگ ہاؤس

ایوانِ علم پلازہ ۱۸۔ اُردو بازار، لاہور